

## فیصلہ

اسلام آباد ہائیکورٹ، اسلام آباد

عدالتی شعبہ

آئینی درخواست ہائے نمبری 3862, 3847, 3896 اور 4093 بابت سال 2017ء

مولانا اللہ وسایا (آئینی درخواست نمبری 2017/3862)

یونس فریشی وغیرہ (آئینی درخواست نمبری 2017/3847)

تحریک لبیک یار رسول اللہ (آئینی درخواست نمبری 2017/3896)

رسول سوسائٹی بذریعہ صدر (آئینی درخواست نمبری 2017/4093)

بنام

وفاق پاکستان بذریعہ سیکرٹری وزارت قانون و انصاف، وغیرہ

(آئینی درخواست نمبری 2017/3862)

وفاقی حکومت بذریعہ وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان، وغیرہ

(آئینی درخواست نمبری 2017/3847, 3896 & 4093)

وکلاء درخواست دہندگان: حافظ عرفات احمد چودھری اور محترمہ کاشفہ، نیازاعوان،

ایڈوکیٹس ہمراہ معاونین ایم زاہد تنوری، ایڈوکیٹ اور سائل۔

(آئینی درخواست نمبری 2017/3862)

محمد طارق اسد، ایڈوکیٹ سپریم کورٹ

(آئینی درخواست ہائے نمبری 2017/3847 & 4093)

حافظ فرمان اللہ ایڈوکیٹ نعمان منیر پراچہ، ایڈوکیٹ۔ سید محمد اقبال ہاشمی، ایڈوکیٹ

محترمہ امیر جہاں المعروف بسمہ نورین، امدائلت کنندہ۔

مداخلت کنندگان:

(جملہ مقدمات میں)

وکلاء جواب دہندگان جناب:- ارشد محمود کیانی، دپٹی اٹارنی جزل۔ محترمہ نویدہ نور، ایڈوکیٹ برائے آئی بی جنا ب نعمان منور اور

اصغر، نمائندہ وزارت قانون و انصاف۔ عثمان یوسف میں، چیئرمین نادرا۔ سید جنید جعفر، لاء آفیسر

نادرا، شاقب جمال، ڈائریکٹر (لیگل) اور ذوالقدر علی، ڈی جی (پراجیکٹس)، نادرا۔ کامران رفت،

ڈپٹی ڈائریکٹر (لیگل)، ایف پی ایس سی، اسلام آباد۔ ایم شاہد ڈائیو، ڈپٹی ڈائریکٹر اور زرناب

خٹک، ایس او، اسٹبلشمنٹ ڈویژن۔ قصر مسعود، ایڈیشنل ڈائریکٹر (لاء) ایف آئی اے۔ وقار

چودھری، ڈیپارسیسینگ آفیسر (لیٹن گیشن)، قومی اسمبلی (جملہ مقدمات میں)

منصف کے مددگار:

(مذہبی مفکرین)

پروفیسر ڈاکٹر حافظ حسن مدنی (26-2-2018)

پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن (27-2-2018)

پروفیسر ڈاکٹر محسن نقوی (28-2-2018)

مفتش محمد حسین خلیل خیل (01-03-2018)

(جملہ مقدمات میں)

منصف کے مددگار:

(آئینی ماہرین)

محمد اکرم شیخ، سنیئر ایڈ ووکیٹ سپریم کورٹ (02-03-2018)

ڈاکٹر محمد اسلم خاکی، ایڈ ووکیٹ سپریم کورٹ بعد معاون محترمہ یاسین

حیدر، یاسین حیدر، ایڈ ووکیٹ (05-03-2018)

ڈاکٹر بابر اعوان، سنیئر ایڈ ووکیٹ سپریم کورٹ (05-03-2018)

(جملہ مقدمات میں)

22-02-2018, 23-02-2018, 26-02-2018

تواتر خصوصیت:

27-02-2018, 28-02-2018, 01-03-2018

02-03-2018, 05-03-2018, 06-03-2018

07-03-2018 & 09-03-2018

شوکت عزیز صدیقی، نج: اس ایک فیصلہ کے ذریعے جملہ عنوانی آئینی درخواستیں مندرجہ بالا نپڑائی جاتی ہیں کیونکہ تمام میں قانون اور حقوق کے یکساں سوالات درپیش ہیں۔

2۔ آئینی درخواست نمبر 3862/2017 میں درخواست دہنده مولا نالہ دوسایا ایک نامور مذہبی سکالر ہیں، اسلام کے مختلف موضوعات پر بہت سی مشہور کتابیں تصنیف کر چکے ہیں اور عقیدہ ختم نبوت، پران گنت پیغمبر دے چکے ہیں جو ان کے کام کا موضوع رہا ہے۔ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی تکمیل کے عقیدے پر بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ’آئینی قادیانیت، پارلیمان میں قادیانی شکست، اور تحریک ختم نبوت 1953‘ شامل ہیں۔

3۔ آئینی درخواست نمبر 3847/2017 میں درخواست دہنگان (مولانا یوس قریشی، ڈاکٹر طیب الرحمن زیدی، مولا نا فضل الرحمن مدنی) مذہبی سکالر اور مختلف جامعہ مساجد کے امام ہیں جبکہ درخواست گزار نمبر 4 (عبداللہ) ایک سماجی کارکن ہیں۔ آئینی درخواست نمبر 3896/2017 تحریک لبیک یا رسول اللہ نے اپنے مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن کے ذریعے دائرہ کی ہے

تاہم بعد ازاں کوئی بھی اس معاہلے کو چلانے کے لئے عدالت ہذا کے رو برو پیش نہ ہوا۔ البتہ چونکہ اس آئینی درخواست کو دیگر اسی طرح کی آئینی درخواستوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا اس لئے اس پر بھی فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ آئینی درخواست نمبری 4093/2017 سول سوسائٹی کی جانب سے اپنے صدر محمد طاہر کے ذریعے دائر کی گئی تھی۔ بعد ازاں سید اقبال ہاشمی ایڈوکیٹ اور محترمہ امیر جہاں المعروف بسمہ نورین نے عدالت ہذا کے رو برو کاروانی میں بطور مدعا خلت کنندہ شمولیت اختیار کی۔

4۔ درخواست ہندگان نے اپنی آئینی درخواستوں کے ذریعے عدالت ہذا کو آئین کے تحت حاصل اختیار سماعت کو بروئے کارلاتے ہوئے درج ذیل استدعاوں پر حکم جاری کرنے کی عرض پیش کی ہے۔

### آئینی درخواست نمبری 3862/2017

”پس، یہ مودبادہ استدعا کی جاتی ہے کہ معزز عدالت مہربانی فرمائے؛

الف) مسئول الیہ نمبری 1 کو ہدایت جاری کی جائے کہ قادیانی گروہ لاہوری گروہ سے متعلق قانونی دفعات کلیت کے ساتھ (جو کہ ایکشن ایکٹ 2017 کے اجراء سے قبل موجود تھیں) کی بحالی کے لئے فوری طور پر مطلوبہ اقدامات کرے اور اسی مسئول الیہ کو مزید ہدایت جاری کی جائے کہ یہ تمام دفعات بنیادی قانون سازی یعنی ایکشن ایکٹ 2017 کا حصہ بنائی جائیں؛

ب) مسئول الیہ نمبری 3 کو ہدایت جاری کی جائے کہ اب کے بعد ایسے افراد کا علیحدہ بنیادی اعداد و شمار (ڈیٹا بیس) تیار کیا جائے جن کا قادیانی گروہ لاہوری گروہ سے تعلق ہوا اور جو ملکی ملازمت کا حصہ ہیں تاکہ مستقبل میں انہیں ایسے عہدوں پر تعینات نہ کیا جائے جن میں حساس معاملہ / معاملات شامل ہوں جیسا کہ درخواست ہذا میں اٹھائے گئے ہیں؛

ج) مسئول الیہ نمبری 2 کو ہدایت جاری کی جائے کہ وہ اچھی ساکھ کے حامل اور دیانتار افسران افسران کے ذریعے ان عناصر اور قوتوں کی مکمل چھان بین کرے جو درج بالا غیر آئینی اور غیر قانونی افعال کے پیچھے کار فرماتھے؛

د) مسئول الیہ نمبری 3 کو ہدایت جاری کی جائے وہ قادیانی گروہ لاہوری گروہ سے تعلق رکھنے والے ایسے افراد / افسران کی ان کے عہدوں سمیت تفصیلی رپورٹ ریکارڈ پر لائے جو اس وقت وفاقی حکومت میں کام کر رہے ہیں؛ کوئی اور ایسی اعانت جو یہ معزز عدالت ضروری اور در پیش حالات میں منصفانہ گردانی ہے بھی مرحت فرمائی جائے۔“

### آئینی درخواست ہائے اجراء پر وانہ نمبری 3847/2017

”لہذا درج بالا حالات کے تناظر میں انتہائی مودبادہ استدعا کی جاتی ہے کہ یہ معزز عدالت مہربانی فرمائے؛

الف) ایک غیر جانبدار جوڈیشل کمیشن کا قیام عمل میں لا یا جائے تاکہ ڈکٹریشن میں تبدیلی اور سابقہ کنڈکٹ آف جزل ایکشن آرڈر 2002 میں موجود (b) 7 اور (c) 7 کی دفعات کو حذف کئے جانے کی انکوائری کی جائے تاکہ ذمہ داروں کا تعین ہو، خاص طور پر مسئول الیہ نمبری 8، 9 اور 10 سے قانون کے مطابق نپٹا جاسکے؛

ب) ایکشن ایکٹ 2017 میں ”نامزد شخص کی جانب سے ڈکٹریشن اور حلف نامہ“ اصل حالت میں بحال کیا جائے جیسا کہ عوامی نمائندگی کے (کنڈکٹ آف ایکشن) روز 1977 میں وضع کیا گیا تھا اور اس میں دفعات (b) 7 اور (c) 7 کے مسودے کو شامل کیا جائے جیسا کہ سابقہ کنڈکٹ آف جزل ایکشن آرڈر 2002 میں موجود تھا؛

ج) مسئول الیہ نمبر 1 کو ہدایت کی جائے کہ راجہ ظفر الحق کی سربراہی میں قائم کمیٹی کی انکوائری رپورٹ کو فوراً شائع

کرے؛

د) کوئی اور ایسی اعانت جو یہ معزز عدالت ضروری اور درپیش حالات میں منصفانہ گردانی ہے بھی مرجمت فرمائی جائے۔“

### ۳ آئینی درخواست نمبری 2017/3896

”درج بالا بحث کے تناظر میں معزز عدالت سے مودبانہ گزارش کی جاتی ہے کہ اس درخواست کو منظور فرماتے ہوئے وفاقی حکومت کو ہدایت جاری کی جائے، مسول الیہ جس کی نمائندگی کر رہے ہیں، کہ راجہ ظفرالحق کی جانب سے پیش کردہ انکوارری رپورٹ کو شائع اور مشتہر کرے اور اس میں تعین کردہ مجرموں کے خلاف براہ مہربانی متعلقہ قانون کے تحت کارروائی عمل میں لائی جائے۔

کوئی اور ایسی اعانت جو یہ معزز عدالت ضروری اور درپیش حالات میں منصفانہ گردانی ہے بھی مرجمت فرمائی جائے۔“

### ۴ آئینی درخواست نمبری 2017/4093

”درج بالا حالات کے تناظر میں انہائی مودبانہ استدعا کی جاتی ہے کہ یہ معزز عدالت مہربانی فرمائے۔  
الف) ایک غیر جاندار جوڈیشل کمیشن قائم کرے تاکہ مسول ایمس نمبر 8، 9 اور 10 سمیت افراد کے خلاف انکوارری مقرر کی جاسکے جو کہ سابقہ کنڈکٹ آف جزل الیکشنز آرڈر 2002 میں موجود ڈکلریشن میں تبدیلی اور دفعات (b) 7 اور (c) 7 کو حذف کرنے کے فعل کے مرتكب ہوئے ہیں اور ان سے قانون کے مطابق نپتا جاسکے؛  
ب) مسؤول الیہ نمبر 1 کو ہدایت دی جائے کہ راجہ ظفرالحق کی سربراہی میں قائم کمیٹی کی انکوارری رپورٹ کو فوری طور پر مشتہر کرے،

ج) ان غیر سرکاری تنظیموں پر جو کہ ملک میں لادینی سوچ کو فروغ دے رہی ہیں پر پابندی عائد کی جائے۔

د) کوئی اور ایسی اعانت جو یہ معزز عدالت منصفانہ گردانی ہے بھی مرجمت فرمائی جائے۔

کوئی اور اعانت جسے یہ معزز عدالت مناسب سمجھتی ہو، اس آئینی درخواست کی بنابر مرجمت فرمائی جائے۔“

5۔ عنوان بالا آئینی درخواستوں میں جو بیش تر ایک جیسے حقائق پیش کئے گئے ان کو درج ذیل میں اختصار سے پیش کیا جا رہا ہے:-

مورخہ 02-10-2017 کو وفاقی حکومت نے الیکشنز ایکٹ 2017 (جو اس کے بعد یا تو 2017ء کیٹ یا ایکٹ متدعوی یہ لکھا جائے گا) کے عنوان سے ایک نیا قانون متعارف کروایا جس کا مقصد انتخابات کے انعقاد اور ان سے متعلق یا ذیلی معاملات میں ترمیم، یکجا اور مسلک کرنا تھا جبکہ 2017ء کی دفعہ 241 کے تحت درج ذیل قوانین کو منسوخ کر دیا گیا تھا:

- The Electoral Rolls Act, 1974 (Act No. XXXIV of 1974).
- The Delimitation of Constituencies Act, 1974 (Ac No. XXXIV of 1974).
- The Senate Election Act, 1975 (Act No. LI of 1975).

- d) The Representation of the People Act, 1976 (Act No. LXXXV of 1976).
- e) The Election Commission Order 2002 (Chief Executive's Order No.1 of 2002.
- f) The Conduct of General Election Order, 2002 (Chief Executive's Order No. 7 of 2002).
- g) The Political Parties Order, 2002 (Chief Executive's Order No. 18 of 2002).
- h) The Allocation of Symbols Order, 2002.

درج بالا قوانین اور آئین (دوسرا ترمیم) ایکٹ 1974 کے تحت بنے والے قواعد (جو بلاشبہ طن عزیز کے مسلمانوں کی طویل، غیر متزلزل اور متعین کوششوں پشمول کند کٹ آف جزل الیکشنز آرڈر 2002 کی دفعات (b) 7 اور (c) 7 جو اقلیت کے مرتبہ اور امیدوار کے مذهب کے تعین کے طریقہ کار سے متعلق ہیں) کے منسخ کئے اور اس کے نتیجے میں قادیانی گروہ لاہوری گروہ (اب کے بعد جس کا حوالہ لفظ قادیانی کی صورت آئے گا) کی قانونی حیثیت کی منسوخی سے ملک گیر احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بہت سارے لوگ جن کے مذہبی جذبات ممنوع ہوئے تھے اسلام آباد میں جمع ہوئے اور فیض آباد کے قریب ایک احتجاج / دھرنادے کر بیٹھ گئے جس سے جڑواں شہروں میں زندگی مفلوج ہو گئی اور بظاہر حکومتی مشینزی، اگرچہ جس کو تعلیم نہیں کیا گیا ہے، جامد ہو گئی۔ عوامی عمل کے نتیجے میں وفاقی حکومت نے 2017 ایکٹ میں ایک نمبر 2017 of 2017 (جسے اب کے بعد ترمیم شدہ ایکٹ لکھا جائے گا) کے ذریعے چند ترمیم کیں اور 2017-10-19 کو سرکاری گزٹ میں شائع کیں۔ تاہم، بدقتی سے یہ ترمیم انتہائی فاش غلطیوں کے مترادف تھیں کیونکہ قادیانیوں سے متعلق بہت سی دفعات جو کہ منسخ شدہ قوانین کی جزو لا ینک تھیں مکمل طور پر بحال نہیں کی گئی تھیں اور ترمیم شدہ ایکٹ کو نظر کا دھوکا تصور کیا جا رہا تھا۔ 2017 کے ایکٹ کے ذریعے قادیانیوں سے متعلق اکثر معاملات ان تفویض شدہ قانون سازی / قواعد پر چھوڑ دیا گیا تھا جنہیں الیکشن کمیشن آف پاکستان (جسے اب کے بعد کمیشن لکھا جائے گا) نے 2017 ایکٹ کی دفعہ 239 کے تحت ابھی وضع کرنا تھے اور وہ بھی وفاقی حکومت کی منظوری کے بغیر جو کہ ملکی آئین کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔ اس کے علاوہ یہ اس بات کا بھی مظہر ہے کہ کوئی خفیہ ہاتھ مکمل طور پر قبل گریز تنازع کے پیدا ہونے کے پیچھے موجود تھا۔ 2017 ایکٹ کی مختلف دفعات کی غیر ضروری قانون سازی نقص امن پر منصب ہوئی۔ ان آئینی درخواستوں میں ایک اور دلیل یہ ہے کہ قادیانی ملک میں دوسرا ایکٹ کی طرح عمومی طور پر اپنی شناخت ظاہر نہیں کرتے اور ان میں سے اکثریت بہت سے اہم حکومتی عہدوں پر فائز ہیں جہاں وہ معاملات کو اپنے ظاہری مفاد کے لئے استعمال کر سکتے ہیں اور اصل میں کربھی رہے ہیں۔

6۔ ابتدائی سماحت کی تاریخ 2017-11-14 کو عدالت نے متدعویہ ایکٹ کے نفاذ کو ختم نبوت کی حد تک معطل کر دیا کیونکہ یہ خداختیاں کے برخلاف اور 1974 Constitution (Second Amendment) Act, 1974 سے پوری طرح متصادم ہے۔ اٹارنی جزل آف پاکستان کو ضابطہ دیوانی کے آرڈر A-II-XXVII کے تناظر میں نوٹس جاری کیے گئے۔ مسئول

الیہ کو ہدایت بدرجہ تاکید کی گئی کہ وہ اپنی رپورٹ اور پیراگراف کے مطابق تحریری جواب دائز کریں جبکہ وفاق کو مزید ہدایت کی گئی کہ سینیٹ راجہ ظفر الحق کی سربراہی میں قائم ہونیوالی کمیٹی کی رپورٹ (ظفر الحق رپورٹ) ریکارڈ پر لائے جو بعد ازاں 20-02-2018 کو ایک سرمہر لفافے میں عدالت میں پیش کردی گئی جو کہ فیصلے میں (Annex-A) کے طور پر منسلک ہے۔ مختلف سماعتوں کے دوران، عدالت ہذا نے مورخہ 20-02-2018 کے حکم کے ذریعے نادر کو ہدایت جاری کی کہ وہ ریکارڈ اتحادی بیان دائز کرے جس میں ایسے افراد کی اصل تعداد بتائی گئی ہو جنہوں نے بالغوں اور نابالغوں کی تقسیم سے اپنے آپ کو قادریانی ظاہر کیا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے افراد کی تعداد بھی بتائی جائے جنہوں نے اپنے آپ کو بطور مسلمان رجسٹر کروا یا مگر بعد میں اپنی شناخت تبدیل کرتے ہوئے بطور قادریانی ایک نیاشناختی کارڈ حاصل کیا ہو۔ عدالت کو یہ معلومات 20-02-2018 کو بھم پہنچائی گئیں اور ذیلی لف ب (Annex-B) کی شکل میں منسلک ہذا ہے۔ 20-02-2018 کو چیزیں نادر نے 10205 افراد کی علیحدہ سے ایک فہرست بھی پیش کی جس میں عمر کے حساب سے تبدیلی مذہب کو دکھایا گیا ہے جس کے ساتھ 6001 افراد کے پاسپورٹوں کی فہرست بھی لف ہے جنہیں بالترتیب ذیلی لف سی اور ذیلی لف ڈی (Annex-C and Annex-D) کے طور پر منسلک کیا گیا ہے۔ اسی تاریخ کو ڈاہری یکٹر جزیل ایف آئی اے کو ہدایت دی گئی گیا کہ 6001 افراد کی سفری معلومات فراہم کریں جنہوں نے نادر کے ریکارڈ میں تبدیلی مذہب کے بعد یہ وہ ملک سفر کیا تھا اور 2018-03-06 کو اس ضمن میں ایک سرمہر لفافے میں رپورٹ پیش کی گئی جسے فیصلے کے ساتھ ذیلی لف ای (Annex-E) کے طور پر منسلک کیا گیا ہے۔ حکم مورخہ 20-03-2018 کے تحت، قومی اسمبلی اور سینٹ سیکرٹریٹ کے سیکرٹریوں کو ہدایت کی گئی کہ 2017 ایکٹ کی قانون سازی کے حوالے سے کاروانیوں کے اقتباس مہیا کریں اور اس کے ہمراہ ان سینیٹوں کی فہرست بھی دی جائے جنہوں نے سینٹ کے 267 وال اجلas مورخہ 2017-09-22 میں شرکت کی تھی۔ یہ معلومات ایک سرمہر لفافے میں 2018-03-07 کو فراہم کی گئی جو ذیلی لف ایف (Annex-F) کے طور پر منسلک کی گئی ہے۔ فاضل ڈی اے جی نے بھی فیڈل پیک سروس کمیشن، پاسپورٹ، نادر، انتخابی فہرستوں کے فارم بھی فراہم کئے جن میں مذہب سے متعلق اعلانیہ لازمی جزو ہے۔ اسی طرح 1998 کی مردم شماری بھی پیش کی جس میں قادریانیوں کی تعداد دکھائی گئی ہے اور اس کے ساتھ مردم شماری کمشن اور شماریات ڈویژن اسلام آباد کی رپورٹ بھی لف ہے جسے ذیلی لف جی (Annex-G) کے طور پر لگایا گیا ہے۔

7۔ درخواست گزاروں کے فاضل وکیل نے دلائل پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ در پیش متعالہ انتہائی اہم اور حساس نوعیت کا ہے جس میں مسلمانوں کے مذہبی احساسات اور جذبات شامل ہیں کیونکہ متدعویہ ایکٹ وطن عزیز کے مسلمانوں کی اس طویل جدو جہد کو گھناتا ہے جو انہوں نے آئینی (دوسری ترمیم) ایکٹ 1974 کے ذریعے یہ قرار دلوانے کے لئے کیں کہ مرزاغلام احمد قادریانی (قادیانی / لاہوری گروہ) کے ماننے والے غیر مسلم ہیں جبکہ وہ اپنے اصل عقیدے کو خفی رکھتے ہوئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ فاضل وکیل نے مزید کہا کہ درج بالا آئینی ترمیم کی روشنی میں مختلف قوانین میں ترمیم متعارف کروائی گئی تھیں جن کا مقصد قادریانیوں کو اسلام مخالف سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی ممانعت کی گئی تھی۔ ان میں وہ قوانین بھی شامل تھے جنہیں متدعویہ ایکٹ کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ ان قوانین کے تحت قادریانیوں کے خلاف ریاست کے قوانین کی خلاف ورزی بالخصوص نمازوں کی ادائیگی، کلمہ طیبہ کے بیجوں کا استعمال، مذہب کی تبلیغ، عربی لفظ اسلام علیکم کا استعمال وغیرہ پر مختلف فوجداری مقدمات قائم کیے گئے تھے اور بہت سے مجرموں کے خلاف متعلقة قوانین کے تحت مقدمے چلائے گئے تھے

-فضل وکیل نے مزید اضافہ کیا کہ حکومت کی جانب سے کی گئی متدعویہ ترا میم کے ذریعے منسون شدہ قوانین اور قواعد میں قادریانی/لاہوری گروہ سے متعلق دوسری آئینی ترا میم کے تحت ہونے والی قانون سازی بھی غیر موثر ہو گئی ہے۔ جبکہ بعد میں ملک میں عوامی احتجاج کے نتیجے میں وفاقی حکومت کی جانب سے کی جانے والی ترا میم کی جانے والی غلطی کا ازالہ نہیں کرتیں کیونکہ قادریانی/لاہوری گروہ کے حوالے سے بہت سی دفعات جو کہ منسون شدہ قوانین کا لازمی جزو تھیں کوکلی طور پر بحال نہیں کیا گیا ہے۔

8- فضل وکیل نے مزید کہا کہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طے شدہ معاملے کو جس کے لئے ملک کے آئینے کو ترا میم کے عمل سے گزرنا پڑا اور جس کے لئے بے شمار مسلمانوں نے اپنی زندگیوں کے نذر انے پیش کئے تھے اس مسئلے کو دوبارہ سے مشکوک انداز میں کیونکر کھولا گیا ہے، خاص طور پر جب کہ قادریانی گروہ/لاہوری گروہ کے متعلق سابقہ دفعات کو بآسانی نئی قانون سازی کا حصہ بنایا جا سکتا تھا اور در پیش حالات اشارہ دیتے ہیں کہ کوئی خفیہ ہاتھ اس کام میں ملوث تھا جبکہ قانون میں متدعویہ تبدیلی نے وطن عزیز کے مسلمانوں کو اشتغال دلایا اور بھڑکایا جس سے امن عامہ، نظم اور سکون متاثر ہوئے ہیں اور اگر متعاقہ حلقوں کی جانب سے ہنگامی بنیادوں پر مناسب اقدامات نہ کیے گئے تو یہ صورت حال ملک میں طبقاتی نفرت اور تصادم کو جنم دے گی۔ فضل وکیل نے مزید اضافہ کیا کہ دوران سماحت عدالت ہذا کی ہدایت پر اہم حکومتی عہدوں پر قادریانی گروہ/لاہوری گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی تعیناتی کے ضمن میں اسٹبلشمنٹ ڈویژن نے جور پورٹ اور پیرا گراف کے مطابق جواب جمع کروا یا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایسے کوئی اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں، جس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی بیورو کریسی میں قادریوں کی اصل تعداد سے واقف نہیں ہے جو اس پوزیشن میں ہیں کہ صورت حال کو اپنے مفاد کیلئے استعمال کر سکیں۔ ایک امکان یہ ہے کہ قادریانی وزارت مذہبی امور یاد و سرے آئینی اداروں مثال کے طور پر اسلامی نظریاتی کو نسل میں بھی اختیار/افیصلہ سازی کی پوزیشن میں ہو سکتے ہیں۔ سماحت کے دوران عدالت ہذا میں مختلف ایجنسیوں کی جانب سے پیش کردہ تفصیلات کے مطابق اس مذہب (جو کہ یقینی طور پر نہ تو اسلام کوئی فرقہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہے) سے رکھنے والے افراد اپنی مذہبی شناخت ظاہر نہیں کرتے اس لئے اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ وہ اپنی سرکاری پوزیشن استعمال کرتے ہوئے کسی بھی قانون سازی یا پالیسی سازی کے عمل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لہذا، عدالت کی جانب سے پابند کیا جائے کہ ایک علیحدہ ڈیٹا بیس (جیسا کہ آئینی درخواست کی استدعا میں کلاز'ب، میں عرض گزاری گئی ہے) انتہائی ضروری ہے۔ فضل وکیل نے مزید کہا کہ سماحت کے دوران، عدالت ہذا کی ہدایت پر، نادر ایک چونکا دینے والا مoward پیش کر چکی ہے کہ حالیہ سالوں میں 10,000 سے زائد لوگ اپنا مذہب تبدیل کر کے اسلام کی بجائے قادریانیت اختیار کر چکے ہیں۔ سماحت کے دوران مزید یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ نادرانے اس معاملے کو منظم کرنے کے لئے کوئی قواعد و ضوابط وضع نہیں کئے اور یہ لوگ محض ایک بیان حلقوی دے کر کہ مذہب کے خانے میں دی گئی اسلام / مسلمان کا اندرانی غلط تھا اپنا مذہب اسلام سے قادریانیت میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس صورت حال کے تناظر میں فضل وکیل نے زور دیا کہ وفاقی حکومت کو ہدایت جاری کی جائے کہ نادر آرڈیننس 2000 کی دفعہ 44 کے تحت باقاعدہ قواعد مرتب کرے جن میں اس مسئلے پر نادر کے لئے مناسبت رہنمائی فراہم کی جائے۔ اگرچہ نادر اپنے آرڈیننس کی دفعہ 45 کے تحت با اختیار ہے کہ ضوابط وضع کرے تاہم معاملے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے، اس معاملے کو قواعد کا حصہ بنایا جانا چاہئے جو کہ حکومت نادر آرڈیننس کی دفعہ 44 کے تحت وضع کرے گی۔ ایکشن ایکٹ 2017 کی دفعہ (1) 239 کا حوالہ دیتے ہوئے فضل وکیل نے کہا کہ ”سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن کے ذریعے اور کمیشن کی ویب سائٹ پر مشہر کر کے کمیشن ایک نوٹیفیکیشن کے ذریعے ایکٹ ہذا کے مقاصد کو پانے کے لئے قواعد وضع کر سکتا ہے۔“ قانون

درج بالا اس دفعہ نے ختم نبوت کے معاملے کو عدم تحفظ کا شکار کیا ہے۔ ایکشن ایکٹ 2017 کے جاری ہونے سے قبل، بہت سے ایسے قوانین تھے جو کہ نافذ اعمال تھے اور اب ایکشن ایکٹ 2017 کی دفعہ 241 کے ذریعے وہ تمام قوانین ("منسوخ قوانین") منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔ منسوخ قوانین کے تحت روزنگ بنانے کے بعد کمیشن پر لازم تھا کہ وفاقی حکومت کی پیشگی منظوری لے لیکن یہ شرط ایکشن ایکٹ 2017 کی دفعہ (1) 239 کے تحت ختم کر دی گئی ہے۔ چنانچہ یہ معاملہ کمیشن کے افراد کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے جنہیں ختم نبوت کے معاملے پر قواعد بنانے کی آزادی ہے۔ لہذا، معاملے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے، دفعہ (1) 239 میں ایک شق کا اضافہ کرنے کی ہدایت کی جائے تاکہ ختم نبوت کے معاملے کو کمیشن کی قانونی استطاعت سے علیحدہ کیا جاسکے۔ مزید برآں، عدالت اپنے آئینی اختیارات استعمال کرتے ہوئے حکومت کو ہدایات دینے کی مجاز ہے کہ ایکشن ایکٹ 2017 میں موزوں تراویم کرے۔ درج بالا استدعا کی تقویت میں فاضل وکیل نے رپورٹ شدہ جن ناظائر پر انحصار کیا ہے ان میں **گورنمنٹ آف پنجاب وغیرہ ہام مامر ظہور انق وغیرہ (نی ایل ڈی 2016 سپریم کورٹ 421)، مہدی حسن علی المردوف مہدی حسن ہام مادر مارف (نی ایل ڈی 2015 سپریم کورٹ 137)، ایکشن کمیشن آف پاکستان بذریعہ سیکریٹری ہام صوبہ پنجاب بذریعہ حجف سیکریٹری وغیرہ (نی ایل ڈی 2014 سپریم کورٹ 668)، میال شریف شاہ ہام نواب خان اور پانچ دسرا (نی ایل ڈی 2011 پشاور 86)، ہجرم علی المردوف یا وطنی ہام فیڈریشن آف پاکستان اور چار دیگر (نی ایل ڈی 1998 لاہور 347) اور گورنمنٹ آف بلوچستان بذریعہ ایڈیشنل حجف سیکریٹری ہام مزین اللہ میمن اور 16 دیگر (نی ایل ڈی 1993 سپریم کورٹ 341) شامل ہیں۔ فاضل وکیل نے آخر میں درخواست کی وفاقی حکومت نے تسلیم کیا ہے کہ دو تراویم کے ذریعے اس نے ختم نبوت کے معاملے پر منسوخ قوانین کی تمام دفعات کو بحال کر دیا ہے۔ یہ اقرار ظاہر کرتا ہے کہ قبل از اس بد نیتی پر مبنی کوشش کی گئی تھی کہ دوسری آئینی ترمیم کو کا العدم / کمزور کیا جائے۔ اب یہ ایک طے شدہ قانونی بات ہے کہ تابع قانون سازی یعنی پارلیمنٹ کے قانون یا آرڈیننس کے ذریعے ایک آئینی دفعہ کا اثر کمزور / کا العدم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں جن رپورٹ شدہ ناظائر پر انحصار کیا گیا ہے ان میں ڈاکٹر مہر حسن ہام ایف اوپی (نی ایل ڈی 2010 سپریم کورٹ 265)، مین الاصلام ہام ایف اوپی (نی ایل ڈی 2006 سپریم کورٹ 602)، فلام مصطفیٰ انصاری ہام گورنمنٹ آف پنجاب (2004 ایس سی ایم آر 312)، زمان سینٹ کمپنی ہام سٹرل ہند آف ریونیو (2002 ایس سی ایم آر 312)، لبراقت حسین ہام ایف اوپی (نی ایل ڈی 1999 سپریم کورٹ 504)، گلفر آف کمپنی ہام سینگ طور (1999 ایس سی ایم آر 1402) اور اے ایم خان لخاری ہام گورنمنٹ آف پاکستان (نی ایل ڈی 1967 لاہور 227) شامل ہیں۔**

9۔ معاملہ بذا کی تسلیم شدہ اہمیت اور حساسیت کے سبب عدالت بذانے درج ذیل سوالات وضع کئے اور ان کی وضاحت کے لیے ڈاکٹر حافظ حسن مدنی (انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف دی پنجاب، لاہور)، ڈاکٹر محسن نقوی (سابق رکن اسلامی نظریاتی کوسل)، پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن (رکن اسلامی نظریاتی کوسل) اور جامعہ الرشید کراچی سے مفتی محمد حسین خلیل خیل کو بطور عدالتی معاون مقرر کیا تاکہ وہ اپنی داشمندانہ معاونت سے عدالت کو مستفید کر سکیں۔

(الف) کیا اسلامی ریاست کوئی ایسا قانون وضع کر سکتی ہے جس سے کسی غیر مسلم کو بالواسطہ یا بالواسطہ طور پر مسلم تصوراً اور شاخت کیا جائے؟

(ب) کیا اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کو اس امر کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بطور مسلم

ظاہر اپیش کریں؟

(ج) اگر غیر مسلم اپنے آپ کو مسلم کے لبادہ میں چھپائیں تو کیا یہ ریاست کے ساتھ دھوکہ دہی کی تعریف میں آئے گا؟

(د) اگر درج بالا سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو ریاست کی کیا ذمہ داری ہے؟

(ه) کیا اسلامی ریاست کے لیے لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کے مذہب اور مذہبی عقائد کے بارے میں مکمل طور پر آگاہ اور اس حوالہ سے ایک موثر اور جامع طریقہ کارواضخ کرے؟

(خ) کیا کسی شہری کے مذہب یا مذہبی عقائد کے بارے میں معلوم کرنا بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے ضمن میں آتا ہے؟

فضل علماء کرام مختلف تاریخوں میں پیش ہوئے اور عدالت ہذا کے وضع کردہ سوالات پر اپنی دلنشمندانہ معاونت سے عدالت کو مستفید کیا۔ زبانی بحث کے علاوہ فاضل عدالتی معاونین نے تحریری معروضات بھی پیش کیں جو کہ درج ذیل ہیں:-

10- **ڈاکٹر پروفیسر حافظ حسن مدنی** مورخہ 26.02.2018 کو عدالت ہذا میں پیش ہوئے اور انہوں نے ماہرانہ معاونت کرتے ہوئے معروض کیا کہ:-

(ا) کہ قرآن پاک اور سنت سپریم قوانین ہیں اور ایک اسلامی ریاست میں قرآن و سنت کی تعلیمات سے متصادم کوئی قانون لا گوئیں کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے سورۃ النساء کی آیت نمبر 65 اور سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 47 وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

(ii) اسلامی جمہوریہ پاکستان کی دستوری شقوں 1، 31، 37، 42، 62، 203، 227 اور 260 کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ دستور و اشگاف الفاظ میں قرآن و سنت کی بالادتی کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ ملک میں تمام قوانین کی اساس ہیں۔

(iii) اس امر کی مزید تصریح کی گئی ہے کہ یہ اسلامی ریاست اور مسلمان حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن و سنت کی تعلیمات کو منظر رکھتے ہوئے اچھائی کو قائم کریں، برائی کو روکیں، انصاف کریں اور عوام کو روشن خیال اور تعلیم یافتہ بنانے کا اہتمام کریں۔ اس ضمن میں نقطہ نظر کو مزید اجاگر کرنے کے لیے قرآن مجید کی درج ذیل آیات کا حوالہ دیا گیا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمُ أَوْلَيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقْيِيمُونَ

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطْبِعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيِّرَ حَمْمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (9:71)

”مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔ سورۃ ۹ آیت: 71

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الصَّيَّابَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضْعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (7:157)

وہ جو (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول (اللہ) کی، جو نبی اُمی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور

انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کیلئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جوان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کیسا تھنا زل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔ (سورۃ ۷ آیت نمبر 157)

**كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجْتُ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاوُنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثُرُهُمُ الْفَاسِقُونَ (3:110)**

(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کیلئے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں۔ (سورۃ ۳ آیت نمبر 110)  
**وَلَنْكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاوُنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (3:104)**

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہوئی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔ (سورۃ ۳ آیت نمبر 104)

**إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَا عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبُغْيِ يَعْظُمُ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (90)**

اللہ تھیں انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرج سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تھیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم یاد رکھو۔ (سورۃ ۱۶ آیت نمبر 90)

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءِ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجِرِّمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَا تَعْدِلُوا أَعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَأَتَقُوًا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (5:8)**

اے ایمان والو! اللہ کیلئے انصاف کی گواہی دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو (بلکہ) انصاف کیا کرو کہ یہی پر ہیز گاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ (سورۃ ۵ آیت نمبر 8)

**وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ حَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (24:55)**

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور اُن کے دین کو جسے اُس نے ان کیلئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف

کے بعد ان کو امن بخشنے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کوششیک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بد کردار ہیں۔ (سورہ 24 آیت نمبر 55)

الَّذِينَ إِنْ مَكَنَّا هُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَمُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاءَ وَأَمْرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (22:41)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ (سورہ 22 آیت نمبر 41)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤْدُوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ يُعِمَّا يَعِظُّكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (4:58)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو اللہ تعالیٰ تھمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے بیشک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ (سورہ 4 آیت نمبر 58)

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُولَمُ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بُاسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعٌ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلُهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (57:25)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتاب میں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحو جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی شدید ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں اللہ کو معلوم کر لے بیشک اللہ توی (اور) غالب ہے۔ (سورہ 57 آیت نمبر 25)

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (55:9)

اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تو لا اور توں کم مت کرو۔ (سورہ 55 آیت نمبر 9)

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَرِزْنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (17:35)

. اور جب کوئی چیز ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور (جب توں کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تو لا کرو یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے۔ (سورہ 17 آیت نمبر 35)

وَيَا قَوْمَ أَوْفُوا الْمِكَيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءُهُمْ وَلَا تَعْثُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (11:85)

اور اے قوم! ناپ اور توں انصاف کی ساتھ پوری کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زیاد میں میں خرابی کرتے نہ پھرو۔ (سورہ 11 آیت نمبر 85)

فُلُّ أَمْرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ كَمَا بَدَأَ كُمْ تَعْوُدُونَ (7:29)

کہہ دو کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رخ کیا کرو اور خاص اسی کی عبادت کرو اور اسی کو پکارو اس نے جس طرح تمہیں ابتداء میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم پھر پیدا ہو گے۔ (سورہ ۷ آیت نمبر 29)

(iv) فاضل عدالتی معاون نے قرآن مجید کی درج بالا آیات سے یہ اخذ کیا کہ حکمران اور ایک اسلامی ریاست کی حکومت ایک غیر اسلامی ریاست کے حکمران اور حکومت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اسلامی ریاست کو امہ کی بہتری اور بہبود کے لیے متعدد اقدامات کرنے ہوتے ہیں۔ جو عمومی حکمرانوں کے فرائض نہیں پائے جاتے۔ ایک اسلامی ریاست کے حکمران کو جو اختیارات اور طاقت حاصل ہوتی ہے وہ درحقیقت ایک مقدس امانت ہوتی ہے جو اسے اللہ قادر مطلق کے احکامات اور نبی کریمؐ کی سنت کے مطابق ادا کرنی ہوتی ہے۔ مقدس امانت کی ادائیگی میں اسے درج بالا آیات میں مذکور احکامات کی فرما برداری کرنی ہوتی ہے جو معاشرے میں بھلانی کے قائم کرنے اور برائی کے خاتمے پر محیط ہے۔ ”بھلانی کو قائم کرنا“ کے مقصد کا حصول قرآن مجید اور سنت کے قائم کردہ معیارات امر بالمعروف کے اسلامی تصور کے تحت نافذ کر کے یقینی بنایا جاتا ہے۔

(v) درج بالا قوانین کی بنیاد پر فاضل عدالتی معاون نے یہ اخذ کیا ہے کہ ایک اسلامی ریاست قرآن پاک اور سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کر سکتی اور اس بارے میں آئینی حیثیت بالکل واضح ہے کہ آیا اسلامی ریاست کوئی ایسا قانون بناسکتی ہے کہ جس کے تحت کوئی غیر مسلم براہ راست یا بالواسطہ طور پر آپ کو مسلمان ظاہر یا شناخت کروانے کی اجازت لے لے اور آیا ایک اسلامی ریاست غیر مسلم شہریوں کو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کی اجازت دے سکتی ہے اس ضمن میں فاضل عدالتی معاون نے جواب دیا کہ سوال نمبر 1 اور 2 کے حوالے سے ایک اسلامی ریاست میں نہ تو ایسی قانون سازی ہو سکتی ہے اور نہ ہی ایسی اجازت دی جاسکتی ہے۔

(vi) تاکیداً فاضل عدالتی معاون نے سنت، اسلامی قانون اور آنے والے تمام زمانوں کے لیے امت کی راہنمائی کا بنیادی مصدر، کی اتحاری پر انحصار کرتے ہوئے متعدد روایات میں ان اصولوں پر زور دیا ہے۔ فاضل عدالتی معاون نے پاک گی روایات کا جو مرتدین یا نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے متعلقہ ہیں کا حوالہ دیتے ہوئے واضح کیا کہ نبی اکرمؐ نے نفس نفس اپنی حیات مبارکہ میں نبوت کے دعویداروں کو غیر مسلم قرار فرمایا۔ اس ضمن میں دو مثالوں کا حوالہ دیا گیا ہے، اول مسلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کا اور ثانیًا، اسود عنسی کا۔ ان دونوں جھوٹے دعویداروں کے خلاف سخت کارروائی یہ بات ثابت کرنے کو کافی ہے کہ اسلام میں نبوت کے کسی بھی جھوٹے دعویدار کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے اور انہیں پیغامبرؐ نے بذات خود ملحد قرار فرمایا ہے۔ ان شر انگیزوں کے خلاف مسلمانوں کی کارروائی اس مسئلے پر مضبوط اتحاری ہے۔ کہ ریاست اس امر کو یقینی بنانے کی پابند ہے کہ وہ دین کے یقینی تحفظ کی خاطر نبوت کے دعویداروں اور ان کے پیروکاروں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹے گی کیونکہ یہ اسلامی ریاست کی سب سے اہم ذمہ داری ہے۔ اس حوالے سے سنت میں سے درج ذیل روایات کا ذکر کرنا بہمیل ہے:

\* ”ابو ہریرہؓ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا، میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میرے بازو میں سونے کے دو لگن ہیں اور اس سے میں بہت متفسر ہوا۔ پھر مجھے خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکامات ملے کہ انھیں اتار پھینکوں اور میں نے انہیں اتار پھینکا اور دور جا پڑے۔ میں نے اس کی تعبیر کی کہ دو لگن دو جھوٹوں کی علامت تھے جو میرے بعد ظاہر ہوں گے۔ اور ان میں سے ایک لغسی تھا اور دوسرا الیمامیہ کا مسلمہ کذاب تھا۔“ (صحیح بخاری-2136)

\* ”ابن عباس نے روایت کیا: مسلمہ کذاب (جھوٹا) اپنے بہت سے لوگوں کے ساتھ اللہ کے رسول کی حیات مبارکہ

میں (مدینہ) آیا اور کہا کہ اگر محمدؐ مجھے اپنا جانشین بنادیں تو میں ان کی پیروی کروں گا۔ اللہ کے نبیؐ ثابت بن قیس بن شمسؐ کے ساتھ اس کے پاس گئے اور اللہ کے نبیؐ کے ہاتھ کھجور کے پتا کا نکلا تھا آپ مسلمہ کذاب (اس کے ساتھیوں) کے سامنے رکے اور فرمایا، اگر تم مجھ سے (پتے کے) اس پٹکے کو بھی مانگو گے تو میں تھیں یہ بھی نہیں دوں گا تم اپنے انجام سے جو تمہارا مقدر ہو چکا، اللہ کی قسم نبھیں سکتے۔ اگر تم نے اسلام کو رد کیا تو اللہ تمہیں تباہ فرمادے گا۔ میرا خیال ہے کہ غالباً تم وہی شخص ہو جسے میں اپنے خواب میں دیکھ چکا ہوں۔“ (صحیح بخاری)

\* ”جعفر عمر بن امية نے روایت کیا: میں عبید اللہ بن عدی الخیار کے ساتھ باہر نکلا۔ جب ہم حمص (شام) کے ایک قبیلے پنچ تو عبید اللہ بن عدی نے (مجھ سے) کہا کیا تم وحشی کو دیکھنا پسند کرو گے تاکہ ہم اسے حمزہ کے قتل کے بارے میں پوچھ سکیں؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ وحشی حمص میں رہا کرتا تھا ہم نے اس کے بارے میں پوچھا اور کسی شخص نے ہمیں بتایا کہ وہ اپنے محل کے سایہ میں ہے جیسے کوئی بڑا سا کپا ہو۔ پس ہم اس کی طرف چلے گئے اور جب ہم اس سے کچھ فاصلے پر تھے، ہم نے اسے سلام کیا اور اس نے بھی جواباً ہمیں سلام کیا۔ عبید اللہ نے اپنی پیڑی پہنی ہوئی تھی اور وحشی اس کی آنکھوں اور پاؤں کے سوا کچھ نہ دیکھ سکا۔ عبید اللہ بولا، او وحشی کیا تم مجھے جانتے ہو؟ وحشی نے اسے دیکھا اور کہا اللہ کی قسم نہیں لیکن یہ جانتا ہوں کہ عدی بن اخیار نے ابو عیص کی بیٹی ام قتال نامی عورت سے شادی کی تھی اور اس نے مکہ میں اس کے ایک بیٹے کو جنا تھا اور میں نے اس بچے کے لیے ایک دائی تلاش کی تھی۔ (ایک مرتبہ) میں اس بچے کو اٹھائے ہوئے اس کی ماں کے پاس تھا اور تب میں نے اس کی ماں کے حوالے کیا تھا اور تمہارے پیارا بچے کے پیروں کے مشاہدہ ہیں۔ تب عبید اللہ نے اپنے چہرے کو بے نقاب کیا اور (وحشی) سے کہا کیا تم ہمیں حمزہ کے قتل کا (قصہ) سناؤ گے وحشی نے جواب دیا ہاں، حمزہ نے بدر (کی جنگ) میں تمومہ بن عدی بن اخیار کو قتل کیا تھا اس لیے میرے آقا جبرین بن مطعم نے مجھ سے مجھ سے کہا، اگر تم میرے چچا کے انتقام میں حمزہ کو قتل کر دو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ جب لوگ ‘عنین’ کے سال میں (احد کی جنگ کے لیے) روانہ ہوئے، عنین احمد پہاڑ کے قریب ایک پہاڑ ہے اور اس کے اوپر احاد کے درمیان ایک وادی ہے۔ میں لوگوں کے ساتھ جنگ کے لیے نکلا جب لشکرِ رائی کے لیے تیار ہو گئے تو شیبہ باہر نکلا اور کہا: کیا کوئی (مسلمان) ہے جو میرے مقابلے کے لیے میرا چیلنج قبول کرے؟ حمزہ بن عبد المطلب سامنے آئے اور کہا او شیبہ اوابن ام عمار، اعورتوں کے ختنے کرنے والے کیا تم اللہ اور اس کے رسولؐ کو چیلنج کرتے ہو، پھر حمزہ نے حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ اور اسے یوں کر دیا جیسے وہ کل کا مر چکا ہو۔ میں نے اپنے آپ کو ایک چٹان کے پیچھے چھپا لیا۔ اور جب وہ (یعنی حمزہ) میرے زدیک آئے میں نے اپنا نیزہ ان پر دے مارا اور وہ ان کی ناف کے اندر سے گزرتا ہوا ان کی سرین سے باہر جا نکلا اور یوں ان کی موت کا سبب بنا۔ جب سب لوگ مکہ واپس آئے میں بھی ان کے ساتھ واپس ہوا۔ میں (مکہ) میں قیام پزیر رہا حتیٰ کہ (مکہ) میں اسلام پھیل گیا۔ تب میں طائف کے لیے روانہ ہوا اور جب (طائف) کے لوگوں نے اللہ کے نبیؐ کے پاس اپنے قاصد بھیجے تو مجھے بتایا گیا کہ نبیؐ ایلچیوں کو نقصان نہیں پہنچاتے، پس میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا حتیٰ کہ اللہ کے رسولؐ کے پاس پنچ گیا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ تم وحشی ہو، میں نے جواب دیا جی ہاں، انہوں نے فرمایا کیا وہ تم تھے جس نے حمزہ کو قتل کیا؟ میں نے جواب دیا، وہی واقع ہوا جس کی آپؐ کو خبر دی گئی ہے۔ انہوں نے فرمایا کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو۔ پس میں چلا گیا جب اللہ کے رسولؐ وصال فرمائے اور مسلمہ کذاب (نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے) ظاہر ہوا۔ میں نے کہا میں مسلمہ کے پاس جاؤں گا تاکہ میں اسے قتل کر سکوں اور حمزہ کے قتل کی تلافی کر پاؤں۔ میں لوگوں کے ساتھ (مسلمہ اور اس کے پیروکاروں کے خلاف لڑنے کے لیے) باہر نکلا اور اس جنگ سے متعلقہ مشہور واقعات رومنا ہوئے۔ اچانک ایک آدمی نے (مسلمہ) کو ایک دیوار کے شگاف کے قریب کھڑا دیکھا۔ وہ ایک سیاہ رنگت اونٹ کی طرح دکھائی دیتا تھا اور اسکے بال بکھرے ہوئے تھے۔ پس میں نے اپنا نیزہ اس پر اچھال دیا جو اس کی پچھاتی پہ دونوں شانوں کے درمیان سے چیرتا ہوا پار جا نکلا اور تب ایک

انصاری آدمی نے اس پر حملہ کیا اور اس کے سر میں توارکی ضرب لگائی۔ عبداللہ ابن عمر نے کہا، ایک غلام اڑکی نے گھر کی چھت سے یہ کہا: ”فسوس مومنوں کا سردار (میلیمہ) کو ایک سیاہ غلام نے قتل کر دیا ہے۔“

\* ”ابن عباسؓ نے روایت کیا: میلیمہ کذاب بنی پاکؓ کی حیات مبارکہ میں آیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر محمدؐ پنے بعد مجھے حکومت دے دیں تو میں ان کی پیروی کروں گا۔ اور وہ اپنے قبلے کے بے شمار لوگوں کے ساتھ مدینہ آیا اللہ کے نبی ثابت بن قیس کے ہمراہ اس کی طرف گئے اور اس وقت اللہ کے نبیؐ کے باتحہ میں کجھور کے درخت کی ایک شاخ تھی۔ جب آپ (پیغمبرؐ) میلیمہ کے قریب ٹھرے جبکہ مؤخر الذکر اپنے ساتھیوں کے درمیان تھا، تو انہوں نے اس سے فرمایا، ”اگر تم مجھ سے (لکڑی کا) یہ ٹکڑا بھی مانگو گے تو میں یہ بھی تمہیں نہیں دوں گا۔ اور اللہ کے حکم سے تم بخ نہیں سکتے (بلکہ وہ تمہیں تباہ کر دے گا)، اور تم نے اس مذہب سے پیغام پھیری تو اللہ تمہیں غارت فرمادے گا، اور میرا خیال ہے کہ تم وہی شخص ہو جسے خواب میں مجھے دکھا دیا تھا اور یہ ثابت بن قیسؓ ہے جو میرے بدلتے تھیں تمہارے سوالوں کے جواب دے گا۔ اس کے بعد پیغمبرؐ اس سے دور چلے گئے۔“

(vii) پہلے خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اپنے عہد خلافت کے دوران سات مرتد قبائل کے خلاف کارروائی، اور منکرین زکواۃ کے خلاف جنگ اور اسود عسی جونبوت کا جھوٹا دعوے دار تھا، کے خلاف کارروائی، مکتبہ زیر بحث کو اجاگر کرنے کے لیے تذکرہ کی گئی ہیں۔

(viii) انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ شعائر اللہ، جو کہ اسلام کی نشانیاں ہیں، کا احترام کرنا اور انہیں محفوظ بنایا جانا لازم ہے، قرآن پاک کی آیات اور بنی پاک ﷺ کی روایات سے پیغمبرؐ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے اتفاق رائے (اجماع صحابہ)، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کیے معاملے سے یہ معروض کیا گیا ہے کہ غیر مسلم شعائر اللہ کو استعمال کرنے کے حقدار نہیں ہیں، جو کہ مسلم امام کی شناخت اور منفرد خاصیت ہیں اور یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی غیر مسلموں کے ہاتھوں بے حرمتی سے ان کی حفاظت و تحفظ لیتیں بنائیں۔

(ix) قادیانیوں کی طرف سے اسلامی شعائر کے استعمال کے حوالے سے انہوں نے بالخصوص اس بات پر زور دیا کہ چار وجوہات کے باعث، شعائر اللہ کو قائم کرنے کی روشن پر بہت زیادہ سختی سے پیروی کی جانی چاہیے، جیسا کہ ایک اسلامی ریاست میں دوسرے غیر مسلموں سے اس بات کا موازنہ کرتے ہوئے، انہوں نے کہا وہ چار وجوہات ان کے نزدیک درج ذیل ہیں:

الف: قادیانی خود کو مسلمان سمجھتے ہیں اور باقی سب کو غیر مسلم، اس لیے قادیانیوں کے مسئلہ میں دھوکہ دہی کا عصر دنیا کی دیگر مذہبی اقلیتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مضبوط ہے کیونکہ دیگر مذہبی اقلیتیں خود کو مسلمان ہونے کی دعوے دار نہیں ہیں۔ اس دھوکہ دہی سے منٹنے کے لیے زیادہ ضروری اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ قادیانیوں کو مسلمانوں کے لیے مخصوص شعائر اللہ کو استعمال کرنے سے روکنے کے لیے اقدامات اٹھائے جائیں۔

ب: مرزا غلام احمد قادیانی کو پیغمبرؐ کہہ کر قادیانی مسلم اکثریت کے جذبات محروم کرتے ہیں اور ان کی طرف شعائر اللہ کا استعمال ماسوائے اسلامی رسومات کی بے حرمتی اور تذلیل کے سوا اور کچھ نہیں۔ فاضل عدالتی معاون نے اس ضمن میں قادیانی لٹریچر سے مختلف اقتباسات کا حوالہ دیا ہے۔

ج: سب سے بڑی چیز جو قادیانیوں نے کی ہے اور جو انہیں دوسری اقلیتوں سے منفرد کرتی ہے وہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ مسلمان کافر ہیں، یہ عجیب بد قسمتی ہے کہ اولاد انہوں نے ایک نیامذہب ایجاد کیا ہے اور مضمضکہ خیز طور پر وہ اسے اسلام کا نام دیتے ہیں، اور پھر ان لوگوں کو جو پاک پیغمبر ﷺ کو آخری نبیؐ مانتے ہیں، کافر قرار دیتے ہیں۔ ایسا شرمناک دعویٰ نہ پاکستان اور نہ ہی دنیا میں بستے والی کسی دوسری مذہبی اقلیت نے کیا ہے۔ مسلمانوں کے عقیدے کی اس قدر بے حرمتی کے باعث،

قادیانیوں کو اسلامی علامات، رسومات اور ناموں کی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

د: فاضل عدالتی معاون نے معروض کیا کہ قادیانیوں کی متعدد تحریریوں سے یہ بالکل واضح ہے کہ قادیانی اپنی الگ شناخت کے دعویدار ہیں۔ اس کے کیسے اور کیوں ان کو اسلامی رسوم رواج کے استعمال کی اجازت اور وہ بھی خود ان کے اپنے بیان کردہ دعویٰ کے قطعاً بر عکس دی جاسکتی ہے؟ اگر ان کا دعویٰ الگ شناخت کا ہے تو انہیں اپنی الگ شناخت قائم کرنے کا کہا جانا چاہیے اور انہیں مسلم لبادے میں خود کو چھپا کر پرفریب طور طریقے استعمال کرنے کی اجازت قطعاً نہیں دی جاسکتی ہے۔

(x) فاضل عدالتی معاون نے معروض کیا کہ شریعت کے تحت اگر ایک اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو اپنے مذہب اور مذہبی عقیدے کے اظہار کا مطالبہ کرے تو یہ شہریوں کے بنیادی حقوق کو مجرور کرنا نہیں ہوگا اور یہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں نافذ العمل تھا جب اس ضمن میں رجڑ مرتب کیے گئے تھے۔

(xi) فاضل عدالتی معاون نے یہ بھی معروض کیا کہ غیر مسلم ایک اسلامی ریاست میں خود کو مسلمان ظاہر کرنے کے حق دار نہیں ہیں اور اگر وہ ایسا کریں تو یہ غداری کے زمرے میں آتا ہے اور انہائی بلند درجے کی ریاست سے غیر وفاداری ہے، فاضل عدالتی معاون نے اس تناظر میں زندیقه سے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ کے طرزِ سلوک کی مثالیں پیش کیں۔ فاضل عدالتی معاون نے معروض کیا ہے کہ اس امر کے بڑے عوام میں ضمروں ہیں کہ کوئی شخص جو پہلے خود کو مسلمان ظاہر کرے لیکن بعد میں غیر مسلم ہو جائے یا اسلام سے پھر جائے اسے مرتد کہا جائے گا اور شریعت کے تحت اس جرم کی سزا بہت شدید ہے۔

(xii) فاضل عدالتی معاون نے مزید معروض کیا کہ اگر ایسا شخص کسی کلیدی منصب پر فائز ہے اور اس بات کی تصدیق ہو جائے کہ اس نے اپنے مذہب کے بارے میں غلط بیانی کی ہے تو ریاست پر اس غلط بیانی کے سبب سب سے پہلے فوری اثر یہ ہو گا وہ ایسے شخص کو اس دفتر سے فوری طور پر ہٹا دے اور اس سے ایسی ملازمت کے دوران حاصل ہونے والے مالی فوائد و مراوات کی واپسی یقینی بنائے اس کے علاوہ اسے دیگر تادبی کاروائی کا بھی سامنا کرنا ہو گا۔ فاضل عدالتی معاون نے ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی طرف سے خود کو مسلمان بنانا کر چھپنے کے اس عمل کو روکنے کے لیے متعدد اقدامات تجویز کیے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

الف: حساس اداروں میں افراد کی تعیناتی سے پہلے مذہبی ماہرین اور نفیسیات دانوں کے ذریعے ان افراد کے بارے میں جامع تحقیقات کی جائیں اور اس مقصد کے لیے نظریاتی تصدیق کرنے کے عمل کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا جانا چاہیے؛

ب: اگر کوئی شخص سماجی فوائد حاصل کرنے کی غرض سے جھوٹے طور پر اپنا مذہب اسلام سے کسی دوسرے مذہب میں تبدیل کرتا ہے تو پھر ارتداد کی سزا جو اسلام نے مقرر کی ہے، اس پر لاگو کر دی جائے۔ اس کے بر عکس، اگر قادیانی مسلمان ہونے کا دعویدار ہو تو زندیقه کی سزا کا اس پر اطلاق کیا جاسکتا ہے؛

ج: ایک بورڈ امنانع قادیانیت بورڈ کے نام سے تجویز کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ وقت بوقت اس حوالے سے کی گئی کسی آئینی شق اور دیگر قانون سازی کے عملی نفاذ کے سلسلے میں ایک رکھوالے کا کردار ادا کر سکے؛

د: قادیانیوں کو احمدیت کے نام کے استعمال سے روکا جاسکتا ہے چونکہ اسم 'احمد پاک پیغمبر ﷺ' کے لیے قرآن مجید میں مخصوص ہے اسی طرح انہیں دیگر دینی اصطلاحات مثلًا دین حق، اسلامیات، مسلم ہی وی احمدیہ، اس اصطلاح 'رضی اللہ تعالیٰ عنہ' (اللہ ان سے راضی ہو) کا استعمال کرنے سے یا 'علیہ السلام' کے استعمال سے، خلیفہ، رحمۃ اللہ، نور اللہ، 'شہید'، 'مرحوم'، 'جنت الفردوس'، 'کلمہ طیبہ' کی تحریر یا قبروں پر بہت کچھ تحریر کرنے سے اور قادیانیوں کی مسلم قبرستانوں میں

مد فین سے منع کر دیئے جانے چاہیں۔

11۔ پروفیسر ڈاکٹر ماجد الرحمن مورخہ 2018-02-27 کو پیش ہوئے اور اپنی گزارشات پیش کرتے ہوئے بیان کیا کہ:-

ا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں شق (3) 260 میں مسلم اور غیر کی تعریف کی گئی ہے اسلائی ریاست کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ دستور میں دی گئی مسلمانوں کی تعریف کی خلاف ورزی میں ایک غیر مسلم کو مسلم ظاہر کرے اسی طرح اس کے بر عکس بھی۔

ا۔ کسی بھی شخص کے لیے مذہب بہت بڑی عزت اور فخر کا معاملہ ہے کسی بھی شخص کو اس کی عزت اور عظمت سے محروم کرنا بدترین گناہ ہے اس حوالے سے فاضل عدالتی معاون نے نبی پاک ﷺ کی ایک روایت بیان کی ہے حضرت ثابت بن زہقؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا "کسی مسلمان کو کافر کہنا اس کو قتل کرنے کے متادف ہے" اور اس روایت کے معنی اگر دوسرے مفہوم میں لیے جائیں تو کسی غیر مسلم کو مسلمان نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ آیک اسلامی ریاست کی بنیاد ہی صرف اسلامی نظریہ پر ہے۔ رنگ نسل ملک اور قوم کی بنیاد پر تقسیم کی بجائے اسلامی نظریہ کی حفاظت اور دفاع کرے۔

ا۔ اسلام کسی بھی شخص کو مذہب اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا ہے اسلامی ریاست ناصرف اپنی حدود اختیار میں رہنے والے غیر مسلموں کے حقوق کو تسلیم کرتی ہے۔ بلکہ انہیں مکمل دفاع اور تحفظ کا یقین دلاتی ہے۔ کوئی بھی غیر مسلم مغض اسلام قبول کر کے مسلم معاشرے کا حصہ بن سکتا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو صرف مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دنوں میں غیر مسلموں کو ان کے جائز حقوق دیے گئے تھے اہم اسی وقت مسلم شناخت کو بھی الگ برقرار رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے الگ شناخت کے سلسلے میں کچھ اقدامات اٹھائے گئے تھے اور اس امتیاز سے غیر مسلموں کی تضییک مراد نہ تھی بلکہ دنوں کی الگ الگ شناخت برقرار رکھنا ضروری تھا یہ اسدی قانون کے تحت مسلمہ قرار دیا گیا ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں کی فوج میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ غیر مسلم کو زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ غیر مسلموں کو نمازیں ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے اور ان مقاصد کے لئے نفاذ شریعت کو مزید موثر بنانے کی غاطر مسلم اور غیر مسلم کے درمیان امتیاز بہت ضروری ہے۔

ا۔ ہر لحاظ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے عقائد و مختلف نظریوں پر منحصر ہیں اور یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے نظریہ کو برقرار رکھے اور اس کا دفاع کرے۔ آیک اسلامی ریاست کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ غیر مسلموں کو اجازت دے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر سکیں اور اسلام میں اس طرح کی قانون سازی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

ا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی غیر مسلم نے کچھ مفاد یا حیثیت حاصل کرنے کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے تو یہ ریاست سے دھوکہ دہی اور غیر وفاداری ہے۔ غیر مسلم قلیتیں اپنے اور ریاست کے درمیان سماجی معاہدے کے تحت پابند ہیں۔ دستور نے انہیں کچھ ضمانتیں اور حقوق ضروری دیے ہیں۔ لیکن یہ ضمانتیں غیر مسلموں کی طرف سے اپنے عقیدے کے حقیقی اظہار پر منحصر ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم اپنے حقیقی عقیدے کو ظاہر نہیں کرتا پھر وہ کس طرح اپنے حقوق کا استعمال کرنے کے قابل ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ قانون اور آئین ہر فرد کی طرف سے اپنے عقیدے کے سچے اظہار کا مطالبہ کرتے ہیں ورنہ اس کا نتیجہ دستور کی خلاف ورزی ہوگا۔

vii۔ یہ ریاست کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ ہر شہری کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کرے کیوں کہ اس کے بغیر شہریوں کے حقوق اور فرائض کا تعین ممکن نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ مدینہ ہجرت کے بعد نبی پاک ﷺ نے مردم شماری کروائی تاکہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی درست تعداد معلوم ہو سکے اور اسی بات نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان امتیازی خط کھینچ دیا۔ اگر کوئی شخص میثاق مدینہ اور اس کے فریقین کو دیکھے کہ وہ مسلمان تھے یا پارسی یا کافر ہر ایک اپنی الگ مذہبی شناخت کے ساتھ اس معاهدے میں شامل ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے شہریوں کی شناخت رکھنے کے لیے ایک باقاعدہ مکملہ قائم فرمایا تھا۔ مذہبی شناخت کے بغیر معاشری معاملات کا حل بھی دشوار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی کی حقیقی مذہبی شناخت کے ساتھ بغیر حلال اور حرام غذاوں کے درمیان امتیاز کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟ مختصر ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی ساری معلومات کا ریکارڈ رکھے کیوں کہ اس کے بغیر ریاست اپنی ذمہ داریاں ادا نہیں کر سکتی۔

12: **ڈاکٹر پروفیسر حسن نقوی** نے عدالت کی طرف سے کیے جانے والے سوالات تک محدود ہوتے ہوئے اپنی معروضات کو

درج ذیل الفاظ میں استنباط کیا:

a۔ شریعہ کے بنیادی مقاصد میں سے ایک عقیدے کی حفاظت کرنا ہے اور اس کے بعد زندگی کا تحفظ کرنا ہے۔ باقی دیگر مقاصد یعنی فہم و فراست، خاندان، عزت، دولت اور جائیداد کا تحفظ اس کے بعد آتے ہیں مسلم فقہا کے نزدیک عقیدے کے تحفظ کی اولیں اہمیت کے پیش نظر مسلم ریاست اور مسلم حکمرانوں کی سب سے اہم ذمہ داری مسلمانوں کے عقیدے کے تحفظ کی خاطر اقدامات کرنا ہے۔

ii۔ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلم شہریوں اور برادریوں پر نظر رکھے کہ وہ اکثریتی مسلمان برادری کے خلاف کسی سازش کا حصہ نہ بنیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کرے۔ یہ سورہ النساء کی آیت ۲۰۲ میں اللہ کے حکم کی روشنی میں ہے۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرے جس طرح سرحدی حدود کا دفاع کرنا لازم ہے۔

iii۔ سورہ المنافقین کی آیت 4 کا حوالہ یہ ظاہر کرنے کے لیے دیا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے جب کے اصل میں وہ مسلمان نہ ہو مانفین کے زمرے میں آتا ہے اور یہ اس آیت میں درج کارروائی ان قادیانیوں پر بھی مساوی طور پر لا گو ہوتی ہے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں

iv۔ ایک مسلمان ریاست اپنے غیر مسلم شہریوں مثلا عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بدھوؤں، قادیانیوں اور لاہوریوں کو اپنے آپ کو جائز کرائے جانے کے لیے لازم قرار دے سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ غیر مسلم شہریوں کو الگ شناختی کا رہ جاری کرے یا اس مقصد کے لیے ایک الگ کالم مخصوص کردے غلط بیان پر تعزیری پابندیاں بھی لگائی جاسکتی ہیں۔

v۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں انہوں نے اس مقصد کے لیے رجڑوں کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ جس میں شہریوں کو ان کے قبیلوں مذہب اور پیشوں کے اعتبار سے الگ الگ درج کیا گیا تھا عثمانی خلافت کے دوران غیر مسلموں کے لیے زردرنگ کے نجح متعارف کروائے گے تھے جس پر ان کے پیشے بھی درج تھے

vi۔ اسلامی ریاست میں اگر کوئی غیر مسلم، کافر پاد ہر یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اور ناجائز مفادات حاصل کرے تو

اس کے خلاف بغاوت کا کیس چلا جا سکتا ہے۔

vii۔ ایک اسلامی ریاست کی طرف سے اپنے شہریوں سے عقیدے کے حقیقی اظہار کا مطالبہ کسی بھی صورت میں بنیادی حقوق کی خلاف ورزی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا یہ بھی نشانہ ہی کی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ایک اسلامی ریاست کے اٹھائے گے اقدامات پر امتیاز کرنے کا لیبل نہیں لگایا جا سکتا۔

viii۔ یہ نقطہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم حیثیت اسلامی اصول فقة اور قانون کے ابتدائی لڑپرچر میں پائے جانے والے ذمیوں کے تصور، معابرداری یا مستحق کے مساوی قرار نہیں دی جا سکتی بلکہ ان کی حیثیت شہریوں کی سی ہے اور اس سلسلے میں کوئی بھی قانون سازی میں الاقوامی صورتحال کی مطابقت میں کی جاتی ہے۔

13۔ مورخہ 01-03-2018 کو **معتّق محمد حسین خلیل خیل** نے عدالت ہذا کی مرتب کردہ سوالات کے جوابات میں درج ذیل معروضات پیش کیں:-

a۔ ایک اسلامی ریاست ایک سیکولر جمہوری ریاست سے بالکل مختلف ہوتی ہے ایک لا دینی جمہوری ریاست میں حاکمیت اعلیٰ لوگوں سے تعلق رکھتی ہے۔ تاہم اسلامی ریاست میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست ایک نظریاتی اور اصولی تنظیم ہوتی ہے جس میں ریاست کے معاملات ان لوگوں پر عائد کیے جاتے ہیں۔ جو اسلامی نظریہ اور اسلامی طرز حیات پر یقین رکھتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود سے تجاوز کر سکیں اور نظام میں حکومت اسلامی حدود کی پابند ہوتی ہے۔ جہاں قرآن و سنت کی تعلیمات کی خلاف ورزی میں کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کے حکمران کی بنیادی ذمہ داری شریعت کے مقاصد اور نظریاتی سرحدوں کے ساتھ ساتھ ریاست کی جغرافیائی سرحدوں، مادی مفادات اور انتظامی معاملات کی حفاظت کرنا ہے۔ اگر ریاست اپنے فرانچ سر انجام دے رہی ہے تو یہ اچھا شگون ہے لیکن اگر یہ غفلت کرتی ہے تب اقامت دین کا تصور رو بکار آتا ہے۔ جس کے تحت سورۃ شوریٰ کی آیت 13 کے مطابق یہ امہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

ii۔ اسلام دوسرے تمام نظریات کو ناقص نامکمل اور بینی پر غلطی سمجھتا ہے۔ لیکن اسلام اپنے پیروکاروں کو تلقین کرتا ہے اور دوسرے مذاہب کی عزت کرے اور ان کا جائز احترام کرے انسانیت، ایغامے عہد اور معابردوں کی پاسداری، تحمل اور درگزر، راست بازی، عاجزی، اور انصاف کے اصولوں پر عمل کی تلقین کرتا ہے اسلام مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ غیر مسلموں سے صاف و شفاف انداز میں معاملہ کریں، غریبوں کی مدد کریں، تھائے قبول کریں، ان کے مرضیوں کی عیادت کریں ان کی خدمات کو قبول کریں۔ ان کی روایات اور تہواروں کا احترام کریں علم اور شیکنا لوجی کے تبادلے میں ان کے ساتھ تعاون کریں کاروبار اور تجارت میں انہیں شریک کریں انہیں ملازم رکھیں یا ان کی ملازمت میں داخل ہوں۔ وہ قانوں کے سامنے مساوی حقوق رکھتے ہیں جو مسلمانوں کو میسر ہیں انہیں بھی تجارت کرنے اور معاشی معاملات میں پہنچنے اور اپنے آپ کو تعلیم یافتہ بنانے کے وہی حقوق حاصل ہیں جو ریاست کے کسی بھی مسلم شہری کو مہیا ہیں۔

iii۔ سورۃ البقرہ کی آیات نمبر 9 اور 13 کا حوالہ دیتے ہوئے یہ معروض کیا گیا ہے کوئی مسلم ریاست غیر مسلم شہریوں کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ خود کو مسلمان بنانا کر پیش کر سکیں نہ تو ریاست اس معاملے میں کوئی قانون سازی کر سکتی ہے نہ ہی ایسی اجازت دے سکتی ہے۔

۷۰۔ فاضل عدالتی معاون نے اسلامی قانون کے کچھ مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کیا ہے جس میں ایک مسلمان کی غیر مسلم سے کامل امتیاز کی جاتی ہے اور کسی کی طرف سے کوئی غلط بیانی ایک مسلمان کو انہائی گناہ گار اور حرام کاموں میں ڈال سکتی ہے جس کے سب ناقابل تفسیر قانونی پیچیدگیاں اور تباہ کن نتائج نکل سکتے ہیں جو معلم معاشرے کی عبادات کے سلسلے کو تباہ و بر باد کر سکتے ہیں فاضل عدالتی معاون نے جن پہلوؤں کی نشاندہی کی وہ درج ذیل ہیں:-

\* قانون ازدواج، طلاق، حضانت، سرپرستی اور دیگر عائل قوانین

\* وراثت اور وصیتوں کا قانون

\* کفن و دفن سے متعلقہ شرعی احکامات

\* ذبح کرنے سے متعلق شرعی احکامات

\* شراب کی خرید و فروخت اور اس کی سزا کے نفاذ سے متعلقہ شرعی احکامات

\* گواہی (شہادت) کی قبولیت سے متعلقہ شرعی احکامات

\* قضی سے متعلقہ شرعی احکامات

\* زکوٰۃ، عشر اور خراج سے متعلق شرعی احکامات

\* اوقاف سے متعلقہ شرعی احکامات

\* نماز پڑھانے سے متعلقہ شرعی احکامات

\* سرطیقیں اور جائز اور ناجائز اشیاء خوردن و نوش اور دیگر اشیاء سے متعلقہ شرعی احکامات

\* اسلامی شعائر سے متعلقہ شرعی احکامات

\* جہاد (جنگ) میں شرکت سے متعلقہ شرعی احکامات

\* سلام، تعزیت اور دیگر سماجی رسم و رواج سے متعلقہ شرعی احکامات

\* غیر مسلموں سے الگ شناخت برقرار رکھنے سے متعلقہ شرعی احکامات

\* حرم میں داخلے اور حج اور عمرہ کی ادائیگی سے متعلقہ شرعی احکامات

\* ماہ رمضان کی حرمت پر عمل کرنے سے متعلقہ شرعی احکامات

\* غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شرکت کے حوالے سے شرعی احکامات

\* قرآن مجید کی تشریح کرنے کی قابلیت سے متعلق شرعی احکامات

\* معاصر مسائل کے حل میں اجتہاد کی صلاحیت سے متعلقہ شرعی احکامات

\* غیر مسلموں کے ساتھ سودی معاهدات کرنے اور ترسیلات کے حوالے سے شرعی احکامات

\* ریاست کے سربراہ بننے اور دیگراہم مناصب پر فائز ہونے کی قابلیت کے حوالے سے شرعی احکامات

۷۔ مسئلہ مرسلہ کے اصولوں پر تسفیہ کرتے ہوئے فاضل عدالتی معاون نے معروض کیا کے عقیدے کے اظہار نہ کرنے کے تباہ کن نتائج نکلتے ہیں اس لیے ریاست اس کی پہچان کرنے کی پابند ہے فاضل عدالتی معاون نے پہلے دو سوالات کا جواب دیتے ہوئے غیر مبہم طور پر بیان کیا کہ اسلام میں ایسی کسی قانون سازی یا اجازت کی گنجائش نہیں جو قرآن پاک اور

سنن کی تعلیمات کے برعکس ہو۔

vI. یہ کہ اسلامی ریاست شہریوں کے مابین سماجی معاملہ کا نتیجہ ہوتی ہے جو آئین میں مذکور ہوتا ہے ایک شہری کی طرف سے اپنی حقیقی شناخت بلا رادہ چھپاناریاست سے غیر وفاداری کے سوا کچھ نہیں جو کہ بدترین بد دینی اور دھوکہ دہی ہے اور معاشرے کی تباہی میں اس کے نضرات بالکل واضح ہیں۔

vII. فاضل عدالتی معاون نے اس سوال کے جواب میں کہ ریاست اس مسئلے کو حل کرنے میں کیا مدد کر سکتی ہے بیان کیا کہ معاملہ عمر رضی اللہ جو کہ عام طور پر شروع مریہ کے نام سے مشہور ہے اس ضمن میں راہنماد ستاویز ہے۔ فاضل معاون نے اس دستاویز کی اسلامی تاریخ میں اہمیت کو جاگر کیا۔

vIII. سورہ ممتنہ کی آیت 10 سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے فاضل عدالتی معاون نے معروضات پیش کیں کہ اسلامی ریاست اپنے کسی بھی فرد کی مذہبی دعوے کی سچائی جانے کی خاطر شہادت لے سکتی ہے۔ یہ معروض کیا گیا کہ نبی پاک ﷺ ان خواتین کی جانچ پر کھفر مایا کرتے تھے جو مکہ میں اپنے شوہروں کو چھوڑ کر مسلمان ہونے کی دعویدار ہوتی تھی اور مدینہ کی اسلامی ریاست میں آنا چاہتی تھیں۔ فاضل عدالتی معاون نے اسلامی ریاست کے تحت زندگی گزارنے والے افراد کے عقیدے کے تعین میں قرآن مجید کی اس آیت کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ فاضل عدالتی معاون نے یہ بھی تاکید بیان کی کہ اس حوالے سے قرآن مجید کی آیت اور نبی کریم ﷺ کی روایت سارے زمانوں کے لیے تھی کہ آنے والے زمانے میں پیدا ہونے والی ضرورت کے لیے بھی ہدایت کا سامان ہے۔

IX. فاضل عدالتی معاون نے اپنی معروض برقرار رکھی ہے کہ کسی شہری کے اصل مذہب کے بارے میں جانا شہریوں کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوگی بلکہ یہ ریاست کے دستوری امور کے عین مطابق ہوگی چوں کہ بہت سے ایسے حقوق جو غیر مسلموں کے حقوق کے لیے مخصوص ہیں۔ با آسانی ادا ہو سکیں گے۔ انہوں نے اسرائیل کی واپسی کے قانون اور اقوام متحده کے چارٹر کی دفعہ 30 کا اس ضمن میں حوالہ دیا۔

14. چونکہ اس معاملے میں آئینی تشریع بھی شامل ہے اس لئے عدالت ہذا نے آئین کی تشریع کے لئے مزید کچھ سوالات وضع کئے اور درخواست ہندہ کے ساتھ ساتھ فاضل ڈی اے جی کی رضامندی سے جناب محمد اکرم شیخ، سنیئر ایڈ ووکیٹ سپریم کورٹ، ڈاکٹر بابر اعوان، ایڈ ووکیٹ سپریم کورٹ اور ڈاکٹر محمد اسلام خاکی، ایڈ ووکیٹ سپریم کورٹ کو بطور عدالتی دوست کے مقرر کیا تاکہ وہ عدالت ہذا کو اپنی ماہرائی معاونت دے سکیں۔ ان سوالات کو سہولت کی خاطر ذیل میں دیا جاتا ہے:-

i) اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 1973ء کے آئین کے آرٹیکل (b)(3)(a) کے مطابق عمل میں لائی گئی ترمیم جس سے قادیانی / احمدی غیر مسلم قرار دیئے گئے تھے کیا آئین میں تراویم کے مقصد کے لئے اس کے مطابق ضروری تراویم / قانون سازی کی گئی تھی؟

ii) اگر درج بالا سوال کا جواب نفی میں ہے اس مسئلے سے نہنے کے لئے کس قسم کی قانون سازی کی ضرورت ہے؟

iii) کیا محض کوئی قانون بنالینے سے آئین کی کوئی شق یا اس میں کی گئی ترمیم کو کا عدم کیا جاسکتا ہے؟

iv) آیا اٹھیر اور پڑتاں کو یقینی بنانے کے لئے شہریوں کے عقیدے کی معلومات لینے کو اسلامی جمہوری پاکستان کے آئین میں درج بنیادی حقوق کی ضمانت کو کا عدم کرنے کے مترادف ہے؟

۷) آیا اقلیتوں سے تعلق رکھنے والا اسلامی جمہوری پاکستان کے کسی شہری کو اکثریتی مذہب کی آڑ لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے اور تمام فوائد حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر کرتا ہے تو کیا وہ مالی فوائد کا حقدار رہ سکتا ہے؟ درج بالا معاونین نے عدالت کے سامنے زبانی گزارشات پیش کرنے کے علاوہ تحریری جواب بھی جمع کروائے جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

15۔ **ضرم جناب محمد اکرم شفیع، منیر ایڈ ووکٹ پریم گودت 2018-03-02** کو بطور عدالتی معاون کے پیش ہوئے اور عدالتی سوالات کے ضمن میں بیان کیا کہ:-

### سوال نمبر 1

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 1973 کے آئین کے آرٹیکل (a)(b) 260 کے مطابق عمل میں لائی گئی ترمیم جس سے قادیانی/احمدی غیر مسلم قرار دیئے گئے تھے کیا آئین میں ترمیم کے مقصد کے لئے اس کے مطابق ضروری ترمیم/قانون سازی کی گئی تھی؟

### ۱۶

دوسری آئینی ترمیم (ایکٹ نمبر XLIX آف 1974) نے اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل کی کلاز 3 کا اضافہ کیا ہے جس میں ”مسلم“ اور ”غیر مسلم“ کی تعریف کی گئی ہے اور وہ شخص جس کا قادیانی گروہ (جس بھی نام سے پکارے جاتے ہوں) سے تعلق ہو کو دوڑوک الفاظ میں غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ 1974 کی اس ترمیم کے نتیجے میں، آئین کے آرٹیکل 106 میں بھی ترمیم کی گئی اور قادیانی، احمدی یا لا ہور گروہ کے افراد کی نشتوں کے تعین کے لئے اقلیتوں میں شامل کیا گیا۔

بعد ازاں، مختلف قوانین میں مزید ترمیم کی گئیں اور قادیانی، احمدی یا لا ہوری گروہ کی جانب سے اسلام مخالف سرگرمیوں کے حوالے سے (ممانت اور سزا) آرڈیننس (XX of 1984) کا اجراء کیا گیا۔ خاص طور پر 1984 کے آرڈیننس کے ذریعے تعزیرات پاکستان 1860 میں دفعہ 298 بی اور 298 سی کا اضافہ کیا گیا جس کا مقصد قطعیت کے ساتھ احمدی گروہ کے اراکین کو کسی بھی صورت میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے سے روکنا یا مسلمانوں کے مخصوص مقدس شخصیات یا جگہوں سے مختص کسی مقدس نام، حیثیت کا غلط استعمال روکنا تھا۔

مزید برآں، آرٹیکل 106 میں کی جانے والی ترمیم میں یہاں تک اہتمام کیا گیا کہ درج بالا اقلیت کے لئے لازم تھا کہ وہ اپنی مخصوص نشتوں کے لئے ہی کاغذات نامزدگی داخل کریں اور اپنے آپ کو غیر مسلم ڈکلیسٹ کریں۔

متعلقہ قوانین جیسے کہ سول سرنوٹس ایکٹ اور متعلقہ دستاویزات جیسے کہ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے حصول کے لئے درخواست فارموں کا عمیق نظری سے جائزہ لینے سے پہلے چلا کہ ایک پاسپورٹ یا اور قومی شناختی کارڈ کے حصول کے لئے کسی بھی شخص کو ایک ڈکلریشن دینا پڑتا ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ختم نبوت پر کامل یقین رکھتا ہے۔ تاہم فیڈرل پلیک سروس کمیشن یا دوسرے ریاستی اداروں میں اعلیٰ اور ادنیٰ گریڈوں میں افراد کی بھرتی کے لئے مذہب کے بارے میں ڈکلیسٹ کرنے یا ظاہر کرنے کی کوئی ایسی شرط نہیں ہے۔

### سوال نمبر 2

اگر درج بالا سوال کا جواب نفی میں ہے تو اس مسئلے سے نہیں کے لئے کس قسم کا قانون چاہئے؟

## ملئے

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے دوسری آئینی ترمیم کے بعد اس ترمیم کا مطلوب مقصد حاصل کرنے کے لئے قوانین بنائے گئے ہیں۔ البتہ یہ قوانین اور ایسی ترمیم کو وسیع پیانے پر انتظامی تبدیلیاں لا کر و موثر بنایا جائے۔ مثال کے طور پر یہ ضروری قرار دیا جائے کہ سول سروس کے عہدوں اور امتحانات کے مقابلے کے امیدواروں سے ڈکلریشن لیا جائے۔ ہمارے ریاستی اداروں کے لئے ایسی شرط کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ پاکستان میں فوج میں بھرتی ہونے سے پہلے اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

## سوال نمبر 3

کیا کسی قانون سے آئین کی کوئی دفعہ یا ترمیم کا عدم ہو سکتی ہے؟

## ملئے

ہمارے آئینی نظام میں کوئی بھی قانون ایسا نہیں بن سکتا جو آئین کی کسی دفعہ یا ترمیم کو کا عدم کر سکے اور آئین سے متصاد کسی بھی قانون کی حیثیت یا نفاذ کی صورت نہیں ہوتی۔

## سوال نمبر 4

کیا کسی شخص کے ذاتی عقیدے سے متعلق معلومات لینے کے لئے تطہیری عمل یا جائزے کا اطلاق آئین پاکستان میں دیجے گئے حقوق کی خلاف ورزی ہے؟

## ملئے

یہ کافی مشکل سوال ہے کیونکہ کسی فرد کے ذاتی عقیدے سے متعلق معلومات لینے کے لئے تطہیری عمل یا جائزہ انتظامیہ کے ہاتھ میں ایک ہتھیار رشتہ ہو سکتا ہے اور ان کا غلط استعمال کیا جاسکتا ہے؛ اس احتیاطی نوٹ کے ساتھ اور اقلیتوں کے تحفظ کی نیت کو مخوذ خاطر رکھتے ہوئے ایسی معلومات ڈکلریشن، کو لازمی بنا کر کٹھی کی جاسکتی ہے۔

درج بالا اقدامات آڑیکل 36 سے نکلتے ہیں جو اقلیتوں کے تحفظ سے متعلق کچھ یوں قرار دیتا ہے:

آڑیکل 36: ریاست اقلیتوں کے جائز حقوق اور مفادات، پسمندی و فاقہ اور صوبائی نوکریوں میں ان کی نمائندگی، کا تحفظ کرے گی۔  
جبکہ آئین کا ابتدا یہ قرار دیتا ہے کہ:

”ہرگاہ اقلیتوں کے لئے مناسب قانون سازی کی جائے گی تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کا اعلان اور اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے پلچر کو فروغ دے سکیں۔“

## سوال نمبر 5

کیا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے کسی شہری کو اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ اکثریتی مذہب کی آڑ میں تمام مفادات حاصل کرنے کے بعد اپنے غیر مسلم ہونے کا اقرار کرے۔ ایسی صورت میں کیا وہ مالی مفادات کا حقدار رہتا ہے؟

## ملئے

ایسی صورت میں کہ اگر ریاست نے اقلیتوں کو نہ صرف انفرادی یا ان کی جائیداد بلکہ ان کے مذہبی شعور اور مذہبی عملداری کو تحفظ دینا ہو اور یہ بھی یقینی بنانا ہو کہ انھیں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی ہو تو لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ ریاست کو اپنی شناخت کروائیں۔ ایسا اس لئے ضروری ہے کہ بغیر شناخت کے ریاست اقلیتی شہریوں کی جانب اپنی ذمہ داری کی وسعت اور جنم کا با معنی

انداز میں عملی تعین نہیں کر سکتی تاکہ وہ ان کے حقوق کو تنظیم کر سکے اور ایسے اقدامات لے سکے جو ان کے عقائد اور نہاد کو قانون کے مطابق بنیادی حقوق کی صورت میں پورا کر سکے۔ جیسا کہ آرٹیکل 20 کو آرٹیکل 36 سے ملا کر پڑھنے سے انداز ہوتا ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اقلیت سے تعلق رکھنے والا کوئی شہری پہلے ہی قانون اور آئین کے مطابق بھرپور تحفظ کا حقدار ہے جسے پاکستانی جنڈے کے ایک چوتھائی رنگ کے حصے میں ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ نہیں کسی اکثریتی گروہ کا کوئی رکن یا کسی اقلیتی گروہ کا کوئی رکن اپنی اطراف تبدیل نہیں کر سکتا تاکہ وہ اپنے عقائد کے علاوہ دوسرے عقیدہ سے جڑے مفادات حاصل کر سکے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو قانون کی نظر میں یہ دھوکہ دہی کے متراffد ہے جو قانونی تعزیرات کے مطابق سزاوار ٹھہرتا ہے۔ یہ واضح طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ قادریانی، احمدی اور لاہوری گروہ تسلیم شدہ ایک علیحدہ مذہبی (اقلیتی) فرقہ ہیں جن کی حیثیت دوسری آئینی ترمیم کے ذریعے تعین کی گئی ہے اور جس کے لئے قانون میں مطلوب تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو اسلام کے دوسرے فرقے کے طور پر ایک منکرا غیر مسلم قرار دیتے اور سمجھتے ہیں۔

لہذا، ایک دوسرے کے جذبات کی تعظیم کی پابندی باہمی اور دو طرفہ ہے۔ اکثریتی برادری یعنی مسلمانوں کو اقلیتوں کی جانب حد رجہ تعظیم کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور انھیں ان کے جائز حقوق دینے چاہئے جبکہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ان کے استحقاقات کو یقینی بنائے جیسا کہ معزز سپریم کورٹ نے سو موٹو مقدمہ نمبر 1 آف 2014 (جیسا کہ پی ایل ڈی 2014 سپریم کورٹ 699) کے مشہور فیصلے میں قرار دیا ہے اور جس میں آرٹیکل 20، 33 اور 36 پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

## حقوق قانونی مسائل سے تعلق رائے

عدالت بذا کی ہدایات جاری کرنے کے حوالے سے اختیار سماعت:

یہ معزز عدالت انتظامیہ کو قانون سازی متعارف کروانے کے لئے ہدایات جاری کرنے کا بے پناہ اختیار رکھتی ہے، جیسا کہ درج ذیل فیصلوں میں قرار دیا گیا ہے:

گورنمنٹ آف بلوچستان بنام عزیز اللہ میمن (پی ایل ڈی 1993 سپریم کورٹ 341)

17۔ ان حالات میں چونکہ 1968 کا آرڈیننس || کو باطل قرار دیا جاتا ہے جو کہ آئین کے آرٹیکل 9، 25 اور 203 سے متصادم ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ 1968 کے آرڈیننس || کی عدم موجودگی میں کیا ریلیف دیا جائے کیونکہ کسی نہ کسی مضبوط قانون کو فیلڈ میں ضرور ہونا چاہئے۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ ہر ضلع میں ڈسٹرکٹ جج اور رسول ججر مصروف کار ہیں۔ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں اعلیٰ عدالتیں وفاقی حکومت یا صوبائی حکومتوں کو حکم جاری کرنے کا اختیار رکھتی ہیں کہ وہ بنیادی حقوق کی پاسداری میں قانون متعارف کروائیں اور ایسا کسی قانون کو نافذ کریں اور اس سلسلے میں کوئی نویں کیشن جاری کریں۔ جیسا کہ آرٹیکل 7 میں تعریف دی گئی ہے کہ ریاست اپنی آئینی ذمہ داریاں ادا کرنے کی پابند ہے۔ ناکامی کی صورت میں حتیٰ کہ مقتنه اور انتظامیہ کو بھی حکم دیا جاسکتا ہے کہ وہ قانون سازی کے اقدامات کا اجراء کرے تاکہ بنیادی حقوق کے مطابق قانون متعارف کروا یا جاسکے۔ ان حالات میں متداعویہ فیصلوں کو برقرار رکھتے ہوئے ہم اپیلوں کو مسترد کرتے ہیں، 1968 کے آرڈیننس || کو آئین کے آرٹیکل 9، 25، 175 اور 203 سے متصادم ہونے کے ناطے باطل قرار دیتے ہیں اور اپیل کنندہ کو حکم دیتے ہیں۔

(i) آرڈیننس XII آف 1972 کے سیکشن 1 کے سب سیکشن 2 کی روشنی میں درج بالا آرڈیننس کے نفاذ کے لئے

عہدے تحقیق کر کے اور جوڈیشل مஜسٹریں اور ایگر یکٹو مஜسٹریں کو ہائیکورٹ کے انتظامی کنٹرول میں علیحدہ علیحدہ تعینات کرنے کے لئے تین ماہ میں ضروری نوٹیفیکیشن جاری کرے؟

(ii) آئینی ضرورت کے مطابق قوانین اور عدالت، جوڈیشل اور اس کے افسران اور نچلے طاف سے متعلق ضوابط اور قوانین میں ترمیم اور ان کے نفاذ کے لئے ضروری اقدامات اٹھائے تاکہ انہیں چھ ماہ کے اندر آرٹیکلز 9، 25، 175 اور 203 سے ہم آہنگ کیا جائے۔

#### صوبہ سندھ بنام ایم کیوائیم (پی ایل ڈی 2014 سپریم کورٹ 531- پیرا 75)

75۔ اپنے آئینی اختیار اور ایک نظام میں ادارہ جاتی حدود جس کی بنیاد اختیارات کی ٹھلاٹی تقسیم ہے، کوڑہن میں رکھتے ہوئے عدالت کوئی ڈکٹریشن دینے سے باز رہے گی جو قانون کو ازسرنو تحریر کرنے کے متراffد ہے۔ تاہم جب یہ اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ ایک قانون یا اس میں مخصوص دفعہ آئینی دفاعات سے ہم آہنگ نہیں ہے اور اسے آئین کے خلاف ڈکلیسٹ کرتی ہے تو یہ حکومت کو قانون اور ان دفاعات سے ہم آہنگ کرنے کے مناسب احکامات بھی جاری کر سکتی ہے۔

#### **وفاق کو قانون سازی کے اقدامات لینے کے ضمن میں صاف اختیار**

حکومت بلوچستان بنام عزیز اللہ میمن پی ایل ڈی 1993 سپریم کورٹ 341 میں عدالت نے ایک قانون کو آئین سے متصادم قرار دیتے ہوئے وفاق کو مطلوبہ قانون سازی کا حکم جاری کیا۔

معزز عدالت عالیہ وفاق یا ایک صوبے کو حکم دینے کی مکمل طور پر اہلیت اور اختیار رکھتی ہے کہ ایسے انتظامی سرگرمیاں / اقدامات لینے کا کہہ سکتی ہے جو آئین کی منشاء ہے لیکن متفہنہ کو ایسا کوئی حکم نہیں دیا جاسکتا کہ کوئی مخصوص قانون تیار کرے البتہ اس ضمن میں ایک ہدایت جاری کر سکتی ہے۔

#### المجادڑست ہام فہریشن آف پاکستان (1999 المی ایم آر 1379)

25۔ یہ ظاہر ہے کہ آئین کی منشاء کے مطابق انتظامی سرگرمیاں / اقدامات کے لئے ہدایت / ہدایات وفاق کے خلاف جاری کی جاسکتی ہیں لیکن متفہنہ کو کوئی ایسا حکم جاری نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کوئی مخصوص قانون وضع کرے۔ تاہم، وفاق کو ایک ہدایت جاری کی جاسکتی ہے کہ ایسے انتظامی اور قانونی اقدامات یقینی بنائے تاکہ آئین کے مینڈیٹ کو پایا جاسکے۔ یہ قرار دینے کے بعد سندھ ہائیکورٹ کے فلنجنے درج بالا آئینی درخواست جس میں آئین کے آرٹیکل 175 کی کلاز 2 کے مطابق عدالیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی کی استدعا کی گئی تھی، درج ذیل ریلیف دیا:

12۔ لہذا میں دونوں آئینی درخواستوں کی درج ذیل معنوں میں اجازت دیتا ہوں:-

”(الف) پہلی اور دوسری آئینی درخواستوں میں مسول الیہ یعنی مسول الیہ نمبر 2 (یعنی صوبہ سندھ) کو حکم دیا جاتا ہے کہ --- (i) 1972 کے آرڈیننس نمبر XII کے سیکشن نمبر 1 کے سب سیکشن 2 کی روشنی میں محسٹریسی کو جوڈیشل اور انتظامی دو شاخی تقسیم کیلئے ضروری نوٹیفیکیشن جاری کرے اور جوڈیشل محسٹریوں کو چھے ماہ کے اندر ہائیکورٹ کے انتظامی کنٹرول میں دے؛

(ii) سندھ سول سروٹس (کارکردگی اور تنظیم) روز 1978 کے روں 2 کے ذیلی روں 2 اور سندھ سول سروٹس (تعیناتی،

ترقی اور تبادلہ) روز 1974 کے روں نمبر 4 کے مطابق ہائیکورٹ کو بطور اتحاری سانحہ دن کے اندر اندر نوٹیفیکیشن جاری کرے،

(iii) چھے ماہ کے اندر قانون سازی کے اقدامات کرتے ہوئے مغربی پاکستان سول کورٹس آرڈیننس 1962 ضابطہ فوجداری، سندھ سول سرونس ایکٹ 1973 سندھ سول سرونس (کارکردگی اور تنظیم) روز 1973، سندھ سول سرونس (تعیناتی، ترقی اور تبادلہ) روز 1974 اور دوسرے قوانین کو آئین کے آرٹیکلز 175 اور 203 سے ہم آہنگ کرنے کا اہتمام کرے۔

16. **ڈاکٹر محمد اسلم خاکی، ایڈو ویکٹ پریم گورٹ** بطور عدالتی دوست کے 05-03-2018 کو پیش ہوئے اور سوالات پر اپنی معروضات پیش کرتے ہوئے کہا:-

(i) پیغمبرؐ خدا کی مشہور حدیث کہ ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے“ پر انحصار کرتے ہوئے فاضل عدالت کے دوست نے موقف اختیار کیا کہ اس کے باوجود کہ کچھ مذموم مقاصد کے حامل خفیہ عناصر کی موجودگی کو رد نہیں کیا جاسکتا، ہم کسی کی نیت پر شک نہیں کر سکتے ہیں۔ فاضل عدالت کے دوست نے وہ واقعہ بھی بیان کیا جب پیغمبرؐ خدا نے ایسے شخص کو مارنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا جب حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اس پر قابو پالیا اور اس نے کلمہ پڑھ لیا مگر پھر بھی حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اس کی جان ختم کر دی۔ پیغمبرؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کیا تم نے اس کا دل چیر کر اس کا عقیدہ دیکھا تھا؟

(ii) فاضل عدالت کے دوست نے کہا کہ آج بھی پاکستان میں ہزاروں عیسائی اور ہندو اپنے مذاہب میں شادی اور طلاق سے متعلق سخت قوانین کے باعث شادی کے بندھن سے آزاد ہونے کے لئے اسلام قبول کرتے ہیں اور پھر دوبارہ سے اپنے اصل مذہب کی جانب لوٹ جاتے ہیں۔ فاضل عدالت کے دوست نے موقف اختیار کیا کہ مذہب کی تبدیلی بھی مذموم مقصد کی ایک شکل ہے لیکن کیا اس طرح کی مذہب کی تبدیلی کے خلاف کوئی قانون ہے؟

(iii) فاضل عدالت کے دوست نے یہ بھی کہا کہ ایسے مسلمان کے بارے میں کیا قانون ہے جو اپنے آپ کو احمدی ڈلیٹر کرتا ہے اور سرکاری نوکریوں میں اقلیتوں کے لئے کوٹھ، عمر کی چھوٹ، بلدیاتی انتخابات یا قانون ساز اسمبلیوں میں اقلیتی نشستوں پر امیدواری جیسے مختلف مفادات حاصل کر کے وہ واپس اسلام کی طرف رجوع کر لیتا ہے؟

(iv) فاضل عدالت کے دوست نے اس امر پر بھی زور دیا کہ عقیدہ یا مذہب کسی قانونی طاقت کے تابع ہونے کے بجائے ایک شخص کی اپنی ذاتی حالت اور ضمیر کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ فاضل عدالت کے دوست نے ذوالفقار علی بھٹو اور ممتاز قادری کی مثال دی اور کہا کہ اکثر اوقات ایک شخص قانون کی نظر میں تو مرتا ہے لیکن عوام کی نظر میں نہیں مرتا ہے۔

(v) فاضل عدالت کے دوست نے نقطہ اٹھایا کہ اسلام کا سب سے نمایاں اصول مذہب کی تبدیلی سے متعلق ہے اس لئے نہ ہی ایک شخص لازمی طور پر ایک مذہب میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس سے نکل سکتا ہے۔ سورہ 5 کی آیت 54 اور سورہ 2 کی آیت 217 بیان کرتے ہوئے فاضل عدالت کے دوست نے کہا اس نقطے کو تقویت دینے کی کوشش کی کہ مرتد کے لئے سزا اس دنیا کا نہیں بلکہ آخرت کا معاملہ ہے اس لئے ریاست اس کو نافذ نہیں کر سکتی ہے۔ تاہم، دوسری طرح کے مرتد وہ لوگ ہیں جو ریاست کے باغی بننا پسند کرتے ہیں اور یہ وہ مقام ہے جہاں ریاست باغیوں کے خلاف جنگ کے

اصول پر مداخلت کر سکتی ہے۔ فاضل عدالت کے دوست نے یہ بھی کہا کہ بین الاقوامی منظر نامے میں کسی پر مرتد ہونے کی سزا نافذ کرنے سے دنیا کے دوسرے حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے تباہ کن نتائج پیدا کرے گا۔ مزید برآں، قادیانیوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ سے روکنا ایک طرح سے یک طرفہ آپریشن کے مترادف ہے جو اسلام میں جائز نہیں اور حتیٰ کہ شیطان کو بھی مقابلے کی کھلی چھٹی دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے لوگوں کو گراہ کرے۔ فاضل عدالت کے دوست نے دھوکہ دہی کو چیک کرنے کے لئے درج ذیل اقدامات تجویز کئے:-

\* اگر ایک شخص مسلمان یا غیر مسلمان ہونے کے حقوق / استحقاق حاصل کر چکا ہے اور پھر اس کے بعد وہ اپنانہ مذہب تبدیل کرتا ہے تو تبدیلی مذہب کی بنا پر پیدا ہونے والے اس کو کسی فائدے یا حق سے انکار کیا جا سکتا ہے جیسے کہ نوکریوں میں پسمندہ علاقے کی بنا پر کوئی کام عاملہ وغیرہ ہے۔

\* قومی شناختی کارڈ میں نئے تبدیل شدہ مذہب کے خانے کا اندر ارج کرتے ہوئے ایک کالم میں اس کے سابقہ مذہب کو بھی ظاہر کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تبدیلی مذہب کی تاریخ کا بھی اندر ارج ہو۔

\* ہمیں عقیدے پر نہیں بلکہ قیمتیوں، دہشت گردی، غربت پر قابو پانا چاہئے۔

\* تبدیلی مذہب کے لئے ہر طریقے اور انداز کا ایک یکساں ماؤں، حتیٰ کہ دوسرے مذاہب سے اسلام میں میں آنے کا ایک قانونی میکانزم تیار کیا جانا چاہئے۔

\* تبدیلی مذہب کی ضروریات کے تحت نادرا کے ریکارڈ میں تبدیلی مذہب کے لئے پلک نوٹس اور ڈیٹا اسٹری کے لئے قانون سازی ہونی چاہئے۔

17۔ **ڈاکٹر یا رہاوان، ایڈوکیٹ سپریم گورٹ، 2018-03-05** کو بطور عدالت کے دوست کے پیش ہوئے اور گزارشات پیش کرتے ہوئے فاضل عدالتی معاون نے آرٹیکل (a)(b) 260(3) پڑھتے ہوئے کہا کہ اس آرٹیکل کے مطابق ہر وہ شخص مسلمان ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی، اللہ کی کلی اور غیر مشروط ابدیت پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، ان کے آخری نبی ہونے پر ایمان رکھتا ہے اور کسی بھی ایسے شخص کو پیغمبر یا مذہبی مصلح نہ ہی مانتا اور نہ ہی تسلیم کرتا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی اعتبار سے نبی ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے یا کرے۔ جبکہ غیر مسلم افراد میں جو عیسائیت، ہندو مت، سکھ مت، بدھ مت یا پارسی کمیونٹی یا قادیانی گروہ یا لا ہوری گروہ سے تعلق رکھنے والے (احمدی یا کسی اور نام سے جانے والے) یا بھائی کے علاوہ شیڈول ذاتوں سے تعلق رکھنے والے سے لوگ شامل ہیں۔ فاضل معاون نے آئین کے آرٹیکل 272 کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس کا تقاضا ہے کہ تمام قوانین کو قرآن و سنت میں دی گئی اسلامی حدود سے ہم آہنگ کیا جائے جبکہ یہ ہر ایسی قانون سازی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جو اسلامی حدود سے باہر ہو۔ مزید برآں، کوئی بھی قانون سازی ملک کا شہری ہونے کے ناطے کسی بھی غیر مسلم شہری کی حیثیت کے ضمن میں اس کے شخصی قوانین کی نفی نہیں کرے گا۔ فاضل معاون نے متذکرہ آرٹیکل کی روشنی میں ترمیم متنازع یہ کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہ ترمیم اس آرٹیکل کی بنیادی روح کے منافی ہے کیونکہ انتخابی امیدوار کے لئے حلف نامے کا حذف کرنا قادیانی / احمدی / لا ہوری گروہ کی جانب سے اقلیت ہونے کے سیٹیس کو چھپانے کے مترادف ہے۔

فاضل معاون عدالت نے مزید کہا کہ اگرچہ پارلیمنٹ کے پاس اختیار ہے کہ وہ نئی قانون سازی متعارف کروائے لیکن یہ اختیار غیر مشروط اور بلا جواز نہیں کیونکہ ہر حق کا دعویدار ہے جبکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ متنازع یہ ترمیم متذکرہ بالا آئین کے

آرٹیکل کی بلکہ اس کے ابتدائی کی بھی خلاف ورزی ہیں اور ان کا ختم کرنا اور موجودہ قوانین میں اس کا تذکرہ اور اس کے نتیجے میں آئین کے منافی قانون سازی شنخ ہے۔

فاضل عدالتی معاون نے مزید کہا کہ عدالت عالیہ پر لازم ہے کہ کسی بھی قانون کا آئینی جائزہ لے اگر وہ اسے بنیادی حقوق سے متصادم پائے جیسا کہ آئین کے آرٹیکل 8 اور 227 میں درج ہے، یا جہاں کہیں کسی قانون کی کوئی دفعہ آئین کے بنیادی تصور کے منافی پائی گئی تو اسے شخ قرار دیا جانا چاہئے۔ مزید برآن، کسی مخصوص شخص یا کمیونٹی کو فائدہ دینے کے لئے بنائے گئے کسی بھی قانون کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے اور اسے منسوخ قرار دیا جانا چاہئے کیونکہ ایسی کوئی بھی کوشش انصاف کی فراہمی کو فروغ دینے کی وجہے معاشرے آئین کے تابع شہریوں کے ضمن میں نا انصافی پر منحصر ہوگا۔ اس بابت فاضل عدالتی معاون نے عدالت کی اجازت سے موجودہ نظائر پر انحصار کیا ان میں (پی ایل ڈی 2012 سپریم کورٹ 106)، (پی ایل ڈی 2012 سپریم کورٹ 870) اور (پی ایل ڈی 2010 سپریم کورٹ 265) شامل ہیں۔

18۔ سید محمد اقبال ہاشمی، ایڈوکیٹ جنہوں نے بطور مداخلت کار کے عدالتی کاروائی میں شمولیت اختیار کی نے درخواست دہندہ کے دلائل پر سندر کھی اور مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری پیغام رسال قرار دیا تھا اور اللہ نے قرآن میں کہا ”اللہ اور اس کے فرشتے اللہ کے آخری پیغام بر پر درود بھیجتے ہیں اس لئے اے ایمان والوں بھی ان پر درود بھیجو اور عقیدت کے ساتھ سلام بھیجو۔“ (سورہ احزاب)۔ فاضل وکیل اما دخلت کار نے مزید عرض گزاری کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوری بعد عرب میں چند مکار اور جھوٹے پیغمبر نمودار ہوئے جن میں سے سب سے بدنام مسلمہ تھا جو سطعی عرب کے بونو خیفہ قبلیے سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی طرح عراق کے سرحدی علاقے میں آباد بني ریحاوں بتو غلیلی قبلیے سے سمجھ کے نام سے ایک خاتون جھوٹی پیغمبر بھی تھی۔ جھوٹے پیغمبر تباہ کا فتنہ بھی دبایا گیا تھا۔ مسلمانوں کی جانب سے جھوٹے پیغمبر مسلمہ کے خلاف ایک خوزیر جنگ یا مامہ بھی لڑی گئی تھی اور بڑی تعداد میں حفاظ قرآن نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی قیادت میں تشکیل پانے والی گیارہ جنہوں کو مختلف فرائض تفویض کیے گئے تھے۔ پہلا جنہے حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں تھا جس کا کام بنو اسد کے طالبہ کے خلاف کاروائی کرنا تھا جو کہ بزاہ کے مقام پر تھا جس کے بعد وہ بتاہ کے مقام پر بنتی تھی کی جانب بڑھے۔ بالآخر سچ کو فتح ہوئی۔ فاضل وکیل اما دخلت کار نے مزید کہا کہ گورنمنٹ آف انڈیا یکٹ 1935 میں مرکزی قانون ساز اسمبلی میں ہندوؤں، شیعہوں، ذا توں، عیسائیوں، ایگلوانڈین، مسلمانوں اور سکھوں کے لئے علیحدہ نشستیں مختص کی گئی تھیں۔ 3 جون کے تقسیم کے منصوبے اور دو ملکوں یعنی بھارت اور پاکستان کے قیام کے بعد ہر ریاست نے مختلف کمیونٹیوں کے لئے اپنی اپنی پالیسیاں وضع کیں۔ البتہ اسلامی جمہوریہ پاکستان 1973 کے آئین کے وضع ہونے تک "مسلمانوں" کی تعریف کا تعین نہ کیا گیا جب تک کہ آرٹیکل 260 کی ذیلی کلاز 3 کو آئینی (دوسری ترمیم) ایکٹ 1974 کو دوسری آئینی ترمیم ایکٹ XLIX 1974 داخل نہ کردی گئی جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر کامل ایمان ایک مسلمان کے لئے لازمی قرار دیا گیا تھا۔ آئین کے آرٹیکل 51 میں شق (2A) کا اضافہ کیا گیا جس کے تحت قادیانی گروہ کے افراد کو 1975 کے ایک 71 کے تحت قومی اسمبلی میں ایک نشست دی گئی تھی۔ آرٹیکل 106 میں شق (03) کو صدارتی حکم نمبر 14 آف 1985 سے تبدیل کیا گیا تھا جس کے مطابق ہر صوبائی اسمبلی میں ایک نشست مختلف غیر مسلموں کو تفویض کی گئی تھی۔ اس کے بعد لیگل فریم ورک آرڈر 2002 (سی ای او نمبر 24 آف 2002) کے تحت آرٹیکل میں ترمیم کی گئی تھی اور شق (2A) کے تحت غیر مسلموں کے لئے دس نشستیں مختص کی گئی تھیں۔

اس ترمیم کی 18 ویں آئینی ترمیم کے ذریعے توثیق کی گئی جو آئین کے آرٹیکل A-270 کے ذریعے آئین کا حصہ بنائی گئی تھی۔ صدارتی حکم 24 محرم 1985 کے ذریعے ایک اہم پیش رفت ہوئی جس کے مطابق آرٹیکل 260 کی شق (3) میں دوسری ترمیم نے ”مسلمانوں“ کی تعریف کی گئی جبکہ (b)(3) میں ”غیر مسلموں“ کی تعریف کی گئی۔ فاضل وکیل نے مزید کہا کہ ایکشن ایکٹ 2017 کی دفعہ 241 کے تحت درج ذیل سابقہ ایکشن قوانین کو منسوخ کر دیا گیا تھا اور اسی وجہ سے رول بنانے والی دفاتر بھی منسوخ کر دی گئی تھیں:

الف۔ ایکشن ایکٹ 1974-دفعہ 28، قواعد بنانے کا اختیار (صدر کی منظوری سے)

ب۔ حلقوں کی حد بندی ایکٹ 1974

ج۔ سینٹ (ایکشن) ایکٹ 1975-دفعہ 88، قواعد بنانے کا اختیار (وفاقی حکومت ہمراہ کمشنر کے رول بنانے کے لئے)

د۔ عوامی نمائندگی ایکٹ 1976-دفعہ 107، قواعد بنانے کا اختیار (کمشنر صدر کی اجازت سے رول بناسکتے ہیں)

ر۔ ایکشن کمیشن آرڈر 2002-قواعد بنانے کے لئے دفعہ 9 (کمشنر صدر کی اجازت سے رول بناسکتے ہیں)

س۔ کنڈکٹ آف جزل ایکشن آرڈر 2002 - دفعہ 9، قواعد بنانے کے اختیارات (صدر اس آرڈر کے تحت رول بناسکتے ہیں)

ٹ۔ پیٹیکل پارٹیز آرڈر 2002-دفاتر، قواعد۔ (ایکشن کمیشن صدر کی اجازت سے بناسکتا ہے)

ع۔ انتخابی شان مختص کرنے کا حکم محرم 2002

### دفعہ 239، رول بنانے کا اختیار (ایکشن ایکٹ 2017)

1۔ کمیشن اپنی ویب سائٹ پر شائع کر کے قوانین بناسکتا ہے۔

2۔ اس اشاعت کے 15 یوم کے اندر داخل کیے جانے والے اعتراضات اور تجویز کی سماعت کے بعد۔

فاضل وکیل / مداخلت کارنے مزید کہا کہ حتیٰ کہ اگر کوئی قانون سے آگاہ اور اس کا بخوبی علم بھی رکھتا ہو تو بھی وہ 15 دنوں کی مقرر کردہ مدت میں جواب دینے / اعتراض کرنے کے قابل نہ ہو گا اس لئے زیادہ توجہ ادائش کی ضرورت تھی، خاص طور جب آئین کے آرٹیکل 260 کے ذیلی آرٹیکلز (3) کی شقوق الف، ب اور ج میں تعریف کردہ شہریوں کی درجہ بندی کا معاملہ درپیش ہو۔ فاضل وکیل / مداخلت کارنے رول بنانے کے طریقے سے متعلق چند ایک تجویز دیں جو ذیل میں دی جا رہی ہیں:-

\* وفاقی حکومت کمیشن کی مشاورت سے قواعد بناسکتی ہے۔

\* کمیشن کی ویب سائٹ پر ڈرائیٹ کی اشاعت کی جاسکتی ہے اور اعتراضات اور تجویز دینے کے لئے 30 دن کا وقت دیا جانا چاہئے اور ان پر سماحت 31 سے 40 ایام کے اندر کی جاسکتی ہے اور اس کے بعد ڈرائیٹ کو ہمتی شکل دی جائے۔ فاضل وکیل / مداخلت کارنے آخر میں عدالتی نظیر پی ایل ڈی 1989 سپریم کورٹ 6 بعنوان عوام الناس بنام وفاق پاکستان پر انحصار کیا۔

19۔ مداخلت کنندہ مس امیر جہاں المعروف بسمہ نورین نے درخواست دہنده کے وکلاء کے دلائل کی حمایت کی اور ان کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ متدعو یہ ایکٹ آئین کے آرٹیکل 227 کی واضح خلاف ورزی ہے۔ انہوں نے مزید زور دے کر

کہا کہ تر انیم کے ذمہ دار ان کی نشاندہی ہونی چاہئے اور انہیں پارلیمنٹ کی رکنیت سے نااہل قرار دیا جائے کیونکہ وہ آئین سے بغاوت کے مرتكب ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان آئینی درخواستوں کی منظوری کی درخواست کی۔

20۔ عدالت کے حکم پر فاضل ڈپٹی اٹارنی جزل نے متعلقہ اداروں بشمول ایف پی الیس سی، پاسپورٹ، نادرا، وزارت دفاع، ایف آئی اے وغیرہ سے مطلوبہ دستاویزات حاصل کیں۔ ان میں دونوں ایوانوں کی کارروائیوں کی تفصیل اور راجہ ظفر الحنفی رپورٹ بھی شامل تھیں جنھیں ایک بند لفافے میں عدالت میں جمع کروایا گیا۔ فاضل ڈپٹی اے جی نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ زیر عنوان درخواستیں ناقابلِ سماعت ہیں کیونکہ کسی قانون کا قرآن اور سنت کے منافی ہونے کا تعین کرنا وفاقي شرعی عدالت کا دائرہ اختیار ہے۔ اس کے باوجود وہ، فاضل ڈپٹی اے جی نے کہا کہ متداعویہ ترمیم ٹائپنگ کی ایک غلطی تھی اور بلا ارادہ تھی جس کی اصلاح کردی گئی ہے اور انتخابی امیدواروں کے حلف اور ایک فرد کے مذہب سے متعلق ترمیم پر دوبارہ سے قانون سازی کردی گئی ہے اس لئے یہ درخواستیں غیر موثر ہو چکی ہیں اور ان کو اسی تناظر میں نہ صادینا چاہئے۔

21۔ میں نے درخواست دہندوں کے فاضل وکلاء، فاضل ڈپٹی اٹارنی جزل، مداخت کاروں اور فاضل دانشوروں کے ساتھ ساتھ عدالت کی جانب سے مقرر کیے گئے عدالتی معاونین کی شکل میں آئینی ماہرین کے دلائل سنے ہیں اور ریکارڈ بھی ملاحظہ کیا ہے۔

22۔ ان آئینی درخواستوں سے پیدا ہونے والے مسائل کو صحیح کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عدالت ہذا کے سامنے رکھے گئے تنازع عکوس نتاظر میں دیکھا جاسکے۔ میں انہیں بیان کرنے کی ذمہ داری کے زیر بارہوں۔ احتیاطاً یہ تذکرہ ضروری ہے کہ عدالت کی واحد تشویش وہ تاریخی واقعات تھے جن کا عدالت کے سامنے موجود مسئلے سے تعلق ہے اور یہ خواہش نہ تھی، اور نہ ہی ایسا ممکن ہے کہ مرزاغلام احمد قادری کے دور سے لے کر آج تک 150 سال کے عرصے پر محیط واقعات اور لڑپچر کا ذکر کیا جائے۔ صرف ان واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کی ناقابل تردید شہادت موجود ہے اور جن کے لئے پارلیمنٹ کی کارروائیوں، انکوائری کمیشن رپورٹ، پارٹیوں کی قراردادوں، سیاسی جلسوں، دونوں اطراف کے رہنماؤں کی تقاریر، متعلقہ دور کی اخباری روپرتوں، مشہور مفکرین کی تحریروں اور اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں میں دیئے گئے حقائق پر انصراف کیا گیا ہے۔ ان حقائق کو بیان کرتے ہوئے درج بالا موارد کے علاوہ بشیر احمد ایم اے کی کتاب The Ahmadiya Movement کا شمیری کی کتاب تحریک ختم نبوت پر بھی انصراف کیا گیا ہے اور جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی ہے ان میں سے اقتباسات کو بعضیہ تحریر کیا گیا ہے۔

23۔ ایک معروف مفکر، سپریم کورٹ کے شریعت اسپلٹ نچ کے سابق نجح ڈاکٹر محمود اے غازی نے بشیر احمد ایم اے کی کتاب کرتے ہوئے فصاحت سے بیان کیا ہے کہ:

”1857ء کی جنگ آزادی کی بد قسمت ناکامی کے بعد، انڈین بر صغیر کے مسلمانوں نے خود کو بہت مشکل اقتصادی اور ثقافتی بحران میں گھرا پایا۔ برطانوی سامراج نے تمام مغلیہ سلطنت کا کنٹرول حاصل کر لیا اور جنوبی ایشیا پر اپنی حکومت کو مضبوط بنانے اور مستقل کرنے کے لیے اقدامات اٹھائے۔ مقامی آبادی کو بالخصوص مسلمان قوم کو منتشر کرنے، غیر متحد کرنے، ابہام پیدا کرنے اور شکست خورده ذہنیت کی خاطر ہر ممکنہ قدم اٹھایا گیا۔ ہندوستان کی سوچ کے طویل عمیق مطالعہ کی بنیاد پر نوآبادیاتی حکمران کی بنائی ہوئی تھی۔

پائیسی میں مذہبی گرفت میں نو آبادکاروں کے مفادات کی خاطر کام کرنے کے لیے مصنوعی مذہبی رہنمایا تیار کرنے کی کوششیں شامل تھیں۔ اپنے اس شیطانی منصوبے کے مطابق، زرخیز برطانوی دماغ نے مشرقی پنجاب کے ایک دورافتادہ گاؤں جو قادیان کھلا تھا میں کسی مرزا غلام احمد جو کہ اس وقت گم نام ترین شخص تھا، کوتلاش کر لیا۔ اسے ایک مذہبی نجات دہندہ کے طور پر خود کو آگے لانے پر تیار کیا گیا، جس نے انڈین مسلمانوں کو اس ذہنی اذیت اور مایوسی سے جس سے وہ دوچار تھے، سے نکلنے کے وعدے کئے۔ اپنی شخصیت کی تعمیر کے لیے اس نے مقامی پرلیس میں لکھنا اور مختلف مذاہب پر تنقید کرنا شروع کر دی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے ایک تحریک کی بنیاد ڈالنا شروع کر دی جو بعد ازاں قادیانی یا احمدی تحریک کے طور پر مشہور ہوئی۔ جس نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر برطانوی سامراجیت کے حق میں بڑی ہوشیاری سے خدمت سرانجام دی۔ اس تمام صلیبی جنگ کا محور جہاد کے خلاف پروگریمنڈ اکرنا تھا۔ کیونکہ یہ عقیدہ ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی ازم کے خلاف کھڑا ہونے پر آمادہ کر رہا تھا اس کا دوسرا خفیہ مقصد انگریز حکمرانوں کے ساتھ وفاداری کے جذبے کی آبیاری تھا۔ اور اسے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے الہی رحمت کے طور پر قبول کرنا تھا۔ مرزا صاحب کی ساری شعبدہ بازی انہی دونوں مقصدوں کے گرد گھومی۔ اس کی مضمونی خیز وحی ہائے درپیشن گوئیوں نے بلا واسطہ یا بلا واسطہ انہی دونوں پیغامات کی ترویج کی۔ مرزا اپنے مصلح ہونے سے مجدد ہونے تک اور پھر نام نہاد ”مسیح موعود“ ہونے کے دعویٰ سے بڑی سرعت کے ساتھ ہٹ گیا اور آخر کار نبوت کے دعویٰ کی جرات و گستاخی کر لی۔ یہ سب کچھ اس کے مریبوں کے مفادات کے حصول کی خاطر سوچی سمجھی حکمت عملی کے عین مطابق وقوع پذیر ہوا۔ غالب گمان ہے کہ مرزا اپنی ہم عصری تحریک بہائیت جسکی روی زادوں نے ایران میں منصوبہ سازی کی تھی، سے متاثر تھا، اب یہ دونوں تحریکیں اسرائیل میں پھیل پھول رہی ہیں۔

24۔ تحریک کی نوعیت اور پیش رفت اور اس کے بانی کے دعوے اس کی اصل خاصیت کو ہو یاد کرتے ہیں۔ قادیانی ایک علیحدہ کمیونٹی ہیں اور ان کے اپنے دعووں، عقیدے اور پریکیش کے مطابق وہ غیر مسلم حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے بانی اور اس کے جانشینوں کی مختلف تحریریں اس حقیقت کی شہادت دیتی ہیں۔ دینیاتی نظریاتی محااذ پر بہت سے نامور مذہبی دانشوروں نے قادیانیت پر مبنی اپنے عقائد پر اپنی تصانیف میں کثرت سے تحریر کیا ہے۔ قادیانیوں کے نمایاں عقائد کو مختصر آذیل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(i) صرف قادیانیت احمدیت ہی اصل اسلام ہے۔ مرزا غلام احمد کے بغیر اسلام کی حیثیت بے جان ہے۔

(ii) مرزا غلام احمد قادیانی ایک مجدد، مہدی، حسب وعدہ مسیحاء ظلی بنی اور رسول، کرشنا اور اتار، اور تمام مذاہب میں کیے گئے وعدہ ہے۔

(iii) مرزا سچا نبی اور رسول (غیر قانونی طرزِ عمل) ہے۔ نبی اور رسول آتے رہیں گے اور ابراہیم، نوح، موسیٰ وغیرہ انسانیت کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ خدا نے اپنی وحیوں میں اسے بغیر خاتم کے لاحقے کے نبی کہہ کر مخاطب کیا۔ وہ ہر اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے برتر ہے۔

iv) دنیا کے وہ مسلمان جو اس کے دعووں پر یقین نہیں رکھتے کہ کافر ہیں اور اسلام کے دائرے سے خارج ہیں۔

v) خدا نے ایک غیر احمدی امام کے پیچھے نماز، ایک احمدی لڑکی کی غیر احمدی سے شادی، اور حتیٰ کہ ایک غیر احمدی مسلمان پیچ کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع کیا ہے۔

vi) مرزا کی بیوی ام المؤمنین ہے، اس کے ساتھی صحابہ کرام ہیں، قادیان مدنیتہ <sup>المسيح</sup> اور خدا کے رسول اور پیچے نبی کی گدی

- ہے۔

vii) جہاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منوع قرار دیا گیا ہے۔

viii) حضرت عیسیٰ علیہ السلام قدرتی موت فوت ہوئے تھے اور انہیں سری نگر کشمیر میں دفنایا گیا تھا۔

ix) خلافت احمدیت کا مستقل ادارہ ہے۔ خدا خود خلیفہ کا تقرر اور رہنمائی کرتا ہے۔

x) وحی کا دروازہ کھلا ہے اور مرزا کی وحی تمام انسانوں پر لازم ہے۔

25۔ تقسیم کے بعد 1948 کے آخری تین ماہ میں احمدیوں کے خلیفہ مرزا محمد نے قادیان (بھارت) سے ہجرت کر کے ضلع جنگ (پنجاب) میں ربوبہ کے مقام پر 1034 ایکڑ میں لے کر ایک ذلی قادیان کا قیام عمل میں لایا۔ ربوبہ کم و بیش ایک آزاد احمدی سٹیٹ رہا ہے۔ ابتدائی دہائیوں میں ربوبہ انتظامیہ نے ایک متوازی حکومت قائم کئے رکھی۔ خود ساختہ ربوبہ انتظامیہ کی منظوری کے بغیر مقامی حکومت، عوامی اداروں یا یہاں تک کہ علاقے کا ڈپی کمشنز بھی تعینات نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ربوبہ انتظامیہ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص اس علاقے میں جانیداد کی خرید و فرخت یا امارت کی تغیری یا کاروبار نہیں کر سکتا تھا۔ کسی کو بھی احمدی اتحاری کو چیخ کرنے کی بہت نہ تھی۔ مخرفین کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا جن میں سو شل بائیکاٹ، بدسلوکی، حملہ اور ہتک عزت جیسے ہتھنڈے شامل تھے۔ حتیٰ کہ جسٹس منیر پورٹ بھی اس بات کو نوٹ کیا گیا کہ:-

”جب تقسیم کے ذریعے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ طعن کا قیام یقینی نظر آنے لگا تو احمدیوں میں آنے والے وقت میں درپیش خطرات کی فکر لاحق ہو گئی۔ انہوں نے اپنے آپ کو انتہائی مشکل میں پایا کیونکہ وہ نہ تو بھارت کا انتخاب کر سکتے تھے جو ایک ہندو سیکولر سٹیٹ تھی اور نہ ہی پاکستان کا کر سکتے تھے جہاں فرقہ بندی کی گنجائش نہ تھی۔ ان کی بعض ایک تحریریں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ تقسیم کے خلاف تھے اور تجویز کرتے تھے کہ اگر تقسیم کا ڈول ڈالا گیا تو وہ دوبارہ سے دونوں اطراف کو ملانے کی جدوجہد کریں گے۔“

26۔ بابائے قوم کی وفات پر مسلمانوں اور قادیانیوں کے بیچ پچاس برس پرانی بحث نے دوبارہ سے سراٹھایا جب پاکستانیوں کے علم میں آیا کہ ظفر اللہ نے اس بنابر کہ وہ (قادِ عظیم) غیر مسلم تھے، ان کے جنازے میں شرکت نہیں کی تھی۔ قادیانیوں نے 90 کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دیا تھا اور قائدِ عظم کو بھی استثناء نہیں دی تھی۔ اس سے پاکستان بھر میں بہت بڑا تنازعہ پیدا ہو گیا اور قادیانیوں نے اس کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ سامراجی طاقتوں نے پاکستان کی سالمیت کو دبانے کے ان کے مذموم عزائم کی بھرپور پشت پناہی کی۔ ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران قادیانیوں کا عقیدہ تھا (اور اب بھی یہی ہے) کہ وہ صرف برطانوی پناہ میں ہی خوشحالی اور اپنے عقائد کی ترویج کر سکتے ہیں اور اس سے ہٹ کرنے تو وہ مکہ میں کھل کر کام کر سکتے ہیں اور نہ ہی کابل میں۔ ظفر اللہ کی قیادت میں اور وزیر خارجہ کی حیثیت سے حکومت میں موثر پوزیشن ہونے کے ناطے انہوں نے اب پاکستان کو اپنی امیدوں کا گڑھ بنالیا تھا۔ اپنے سیاسی دوروں کے دوران مرزا نے اپنے ماننے والوں کو تاکید کی کہ وہ بلوچستان پر توجہ دیں اور اس کی مختصر سی آبادی کو تبدیلی مذہب کے لئے تیار کریں تاکہ وہ کسی ایک صوبے کو اپنا صوبہ کہہ سکیں۔ اس نے ان سے کہا کہ بھیڑوں کے جھنڈ کی طرح ایک یادو مکموں تک محدود مدت رہیں بلکہ تمام اہم شعبوں میں پھیل جائیں۔ اور جہاں تک فوج کا تعلق ہے تو اگر احمدیوں کی تعداد 10,000 ہے تو 9000 کو فوج میں ہونا چاہئے۔ فوجی تیاری بہت اہم چیز ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر آپ نے فوجیوں جیسی خاموشی اختیار کرنا نہ سکھی تو اپنا کام کیسے آگے بڑھا سکتے ہیں۔ بعد ازاں پاکستان میں تنزلی اور جمہوریت کی خرابی،

جمهوری عمل کی تباہی، اسلامی قوانین کی عملداری میں رکاوٹیں اور پہلے بیوروکریٰ اور بعد میں فوجی حکمرانی طبقے کا ظہور قادیانیوں کی گھری جڑوں والی سازشوں کے پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ وسیع تناظر میں تقسیم کے بعد قادیانیوں کی پاکستان کی جانب پالیسی درج ذیل نقاط پر مشتمل تھی:

(i) پاکستان میں اپنی بنیاد بانا۔ مرزا محمد کی نظریں کشمیر اور بلوچستان پر تھیں۔

(ii) آرمڈ فورسز میں رسائی۔

(iii) تقسیم کو ملیا میٹ کر کے دوبارہ سے قادیان کو واپسی۔ خاص طور پر افریقی و عربی مالک سر ظفر اللہ کی سپورٹ سے نئے تبلیغی دفاتر کا اجراء۔ (احمد یحییٰ از بشیر احمد ایم اے)

27۔ چار سال کے عرصے میں لیاقت علی خان کے علم میں قادیانیوں کی جانب سے کشمیر اور بلوچستان میں ایک احمدی ریاست کے قیام کی پیش گوئیاں اور دعوے علم میں آنے لگے۔ ایک متحده ہندوستان کے لئے ان کی پالیسی اور خواہشات کے تناظر میں انہوں نے ایک خصوصی انتیلی جنس سیل تخلیق کی جس کا کام حساس عہدوں پر تعینات قادیانیوں کی فہرست تیار کرنے اور ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کا تھا۔

28۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، قادیانیوں نے اپنی طاقت کے مرکز کو قادیان سے سرگودھا کے قریب ربوہ کے مقام پر منتقل کر لیا تھا۔ ویکین کی طرح بد لے ہوئے حالات میں ربوہ کو ایک خصوصی مقام حاصل ہو گیا تھا۔ یہ ریاست کے اندر ریاست والی بات تھی جس کے سامراجی اور صیہونی طاقتوں سے مضبوط روابط تھے۔ ساری منصوبہ بندی، کوروابط اور قادیانیوں کی سرگرمیاں ربوہ سے کنٹرول ہو رہی تھیں۔ کسی بھی حکومت کے انتظامی معاملات میں ان کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ان کی سیاسی سرگرمیوں کو سنجیدگی سے پر کھانہ بیسیں گیا۔ اپنے نظریے کا ایک اہم حصہ ہونے کے ناطے مخصوص اذہان کے اسلام مخالف کمزوریوں کا استھان کرتے ہوئے مسلمانوں کے طقوں میں گھس گئے۔ اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں جب پاکستان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا، قادیانی سامراجیوں اور نوآبادیاں کے نادیدہ ہاتھوں کی مدد سے بیوروکریٰ، مسلح فوج اور دیگر سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں اپنی موجودگی بڑھا رہے تھے۔ ان اداروں میں اہم عہدوں پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد انہوں نے اپنے ماتحتوں کو قادیانیت اختیار کروانے یا اس کی کوشش کرتے نظر آئے تھے۔ یہ قطعی طور پر خدا اور اس کے بندے کے درمیان کا معاملہ نہ تھا اور یقینی طور پر نہ قائدِ اعظم کے اصولی احاطہ کے مطابق تھا۔ یہ ایک سوچی سمجھی، اجتماعی ”شدھی“ سے مماثلت رکھنے والی چال، ایک جارح، استھانی اور نہیں انجذاب کا عمل تھا۔ سیکولر ازم یا کھلے دماغ والی جمہوری حکومتوں کے دکاء نے اس جارح عزائم کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ نتیجے کے طور پر، قادیانیوں کو جزا اور سزا کے طریقہ کار کو وسیع بنیادوں پر اختیار کرتے ہوئے عام لوگوں میں نظریاتی تعلیم پھیلانے کا موقع ملا۔ اپنے عزائم اور خواہشات کے مخالف افراد اور تنظیموں کے شکست دینے اور سزادینے کے حوالے سے انہیں بے پناہ سیاسی اثر و رسوخ حاصل تھا۔

29۔ مرزا محمد کی جانب سے تو خلائقی ریاست پاکستان میں ادا کئے جانے والے کردار سے پاکستان کے عوام میں بے چینی موجود رہی۔ انہیں معلوم ہوا کہ ریاست کی سالمیت کو زیر بار کرنے کے لئے وہ سامراجی عزائم پر عمل پیرا تھے۔ قادیانیوں نے کشمیر اور بلوچستان میں سازشیں کیں اور لیاقت علی خان کے قتل میں ان کے مبینہ کردار سے ان کے مستقبل کے عزم کی خبر ملتی تھی۔ لوگوں نے سر ظفر اللہ کو برطانوی سامراج کے ملازم ہونے اور خارجہ پالیسی پر ان کے نقطہ نظر کو اس کے ماضی کے تناظر میں پسند نہیں کیا تھا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ باونڈری کمیشن کے سامنے اس نے پاکستان کا مقدمہ اور اقوام متحده میں مسئلہ کشمیر کو صحیح انداز میں پیش نہیں کیا تھا۔

1948 کے وسط میں قادیانی مخالف تحریک نے جنم لیا اور 1953 تک اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ چند ماہ میں ہی، ہر کتبہ فکر کے علماء نے تحریک برپا کر دی تھی۔ تحریک کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ مرزا غلام احمد ایک برتاؤ نوی ایجنسٹ تھا جسے اسلامی وحدت کو پاش کرنے کے لئے تخلیق کیا گیا تھا۔ اس نے قادیانیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ تقسیم سے قبل، مرزا محمود نے اپنے پیروکاروں کو بتایا تھا کہ پاکستان کو وجود میں نہیں آنا چاہئے تھا اور اگر ایسی کوئی ریاست تشکیل پا بھی گئی تو اس کو ختم کرنا ہو گا۔ سر ظفر اللہ ریاست کا وفادار نہیں ہے اس نے اسے عہدے سے ہٹا دینا چاہئے۔ تمام احمدیوں کو اہم عہدوں سے ہٹا دینا چاہئے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ پنجاب میں 1951 کے انتخابات کے پس منظر میں، احمدیوں نے کراچی میں جلسہ عام کا اعلان کیا۔ جناب ظفر اللہ مرکزی مقرر تھے۔ وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے ظفر اللہ کو اس اجتماع میں شرکت کی منظوری نہیں دی۔ لیکن جناب ظفر اللہ نے راسخ تھے کہ انہوں نے وزیر اعظم کو کہا کہ وہ اس اجتماع میں شرکت کے لئے عہدے سے مستغفی ہونے کو تیار ہیں۔ سر ظفر اللہ کی ممتاز تقریر سے پنجاب اور کراچی میں مظاہرے شروع ہو گئے اور قادیانی مخالف تحریک شدت اختیار کر گئی۔ کراچی میں ایک مدتی کل جماعتی مسلم کافرنس کا انعقاد ہوا جہاں چار مطالبات رکھے گئے:

(i) احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(ii) سر ظفر اللہ کو وزیر خارجہ کے عہدے سے بطرف کیا جائے۔

(iii) اہم عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹایا جائے، اور

(iv) ان مقاصد کے حصول کے لئے کل جماعتی مسلم جماعتوں کا کنوش منعقد ہونا چاہئے۔

مسلمانوں کے مطالبات کی ضرورت اور ان کی دلیل کی وضاحت پیش کرنے کے لئے مولانا مودودی نے 'قادیانی مسئلہ' کے نام سے ایک پمپلٹ لکھا۔ انہوں نے احمدی تحریک کے مذہبی و سیاسی مقاصد کی وضاحت ایک عام فہم انداز میں کی۔ اس کو دلیل انگیز اور قوی بحث ہونے کی بنا پر سراہا گیا تھا۔ قادیانی جماعت کے لاہوری شاخ نے اس میں زیر بحث اہم مسائل کا بے ڈھنگا جواب دینے کی کوشش کی جس کا الاثاثر ہوا۔ مولانا مودودی نے یہ وضاحت کی کہ قادیانی مسئلہ اس نے نہیں اٹھا تھا کہ مسلمان کسی راسخ الاعتقادی یا جنوبیت کے دورے میں اچانک بتلا ہو لوگوں کے ایک گروہ کو دین بدڑ کرنا چاہئے تھے۔ اس کے برعکس اس کا آغاز مرزا غلام احمد کے مسیحی اور رسالت کے دعووں سے جوڑا گیا جس کے نتیجے میں اس پر ایمان نہ لانے والوں کو فرقہ ریاست کا تھا اور انھیں اس اسلام کے دائرے سے خارج کر دیا گیا تھا۔ مرزا غلام احمد اور اس کے ماننے والوں کی تحریروں کی بنا پر انہوں نے ثابت کیا کہ احمدیت ایک علیحدہ مذہب ہے اور احمدی کافروں کے راج کے خلاف مسلمانوں کی مراجحت پر اثر انداز ہونے کے مقدمہ سے چھوڑے گئے سامراجی چیلے اور جاسوس ہیں۔ اپنے یہ وجود میں آنے کے بعد سے اس کا بنیادی مقصد سامراجی مفادات کو فروغ دینا ہے۔ اب وہ پاکستان میں سامراجی طاقتون کو فروغ دینے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے 1935 میں انگریزوں سے بجا مطالبه کیا تھا کہ احمدیوں کو ایک علیحدہ فرقہ قرار دیا جائے۔ وہ مذہبی اور سماجی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی پر عمل درآمد کرنے کے باوجود سیاسی لحاظ سے اسلام کے دائرے میں رہنا چاہئے تھے تاکہ حکومتی عہدوں سے حاصل ہونے والے سیاسی فائدے حاصل کر سکیں۔ مولانا نے مزید کہا: 'سر ظفر اللہ خان کی برتاؤ نہ صرف اس ہی نظریے کی بنیاد پر ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کو وزارت کا قلمدان نہیں سن بھالنا چاہئے بلکہ اس کی بنیاد یہ حقیقت ہی ہے کہ سر ظفر اللہ خان نے قادیانی تحریک کو فروغ دینے اور مستحکم کرنے کے لئے ہمیشہ اپنے سرکاری عہدے کا ناجائز استعمال کیا تھا۔ ہندوستان کی تقسیم سے قبل اور

پاکستان کے قیام کے بعد وہ بطور وزیریاست قادیانیت کے مفادات کو فروغ دینے کے لئے اپنے منصب کا ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ الہدا ان کا سرکاری عہدہ مسلمانوں کے لئے شکایت کی ایک مستقل وجہ ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ریاستی کابینہ میں ظفراللہ خان عہدے پر نہ ہوتے تو امریکہ پاکستان کو گندم کا ایک دانا بھی نہ دیتا۔ میں کہتا ہو کہ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر تو معاملہ مزید غمگین ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ واضح عنديہ ملتا ہے کہ وزارت خارجہ امور کی صدارت ایک امریکی ایجنسٹ کر رہا ہے اور ہماری خارجہ پالیسی کو دس لاکھن گندم کے عوض فروخت کیا گیا ہے۔

30۔ مارچ 1953 کے آغاز میں عوامی تحریک تیزی سے پھیلی جس کے نتیجے میں لاہور میں سول حکومت تقریباً ناکام ہو گئی۔ تمام رہنماء علماء کو گرفتار کر کے سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا۔ اس فیصلہ کن مرحلے پر وزیر اعلیٰ پنجاب ممتاز دولت نے ایک بیان جاری کیا جس میں انھوں ان مرکزی مطالبات کو عملی طور پر منظور کیا کہ قادیانی گروہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور ظفراللہ خان جیسے قادیانی لیڈر کو عہدے سے ہٹایا جائے۔ اسی روز 6 مارچ 1953 کو پنجاب میں مارشل لاءِ لگایا گیا اور تحریک کو کچلنے کے لئے فوج کو بلا یا گیا۔ مارشل لاءِ مئی 1953 تک نافذ اعلیٰ عمل رہا۔ سکندر مرتضیٰ نے جی او سی جزل اعظم کو مارشل لاءِ لگانے کے احکامات جاری کئے۔ مارشل لاءِ انتظامیہ نے اپنی حدود سے واضح طور پر تجاوز کیا۔ پریس کی آواز کو دبایا گیا۔ سخت پیش احتسابی نافذ کی گئی اور کئی اخبارات کو کا العدم کر دیا گیا اور ان کے ایڈیٹر و میڈیا کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ یہاں بھی واضح نہیں کہ مارشل لاءِ لگانے کے احکامات کو کا العدم کر دیا گیا اور ان کے ایڈیٹر و میڈیا کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ یہاں بھی واضح نہیں کہ مارشل لاءِ لگانے کے احکامات کو کا العدم کر دیا گیا اور ان کے ایڈیٹر و میڈیا کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ قومی بحران کی صورت میں اس کی اہمیت کیا ہے اور اپنے آپ قومی سیاست اور معاملات میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے بتاب پایا۔

31۔ مارشل لاءِ کے نفاذ کے بعد فوجی عدالتیں قائم کی گئی تھیں اور شہر کو فوجی انتظامیہ کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ کئی رہنماؤں پشمول مولانا مودودی کو گرفتار کیا گیا تھا جنھیں مولانا عبدالستار خان نیازی کے ساتھ فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا اور سزاۓ موت سنائی گئی۔ یہاں پر بھی فوج کے حکام نے اپنے منشور سے تجاوز کیا جو حض قانون کی بالادستی کی بحالی کے لئے تھا۔ پوری قوم نے اس کی مذمت کی۔ وزیر اعظم نے بھی اس عمل پر بہمی کا اظہار کیا تھا۔ اسلامی دنیا کی طرف سے بھی ایک سخت رد عمل دیکھنے میں آیا تھا۔ گورنر جزل آف پاکستان کو ان سزاوں کو عمر قید میں تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا۔ تاہم بعد میں دونوں کو رہا کر دیا گیا تھا۔

32۔ آگے چل کر جزل ایوب کی جانب سے بغاوت کی گئی۔ 27 اکتوبر 1958 سے لے کر جون 1962 تک مارشل لاءِ قواعد و ضوابط کے تحت پاکستان میں فوج کی حکومت رہی جن کو کسی قانونی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سیاسی جماعتوں کو کا العدم قرار دیا گیا، رہنماؤں کو جیل میں ڈالا گیا، پریس کی آزادی پر سخت پابندیاں عائد کی گئیں اور عوامی رائے کو دبایا گیا۔ قادیانیوں کے لئے فوجی آمریت ایک نعمت ثابت ہوئی۔ اس کی بدولت انھیں تنظیم سازی اور بیرون ملک نے مشن قائم کرنے کا موقع ملا جیسے کہ وہ ماضی میں برطانوی سامراج کی پناہ میں کرتے رہے تھے۔ انھوں نے فوجی آمروں اور بیورو کریسی کے ساتھ تعاون کر کے تیزی سے ترقی کرتے ہوئے معاشی اداروں اور سرکاری مکملوں میں اہم عہدے حاصل کئے۔ انھوں نے پاکستان کے اندر اور بیرون ملک اپنی کاؤشوں میں سامراجی اور صیہونی حمایت کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ایوب امریکہ سے بہتر تعلقات کے گیت الاضمہ رہے۔ ان کی فوجی بغاوت کے ایک سال بعد انھوں نے امریکی فوج کے ساتھ امریکی فوجی اڈے فراہم کرنے سے متعلق ایک مشترکہ دفاعی معاهدے پر دستخط کئے اور سوویت یونین کی نگرانی کے لئے پاکستانی سرزاں میں استعمال کرنے کی اجازت دے دی

گئی۔ ایوب نے تمام اہم معاملات میں قادیانی براذری کا سہارا لیا۔ معاشی منصوبہ بندی اور بین الاقوامی شعبے کے اہم ترین حلقوں میں اہم عہدے سنبھالنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ خارج پالیسی میں امریکی راجحان کے پیش نظر امریکی معاشی امداد جو کہ 1952 میں 10 ملین ڈالر تھی، 1963 میں بڑھ کر 380 ملین ڈالر تک پہنچ گئی۔ پاکستان نے دوستانہ طرز عمل سے جواب دیا۔ مرزا غلام احمد کا پوتا مرزا مظفر احمد جو کہ ایک بدنام زمانہ بیور و کریٹ تھا سیکرٹری خزانہ بنا اور پھر پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن کا ڈپٹی چیئرمین تعینات ہوا۔ اسے صیہونیوں کی حمایت یافتہ فورڈ فاؤنڈیشن اور ہارورڈ ایڈ وائز ری گروہ جیسے معاشی گروہوں کی ملی بھگت سے پاکستانی معيشت میں علاقائی عدم توازن پیدا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔ ان تنظیموں نے منصوبہ بندی کمیشن اور صوبائی منصوبہ بندی کے شعبہ میں پاکستان کے پانچ سالہ منصوبوں کے لئے معاشی ماہرین کی ایک کھیپ بھیجی جن کی ناقص منصوبہ بندی کے نتیجے میں مشرق و مغرب کے درمیان تضاد نے جنم لیا جو ملک کے مشرقی بازو کی علیحدگی کا پیش خیمه بنی۔ (احمد یخیریک از بشیر احمد ایم اے) 33۔ مارشل لاء انتظامیہ چیف آف جزل ٹاف میجر جزل احیاء الدین کی شخصیت سے متاثر تھی جو ایک پکے قادیانی تھے۔ وہ تحریک کو کچلنے کے لئے طاقت کے آزادانہ استعمال کے حامی تھے۔ وہ مشتعل افراد کو ایک مناسب فوجی کارروائی کے ذریعے لا ہو رہیں مسجد وزیر خان سے ہٹانا چاہتے تھے جہاں انھیں بند کیا گیا تھا۔ اس منصوبے کو اس کے وسیع تر سیاسی اثرات کی بنیاد پر بعد میں مسترد کر دیا گیا تھا۔ میجر جزل احیاء الدین قومی معاملات پر تنگ نظری کا شکار تھے۔ ان کا بنیادی مقصد احمد یخیری کے عزائم کی بجا آوری تھا۔ ایوبی آمریت نے قادیانیوں کو تحفظ فراہم کیا اور اپنے مفادات کی پاکستان میں اور یورون ملک حفاظت کرنے میں ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے خلاف لوگوں میں تحفظات عروج کو پہنچ اور علماء نے پاکستانی سیاست میں ان کی بڑھتی مداخلت کے خلاف آواز اٹھائی۔ قادیانی اس قدر اثر و سوخ رکھتے تھے کہ انھوں نے عوامی عمل کو اور خود پر ہونے والی تنقید کو یہ کہ کرنے لازم میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ قادیانی مخالف پر لیں کو دبایا گیا اور کئی اخبارات کے ایڈیٹریوں اور پبلیشوروں کو گرفتار کیا گیا۔ لا ہو رکھتے سماں کے وزارے کے میلاوں کارروائی تھے۔ جابرانہ مارشل لاء احکامات اور دفاع پاکستان قوانین نے انھیں علماء کے وزارے کے خلاف مناسب تحفظ فراہم کیا۔ قادیانیت کی مخالفت کرنے والے کئی مذہبی رہنماؤں کو فرقہ وارانہ جذبات، کو فروع دینے کے لازم میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ قادیانی مخالف پر لیں کو دبایا گیا اور کئی اخبارات کے ایڈیٹریوں اور پبلیشوروں کو گرفتار کیا گیا۔ لا ہو رکھتے روزہ چٹان کو ہوم ڈپارٹمنٹ کی سخت تنبیہ اور اپنے دلیر ایڈیٹر آغا شورش کشمیری کی گرفتاری کے باوجود بے باک تقید اور قادیانی سازشوں کا پرده فاش کرنے کا سہرا جاتا ہے۔ انھوں نے بے باکی سے تمام مشکلات کا سامنا کیا اور ختم نبوت کے عظیم مقصد کے لئے دلیری سے جدو جہد کی۔ مذہبی تنظیموں اور سیاسی پارٹیوں نے قادیانی سازشوں کا پرده فاش کرنے کی خدمات سرانجام دیں اور اس سامراجی سیاسی ایجننسی کی اصلی شکل دکھائی۔ قادیانیوں نے گورنر مغربی پاکستان جزل موئی خان سے رابطہ کیا اور یکم اپریل 1966 کو سیکرٹری داخلہ مغربی پاکستان سے دفاع پاکستان قوانین کے تحت تمام ایڈیٹریوں، پرنٹریوں اور پبلیشوروں کو ایک سرکلر جاری کروانے میں کامیاب رہے جس کے مطابق ان سے کہا گیا کہ کسی فرقہ کی ابتدا، الہام، وحیوں اور عقائد پر تبصرہ پر منی کوئی تحریر شائع نہ کی جائے۔ بعد ازاں، قادیانی کمیونٹی کو مطمئن کرنے کے لئے ایک اور حکم نامہ جاری کیا گیا۔ 27 جولائی 1967 کو گورنر مغربی پاکستان نے چٹان، لا ہو رکھتے ایڈیٹر کو ایک حکم جاری کیا جس میں انھیں عوامی امن و امان کی برقراری سے متعلق متعصبانہ، اشتغال انگیز اور فرقہ وارانہ تحریروں میں ملوث ہونے پر انھیں شائع کرنے سے منع کیا گیا کہ کسی فرقہ کی ابتدا، الہام، وحیوں اور عقائد پر ایسے تبصرے شائع نہ کئے جائیں جس سے مختلف فرقوں کے درمیان عداوت، بد نیتی یا نفرت کے جذبات جنم لیں۔ اخبارات، نقطہ نظر، تبصرے یا کسی بھی اور صورت میں ایسی کسی بھی تحریر کے شائع ہونے پر سنسر لگادیا گیا تھا جو کسی فرقہ کی

ابتداء، الہام، وحیوں اور عقائدِ یا ان کے تقابلیِ خوبی یا حیثیت سے تعلق رکھتے ہوں۔ اخبار اس سے قبل قادیانی تحریک پر 8 صفحات شائع کر چکا تھا (جس میں مصنف کا لکھا ہوا آرٹیکل شامل تھا) جسے ضائع کرنا پڑا تھا۔ چنان نے ربوبہ کی ایما پر پیش آنے والی تمام مشکلات اور حکومتی دباؤ کے باوجود ختمِ نبوت کا جھنڈا اٹھائے رکھا۔ آخر کار 21 اپریل 1968 کو فتح روزہ چنان کا ٹھیکہ منسون کر دیا گیا اور اس کے پر لیں کو ضبط کر لیا گیا۔ یہ ایوب آمریت کے بدنام زمانہ **مکون** یعنی گورنمنٹ مغربی پاکستان جزل موی، وزیر اطلاعات احمد سعید کرمانی اور ایوب کے چھمیتے الطاف گوہر کے شیطانی گھٹ جوڑ کا نتیجہ تھا۔ انھوں نے پاکستان میں احمد یہ مخالف عناصر کو دبانے کے لئے ہر ممکنہ قدم اٹھایا۔ قادیانیوں نے یہی آمریت میں کئی سہولیات کا فائدہ اٹھایا۔ ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی ڈویژن ایم ایم احمد صدر بھی کامعاشری امور پر مشیر بنا اور ان کی اندر ورنی کا بینہ کے اہم رکن کے طور پر خدمات بھی سرانجام دینے لگا۔ سر ظفر اللہ اب بھی یہی کے حلقة اور ریاستی شعبہ کے افسران کے درمیان ایک اہم رابطہ بننے رہے۔ قادیانی بیورو کریٹ پاکستان کی ابھرتی ہوئی لیڈر شپ کی طرف دیکھنے لگے تاکہ ملک کے مستقبل کی سیاسی ترتیب و تنظیم میں اپنا کردار ادا کریں۔ ایم ایم احمد یہ پودی ہمایت یافتہ اسلام آباد میں قائم فورڈ فاؤنڈیشن کے مشیروں کے قریب تھا۔ یہ نہاد مشیران یہی حکومت کے ابتدائی سالوں میں ہی پاکستان چھوڑ گئے جب قومی پر لیں میں ان کی سرگرمیوں کو تقدیر کا نشانہ بنایا گیا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان علاقائی عدم توازن اور معاشری قضاد پیدا کرنے میں امریکہ کا کردار وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ (احمد یہ تحریک از بیشراحمد ایم اے)

34۔ آگے چل کر ذوالفقار علی بھٹو کے جمہوری دور میں قادیانیوں اور پی پی پی کے درمیانی تعلقات اپریل 1973 میں تبدیل ہوئے جب حکومت نے بغاوت کی کوشش میں ملوث تین قادیانی فوجی افسران کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ پی پی پی قیادت نے قادیانی گروہ کی وفاداری پر سوال اٹھایا اور ان کی حمایت ترک کرنے میں مصلحت جانی۔ حکومت نے پاکستان آرمی ایکٹ اور دفاع پاکستان قوانین کے تحت چند افراد کو مسلح افواج کے اہلکاروں کو اپنی ڈیوٹی سے یا حکومت کی اطاعت سے گراہ کرنے کے جرم میں گرفتار کیا۔ ان منصوبہ سازوں میں تین قادیانی تھے جن میں میجر فاروق آدم خان، سکواڑن لیڈر محمد غوث اور لیفٹینٹ جزل عبد علی ملک کا بھانجا جواس وقت کے آرمی چیف سے سینیارٹی میں تین درجے نیچے تھا، شامل تھے۔ اس منصوبے میں تین قادیانیوں کے ملوث ہونے سے ربوبہ کی اعلیٰ قیادت کی بد نیتی واضح ہو گئی جو اختیار کے خواہشمند تھے اور بغاوت کے ذریعے بھٹو کی حکومت کا تختہ اللہنا چاہتے تھے۔ انھوں نے بیورو کریسی اور دفتر خارجہ کے چند افسران کی طرف دست تعاون بھی دراز کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مستقبل کے آئین میں پاکستان کے چند پہلوؤں کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ بھٹو نے اپریل 1973 میں یہ اکشاف کیا کہ پاکستان کے توڑنے میں اسرائیل نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے شورش کشمیری نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کو ایک کھلا خلط لکھا جس میں انھوں نے قادیانی اور اسرائیل اتحاد سے متعلق مندرجہ ذیل نقاط کا ذکر کیا:

- 1۔ قادیانی پاکستان میں وہی کردار ادا کرتے رہے ہیں جو صیہونی حمایت یافتہ نے برطانیہ اور امریکہ میں کیا ہے۔
- 2۔ قادیانی، اسرائیل تعلقات کی نوعیت جاننے کے لئے ایک انکوائری کی جائے کہ کیسے اور کس طرح سے اسرائیل نے پاکستانی سیاست میں مداخلت کی ہے؟ اسرائیل کے ایجنت کون تھے اور کس سیاسی پارٹی کو ان شیطانی عزادم کی خاطر استعمال کیا گیا تھا؟

3۔ پاکستانی نسلی جنس کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہمیں اسرائیل میں قادیانی مشن کے آپریشن کی تفصیلات فراہم کرے جو عیسائی تبلیغی سینٹر کے بھیں میں ایک سیاسی ڈیپارٹمنٹ ہے۔ اس کا کیا مقصد ہے؟ قادیانی کس کو تبلیغ کرتے ہیں؟ اسرائیل

عیسائی مبلغین کو تبلیغ کی اجازت نہیں دیتا تو قادیانیوں کو اپنے عقائد کی آزادانہ تبلیغ کرنے کی اجازت کیوں ہے؟ کتنے یہودیوں نے احمدیت کو اپنالیا ہے؟ کیا یہ واضح نہیں ہے کہ قادیانی سامراجی طاقتوں کے ایجنس ہیں اور اسلامی دنیا کے اتحاد کے خلاف کام کرتے رہے ہیں؟

4۔ پاکستان پلپز پارٹی کے سیکولر ذہنیت کے حامل اراکین قادیانی مسئلہ سے مکمل طور پر آگاہ نہ ہیں۔ وہ نوکر شاہی میں بڑے عہدے حاصل کر رہے تھے پر پاکستان کے وفادار نہ تھے۔ وہ کسی بھی طریقے سے سیاسی طاقت کے حصول کے لئے خفیہ طور پر منصوبہ بندری میں مصروف ہیں۔

35۔ جولائی 1993 میں شورش کا نیمیری نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ نہ صرف ایک مذہبی بلکہ ایک سیاسی مسئلہ بھی ہے، ایک کتابچہ جمعی اسرائیل مرتب کیا۔ قادیانی ملک کی سالمیت کو خطرے میں ڈالنے کی سازش کر رہے تھے اور پنجاب توڑنے کی ایک اکالی سکھ۔ قادیانی سازش تیار کی جا رہی تھی۔ صفوں کے علماء کی تجویز پر شورش نے عرب ممالک کے سربراہوں کو درج ذیل مکتوب لکھا جو کہ قادیانی مسئلہ کی اساسی حیثیت اور مسلم دنیا کے لیے اسکے **ضرمات** پر روشنی ڈالتا ہے۔

‘میں ایک اہم مسئلے پر آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں جو کہ شاید اس سے پہلے آپ کی مناسب توجہ حاصل نہیں کر پایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ برائے مہربانی مسئلے کی حقیقی اہمیت یا اس کے گھمبیر پن کو سمجھنے کی خاطر درج ذیل سطور پر ذاتی توجہ وقف فرمائیں۔

1۔ قادیانی فرقہ انڈیا میں انگریز راج کے قیام کے چالیس سال بعد اس برصغیر میں برطانوی استعماریت کی ایک بنیادی ضرورت کے طور پر معرض وجود میں آیا۔ برطانوی حکومت اپنی مسلسل کوششوں کے باوجود مسلم آبادی کی اپنی قومی سالمیت میں اپنے عقیدے سے جڑی اساسیت اور جہاد کی فرآنی تعلیم سے وابستگی کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہ مرا غلام احمد تھا، جس نے مذہبی بنیادوں پر ہر اس شخص کو کافر قرار دے کر جو اس کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اس میں کی تکمیل کی۔ عین اسی وقت وہ تصور جہاد کے مکمل انکار کے ساتھ اس بنیاد پر آگے بڑھا کہ برطانوی راج کی کرم نواز یوں کی موجودگی میں جہاد کی اہمیت ختم ہو چکی تھی۔

2۔ ان دونوں شمال مغربی سرحدی صوبہ (NWFP) جہادی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور علاقے میں پنجاب اس کا اگلا ہمسایہ تھا جو علاقہ بعد میں برطانوی سلطنت کے لیے سب سے زیادہ وفادار اور جری سپاہیوں اور ناقابل شکست اور لاائق جاسوسوں کی بنیادی سپلائی لائی ثابت ہوا۔ ظاہر ہے پنجاب جیسی سرز میں ہی مرا غلام احمد جیسے نبی کی تخلیق کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہو سکتی تھی جو اپنے محسنوں کا سچا وفادار مددگار تھا جس نے اپنی پوری زندگی میں مسلمانوں کی قومی تکبیتی کو منتشر کرنے کے مقصد میں ان سے غداری نہیں کی۔

3۔ پاکستان کے قیام تک مختصر قادیانی فرقہ برطانوی حکمرانوں کے فیاضانہ اور سرپرستانہ رجحان کے باعث ایک طاقت ور سیاسی فرقہ کے طور پر ابھر کر سامنے آگیا اور جس کا واقعتاً مقصد یہی تھی کہ وہ اپنے مذہب مقصود کو حاصل کر سکیں۔

4۔ پاکستان بننے کے بعد قادیانیوں نے مسلم قوم کے اندر ایک طاقتور سیاسی فرقہ کے طور پر پاکستان میں سیاسی طاقت غصب کرنے کے لیے ایک پورے طے شدہ پروگرام کے تحت اپنا سفر شروع کیا اور یہ پاکستان کی غالب مسلم آبادی کے لیے ایک حقیقی خوفناک مسئلہ ہے۔

5۔ قادیانیوں نے اپنی سیاسی مہم، اور جسے وہ تبلیغی مہم کا نام دیتے ہیں، کی اسرائیل، تل ابیب میں بنیاد رکھی ہے اور پاکستان اور عرب دنیا دنوں میں سامراجی بلاک کے ایجنت کے طور پر کام کر رہے ہیں اپنے آقاوں کی مذموم سیاسی حکمت عملیوں کے فروغ کے لیے ان کی وطن دشمن سرگرمیوں کے باعث ان کی اتنی پزیرائی ہوئی ہے کہ انہوں نے دنیا کے اس خطے میں اپنے لیے ایک دوسرا اسرائیل بنانے پر غور شروع کر دیا ہے اس مقصد کی خاطر وہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ذمہ دار قتوں کی حمایت کرتے رہے ہیں اور اپنے منفی سیاسی روحانی کے تحت وہ بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں نام نہاد علیحدگی پسند تحریکوں کی سرپرستی بھی کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا واحد مقصد یہ ہے کہ پنجاب کو پاکستان کے دیگر صوبوں سے بالکل الگ کر دیں اس صورت میں مشرقی پنجاب کے سکھ یہ دیکھ کر کہ مسلم پنجاب کو اکیلا اور تنہا کر دیا گیا ہے، اس مطالبے کے ساتھ آگے آجائیں گے کہ انہیں اپنے مقدس گردواروں کی سر زمین پر واپس بھیج دیا جائے۔ جواباً قادیانی فوری طور پر اس مطالبے کو تسلیم کیے جانے کی حمایت کر دیں گے اور مدینہ النبی (قادیانی جہاں غلام احمد دفن ہے) کی بحالی کا مطالبہ کر دیں گے۔ آپ با آسانی سوچ سکتے ہیں کہ ایسا اسی وقت ممکن ہے جب سابقہ پنجاب کے دنوں حصے دوبارہ جڑ جائیں اور وہ بھی سکھوں اور قادیانیوں کے مشترکہ سیاسی کنٹرول کے تحت۔ برائے مہربانی یہ دیکھئے کہ وکٹوریہ بر انڈنبوٹ، کی یہ اُمہ، اس عظیم مسلم ملک کے قیام کے بیانی نظریے کو کس طرح تخریب کاری کا شکار بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ پاکستان کے تعلیم یافتہ اور باخبر حلقة حالات کی اس ناخوشنگوار صورت حال پر سخت بے قرار ہیں۔ قادیانی ایک طرف حکومت پاکستان سے غداری کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنے شا طرانہ پروپیگنڈے کے نظام کے تحت عالمی رائے کو مکمل اندھیرے میں رکھ رہے ہیں۔ قادیانیت ایک مذہب نہیں ہے بلکہ بہت انتقامی عزم اور ایک سیاسی جماعت ہیں اپنی جو خالصتاً چالاتی کے ساتھ مسلمان قوم کا حصہ بننے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس طرح سیاسی سہولیات اور مفادات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن مذہبی اور سماجی طور پر وہ یکسر مختلف ملک رکھتے ہیں وہ پاکستان کی 90 فیصد مسلم آبادی پر سیاسی حاکمیت حاصل کرنے کے لیے متذہلہ نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال (شاعر مشرق) نے پنڈت (جو اہر لال نہرو) کے نام مورخہ 21 جون 1936 کو لکھے گئے اپنے خط میں قادیانیوں کو اسلام اور انڈیا دنوں کا غدار بیان کیا تھا انہوں نے انڈین آبادی کے ان حصوں کی سخت مخالفت اور مذمت کی تھی جو قادیانیوں کے کیس میں فیاضی اور مذہبی رواداری کی خاطر اٹھے ان کے نزدیک کسی کی قوم کی سالمیت یا کسی کے مذہب کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع فیاضی یا اخلاقیات کے اصولوں کے خلاف نہیں تھا درج بالا فراہم کردہ تفصیل سے یہ بالکل واضح ہے کہ:

ا۔ قادیانی مسئلہ اپنی فطرت کے لحاظ سے فرقہ جاتی نہیں ہے بلکہ کاملاً ایک سیاسی مسئلہ ہے۔

ii۔ قادیانی اپنے سامراجی حمایتوں کی شہ پر پاکستان میں اپنی طرز کی حکومت بنانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن وہ اس ملک کے مسلمانوں کی ہر کوشش جوانہیں روکنے کے لیے کی جاتی ہے اسے مذہبی یا فرقہ واریت تنازع کا نام دے کر نفرت کرتے ہیں۔ قادیانیوں نے حکومت پاکستان کے شعبہ دفاع خزانہ اور ابلاغیات میں مختلف اہم عہدوں پر قبضہ جما لیا ہے اور اپنے سیاسی تسلط کے لیے راہ ہموار کرنے میں مصروف ہیں۔ عین اسی وقت بین الاقوامی سامراجی قوتیں جو عرصہ دراز سے سیاسی طاقت کا ڈرامہ لگا چکی ہیں، کوئی بھی ان کے گروہ سے تعلق رکھنے والے انجینئروں، ڈاکٹروں اور نرسوں کے روپ میں جاسوسی ریکیوں کے ذریعے خدمات فراہم کی جا رہی ہیں،

جن کی اس طرح کی سرگرمیوں کے لیے اپنے مخصوص انداز میں تربیت کی جاتی ہے۔

36۔ مخالفین کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے قادیانی غنڈوں نے نشر میدیا بلکہ کالج ملتان کے طلباء پر اس وقت حملہ کیا جب وہ ایک تفریجی سفر سے واپسی پر 29 مئی 1974 کو ربوہ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ قادیانیوں نے لاٹھیاں اور ہلکا اسلحہ تھاما ہوا تھا۔ پچاس طلباء بری طرح خیز ہوئے جبکہ 13 کی حالت انتہائی نازک تھی۔ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا اور اس وقت کا خلیفہ مرزا ناصر اس کے پیچھے ملوث تھا۔ قادیانی غنڈہ گردی کا ملک بھر سے عمل دیکھنے میں آیا۔ اگرچہ وزیر اعلیٰ پنجاب خنیف رامے نے قانون توڑنے والوں کو سخت تنقیبی کی مگر مظاہرین نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ لاہور ہائیکورٹ کے معزز حج جناب جسٹس کے اے صد افی ربوہ سانحے کی انکوارری کے لئے مقرر ہوئے۔ پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف کے رہنماؤں نے تحریک التواجع کروادی لیکن سپیکر نے معاملہ عدالت میں ہونے کی بنا پر اس کی اجازت نہ دی۔ وزیر اعظم بھٹو نے عوام سے اپیل کی کہ وہ خصوصی عدالت کے نتائج کا انتظار کریں لیکن تحریک میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ قومی اسمبلی میں اپوزیشن رہنماؤں نے ربوہ واقعے پر تحریک التواپیش کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اسمبلی کا زیادہ وقت اس تحریک کے تسلیم کئے جانے کی بحث پر گا۔ واقعے پر پہاڑونے والی تحریک کو جانچنے کے لئے بہت سے مذہبی، سیاسی اور طلباء رہنماؤں کو DPR کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور عوامی اجتماعات کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ حکومت نے سخت اقدامات کرتے ہوئے 1953 کا ڈرامہ دھراتے ہوئے معاہ ملے کو دبانے کی کوشش کی۔ لوگوں نے پر امن تحریک جاری رکھنے کے لئے بہادری سے تمام مشکلات سنبھیں۔ ہر کوئی جانتا تھا کہ قادیانی غنڈہ گردی کے پیچھے مرزا ناصر احمد کا ہاتھ تھا، تاہم حکومت اسے گرفتار کرنے سے ہچکا رہی تھی۔ اس نے لاہور ہائیکورٹ میں ضمانت قبل از گرفتاری کی ایک پیشہ ڈال دی۔ اسے ربوہ واقعے کی تحقیق کے لئے بلا لیا گیا۔ چیف جسٹس محمد اقبال نے ایڈ ووکیٹ جزل پنجاب کو نوٹس جاری کئے جس نے عدالت میں بیان دیا کہ حکومت کا مرزا ناصر کو اس موقع پر گرفتار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں اور تفتیش کے دوران گرا سے گرفتار کرنے کیلئے کوئی مقدمہ بنا تو گرفتار کرنے سے پہلے ہائیکورٹ کو آگاہ کیا جائے گا۔ چنانچہ پیشہ ڈشن کو نپٹا دیا گیا۔

37۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس عمل جو 18 سیاسی و مذہبی جماعتوں پر مشتمل تھی، نہ ختم نبوت کے بڑے مقصد کے لئے معروف اسلامی مفکر علامہ محمد یوسف بنوری کی قیادت میں بھرپور جدوجہد کی۔ مجلس کے مطالبات میں جوشقیں شامل تھیں ان میں ربوہ کو ایک کھلا شہر قرار دینے، احمدیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹانا، ان کی نیم فوجی تنظیموں پر پابندی، 29 مئی کے ربوہ ریلوے سٹیشن پر ہونے والے واقعے کے ذمہ دار ان بشمول مرزا ناصر احمد کی گرفتاریاں، اور پاکستان مخالف پر اپیلنڈہ کرنے پر چودھری ظفراللہ خاں کے خلاف مقدمہ کی سماعت اور اس کے پاسپورٹ کی ضبطی شامل تھے۔ مجلس نے تحریک کو مہیز کرنے کے لئے باہیکاٹ کی ایک ہم کا آغاز کیا۔ فارا یسٹرن اکنامک ریویو کے نمائندے نے اس باہیکاٹ مومنٹ کے بارے میں لکھا کہ:

نیک ٹرانسپورٹ پر میکرڈ آؤیزاں کر دیئے گئے تھے جن پر مطالبات درج تھے کہ احمدیوں کا باہیکاٹ کیا جائے۔ دکانوں پر ڈسپلے کیا گیا کہ احمدیوں کو سروں نہیں دی جائے گی۔ ملک بھر میں احمدیوں کے حالے سے اچھائی خنزروں سے دیواریں رنگ دی گئیں۔ کمپنیوں کی جانب سے اخبارات اشتہارات سے اٹے پڑے تھے جن میں بیان کیا گیا تھا کہ ان کے پورے آف ڈائریکٹر میں کوئی احمدی نہیں ہے۔ اپنے ارد گرد حمام کا جوئی رہمان دیکھ کر کیوٹی کے بعض اراکین نے ماں میں اپنے مٹاںد پر نہامت کا الہمار کیا اور اپنے سابقہ مذاہب کی طرف رجوع کر لیا۔

38۔ تحریک کے عروج پر، این ڈبلیوایف پی اسمبلی نے پہلی کی اور ایک قرارداد پاس کر کے 1974 میں قادیانیوں کو غیر مسلم

قرار دیا۔ اس فیصلے کو بڑے پیانے پر سراہا گیا۔ تاہم قادیانیوں نے اسے قائد اعظم کے اصولوں کے منافی قرار دیا اور کہا کہ اس سے ملکی سالمیت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ احمدیہ مخالف تحریک کے دباؤ میں آکروزیرا عظم بھٹو مسئلے سے جمہوری انداز میں نہیں کے لئے تیار ہو گئے۔ 30 جون 1974 کو پورا معاملہ و قراردادوں کی صورت میں قومی اسمبلی کے سامنے رکھنے کا اعلان کیا۔ ایک قرارداد حکومت کی طرف سے تھی جسے اس وقت کے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کیا۔ دوسری قرارداد اپوزیشن کی جانب سے تھی اور اسے اپوزیشن کے سیکرٹری پارلیمنٹ مولانا شاہ احمد نورانی نے پیش کیا۔ اپوزیشن کی قرارداد پر 37 اراکین نے دستخط کئے تھے۔ حکومتی قرارداد قادیانیوں کی آئینی پوزیشن کے تعین سے متعلق تھی جبکہ اپوزیشن کی قرارداد قادیانیوں کی پوزیشن سے متعلق تھی۔ اس میں کہا گیا:

”جہکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ (قادیانی سے تعلق رکھنے والے) مرذا قلام احمد قادیانی نے نبی پاک کے بعد نبی ہونے کا اعلان کیا اور جبکہ اس کا یہ نبی ہونے کا قاطلا اعلان اور اس کی قرآن پاک کی پیشتر آیات کو جلا نے کی کوشش اور جہاد کے تصور کا خاتمه اسلام کے نیادی تصور سے خلاف تھی۔ بہر حال اس کے نہب کے ماننے والوں کا کوئی بھی مسلمانوں والا نام ہو سکتا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کے ایک فرقے کا روپ دھار کر مسلمانوں میں شاہی ہو سکیں۔ لہذا وہ ظاہری اور باطنی طور پر تجزیہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ اور جیسا کہ عالمی مسلم علمیں نے 16 اور 10 اپریل 1974ء کو کہہ کر میں ہونے والے اجلاس، جس میں دنیا کی 140 مسلم ٹیکسٹوں نے حصہ لیا، مختلف طور پر فیصلہ کیا کہ قادیانیت جوائے آپ کو مسلمانوں کا ایک فرقہ کئے ہیں وہ اصل مسلمانوں اور دنیاۓ اسلام کے خلاف ایک تجزیہ تحریک ہے۔ لہذا ان وجوہات کی بناء پر اس اسمبلی کو جوائے کرو۔ مرذا قلام احمد کے ماننے والوں کو، جن کا جو بھی نام ہو، غیر مسلم قرار دیں اور (۱۷) میں ضروری تبدیلیاں لانے کے لئے (ایک حکومتی ملحت عارف کرایا جائے تاکہ ان کو غیر مسلم اقیت قرار دینے کے اس استقدار کو تخطی دیا جائے۔“

حکومتی اور حزب اختلاف کی قرارداد میں قومی اسمبلی کی پیش کی تفصیلی بحث کے لئے اور قومی اسمبلی کو ایک ہتمی رپورٹ دینے کے لئے حوالے کر دی گئیں۔ کمیٹی نے ایک سلیکٹ کمیٹی قائم کی جس میں اسمبلی میں مختلف گروہوں کے رہنماء شامل تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی (جے یو پی)، پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی)، مولانا مفتی محمود (جے یو آئی)، ظہور الہی (مسلم لیگ) اور مولا بخش سومرو (آزاد گروہ) نے پیش کمیٹی میں اپوزیشن کی نمائندگی کی جبکہ حکومت کی جانب سے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ اور وزیر اطلاعات و مذہبی امور مولانا کوثر نیازی کو حکومتی نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے نامزد کیا گیا۔ ہاؤس کمیٹی اور سلیکٹ کمیٹی نے اپنا کام پوری لگن سے شروع کر دیا۔ قادیانی گروہ کے صدر مرزا ناصر احمد اور لاہور گروہ کے امیر صدر الدین نے کمیٹی سے درخواست کی کہ انہیں بھی اپنے دفاع میں بات کرنے کا حق دیا جائے۔ کمیٹی نے یہ درخواست مان لی اور انہیں اپنا نقطہ نظر تفصیل سے پیش کرنے کا کہا۔ مرزا ناصر نے ایک تحریری جواب داخل کیا جو 200 صفحات پر مشتمل تھا اور اس پر اس وقت کے اثار نی جزو اف پاکستان نے جرح کی۔ صدر الدین نے کمیٹی کے شنبیہ رکن اور حکیم نور الدین کے صاحبزادے عبدالمنان عمر کو مقرر کیا تاکہ وہ لاہور ی گروہ کی نمائندگی کرے۔ اس نے اپنی جماعت کا نقطہ نظر 14 صفحات کی یادداشت کی صورت میں دیا اور اس پر دونوں تک جرح ہوئی۔ قومی اسمبلی کی پیش کمیٹی نے اس مسئلے پر 28 سیشن اور 196 اجلاس منعقد کئے۔ مرزا ناصر احمد پر گیارہ دنوں میں 42 گھنٹے تک جرح کی گئی جبکہ صدر الدین اور اس کی ٹیم (لاہوری گروہ) پر 7 گھنٹے تک جرح ہوئی۔ قرارداد کے محکمین نے ایک کتاب بعنوان ملت اسلامیہ کا موقف تقسیم کی جبکہ قادیانیوں (کے دونوں گروہوں) نے اپنا لٹریچر تقسیم کیا۔ قادیانی مسئلے پر مسلمانوں کا نقطہ نظر قومی

اسمبیل کے 37 اراکین نے پیش کیا۔ مولانا بنوری کی رہنمائی میں ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کے ایڈیٹر مولانا سمیح الحق اور کراچی سے مولانا تقی عثمانی نے پیپر مرتب کیا جسے اسمبیل میں مولانا مفتی محمود نے پڑھا۔ اس کے بعد ہاؤس کے جن اراکین نے تقاریر کیں ان میں وفاتی وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ شامل تھے جبکہ اٹارنی جزل تھی بختیار نے 15 اور 6 ستمبر 1974 کو درج ذیل تاریخی معروضات پیش کیں:-

"جہاں تک شہادت کا تعلق ہے، میری کوشش ہوگی، جو کچھ ریکارڈ پر شہادت موجود ہے۔ اسے مختصر طور پر پیش کروں۔ لیکن بحثیت اٹارنی جزل میں ایوان کا رکن نہیں ہوں، اس لیے نہ تو میں کوئی فیصلہ تھج کی طرح دے سکتا ہوں اور نہ اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میر افرض ہے کہ میں غیر جانب دارانہ طور پر اس ایوان کی معاونت کروں۔ ہم سب کو احساس ہو گا کہ میں یہاں پر صرف ایک فریق کی نمائندگی یادوسرے کی مخالفت نہیں کر رہا۔ آپ اس معاملے میں منصف کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے میر ایہ فرض منصبی ہے کہ میں معاملہ کے دونوں پہلو آپ کے سامنے پیش کروں، تاکہ نہ تو کوئی یہ محسوس کرے اور نہ کہہ سکے کہ یہ کیک طرفہ کارروائی تھی اور اٹارنی جزل نے اپنی حیثیت کا جائزیانا جائز استعمال کرتے ہوئے فیصلہ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ چنانچہ مجھے امید ہے کہ میری ان مجبوریوں کو منظر رکھ کر اگر میں دونوں فریقوں کے نقطہ نظر یادوسرے فریق کے نقطہ نظر کو بھی پیش کروں تو اسے صحیح انداز میں سمجھا جائے۔"

جناب والا! جہاں تک فیصلہ کا تعلق ہے وہ تو معزز اراکین نے ہی کرنا ہے اور مجھے پختہ یقین ہے یہ ایک بہت منصفانہ فیصلہ ہو گا، جو کہ ملک کے عوام کی خواہشات اور احساسات کے مطابق ہو گا۔ ہمیں اسلام اور ملک کے مفادات کو ذہن نشین رکھنا چاہیے اور مجھے ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ حب الوطنی اور اسلام کے ساتھ محبت کے احساسات ہر لمحہ موجود ہیں اور اس لیے مجھے اس بارے میں بھی قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ معزز اراکین بالکل درست فیصلہ کریں گے۔ مجھے اس موضوع پر وزیر اعظم [ذوالفقار علی بھٹو] کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ وزیر اعظم صاحب اس معاملے کے متعلق بہت فکر مند ہیں، کیونکہ اس کا فیصلہ بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ وزیر اعظم کی سوچ ایک عام مسلمان کی سوچ کی مانند ہے اور ان کے جذبات ایک عام مسلمان کے جذبات کی طرح ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ وزیر اعظم بھی ہیں۔ اس لیے نہ ان کی ذمہ داری ہے کہ کوئی شخص اپنے حقوق سے محروم نہ کیا جائے اور نہ کسی کو قانونی جواز کے بغیر اپنی زندگی، آزادی عزت اور شہرت سے محروم کیا جائے۔ جناب والا! میں امید کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اس ایوان کے جو رہنمای موجود ہیں انہوں نے کافی سوچ بچارکی ہے اور ان کی انہائی کوشش ہے کہ اس معاملے کا ایک نہایت ہی مناسب اور منصفانہ فیصلہ ہو۔ جناب والا! آپ کو یاد ہو گا کہ جرح کے دوران میں نے امیر جماعت احمدیہ ربودہ پر واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ ایوان نہ تو کسی کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور نہ کسی کی دل آزاری کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایوان ایک منصفانہ فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ ان باتوں کو منظر رکھتے ہوئے اپنی گزارشات عرض کروں گا اور تمام حقائق اور واقعات کو اختصار کے ساتھ پیش کروں گا۔"

جناب والا! ایوان کے سامنے ایک قرارداد اور ایک تحریک ہے۔ تحریک جو کہ معزز وزیر قانون [عبدالحفیظ پیرزادہ] نے پیش کی تھی جو کہ حسب ذیل ہے۔ "روز آف بنس کے قاعدہ نمبر ۲۰۵ کے تحت میں مندرجہ ذیل تحریک پیش کرنے کا نوٹس دیتا ہوں:

یہ کہ یہ ایوان ایک ایسی خصوصی کمیٹی کی تشکیل کرے، جو کہ پورے ایوان پر مشتمل ہو، اس کمیٹی میں وہ تمام اشخاص

شامل ہوں، جو ایوان سے خطاب کرنے کا حق رکھتے ہوں۔ نیز ایوان کی کارروائی میں حصہ لینے کا استحقاق رکھتے ہوں۔ پسیکر صاحب اس خصوصی کمیٹی کے چیئرمین ہوں اور یہ کمیٹی مندرجہ ذیل امور سر انجام دے:

۱۔ دین اسلام کے اندر ایسے شخص کی حیثیت یا حقیقت پر بحث کرنا، جو حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ﷺ ہونے پر ایمان نہ رکھتا ہو۔

۲۔ کمیٹی کی جانب سے معین کردہ معیاد کے اندر ارکین سے تجویز، مشورے، قرارداد وصول کرنا اور ان پر غور کرنا۔

۳۔ مندرجہ بالامتنازع امور کے بارے میں شہادت لینے کے بعد اور ضروری دستاویزات پر غور کرنے کے بعد سفارشات پیش کرنا۔

کمیٹی کی کارروائی کے لیے ”کورم“ [حاضری کا نصاب] چالیس اشخاص کا ہوگا، جن میں سے دس کا تعلق ان پارٹیوں سے ہوگا جو کہ قومی اسمبلی کے اندر حزب اختلاف سے تعلق رکھتے ہوں۔

جناب والا! ایک دوسری قرارداد ہے، جو کہ اس ایوان کے سینیس (۳۷) معززارکین نے پیش کی تھی)

جناب والا! اس قرارداد کا متن یہ ہے:

هم مندرجہ ذیل قرارداد پیش کرنے کی اتماس کرتے ہیں۔۔۔۔۔

ہرگاہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادریانی نے خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔

اور ہرگاہ مرزاً غلام احمد کا جھوٹا دعویٰ نبوت کئی ایک قرآنی آیات کی غلط تاویل کرنے کی کوشش اور جہاد کو منسوخ کرنے کی کوشش، یہ سب با تین اسلام کے بنیادی اصولوں کے ساتھ دغا اور فریب ہیں۔

”اور ہرگاہ وہ (مرزا غلام احمد قادریانی) سراسر سماراج کا پیدا کردہ تھا، جس کا واحد مقصود اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور اسلام کو بدنام کرنا تھا۔“

اور ہرگاہ تمام ملت اسلامیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار، خواہ وہ اسے نبی مانتے ہوں یا اسے کسی شکل میں بھی مذہبی رہنمایا مصلح تصور کرتے ہوں تمام کے تمام اسلام کے دائرے سے خارج ہیں۔

اور ہرگاہ اس کے پیروکار خواہ وہ کسی بھی نام سے جانے جاتے ہوں، سب کے سب اپنے آپ کو اسلام کا ایک فرقہ ظاہر کرتے ہوئے ملک کے اندر اور ملک سے باہر تحریک کاری میں ملوث ہیں۔

اور ہرگاہ ۱۶ اپریل ۱۹۷۲ء کو مکہ مکرمہ میں ورلڈ مسلم آر گنائزیشن کی کانفرنس جو کہ رابطہ عالم اسلامی کے تحت منعقد ہوئی اور جس میں تمام دنیا کی ۲۰۰ تنظیموں نے حصہ لیا، نے متفقہ طور پر اعلان کیا کہ قادریانیت، اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تحریک ہے جو کہ محض جھوٹ اور فریب سے اپنے کو اسلام کا ایک فرقہ ظاہر کرتی ہے۔

چنانچہ یہ اسمبلی یہ اعلان کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار، خواہ وہ کسی نام سے بھی پکارے جاتے ہوں، مسلمان نہیں ہیں اور یہ کہ اسمبلی میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جائے تاکہ اس اعلان کو قانونی طور پر نافذ کرنے کے لیے آئین میں ضروری ترمیم کی جاسکیں اور ان کے جائز قانونی حقوق کو بطور غیر مسلم اقلیت کے تحفظ دیا جاسکے۔“

جناب والا! یہ دو تحریک ہیں۔ ایک قرارداد ہے اور ایک تحریک، ان کے علاوہ کچھ اور قراردادیں بھی ہیں جو کہ اس ایوان کے زیر یور ہیں، لیکن ان کا زیادہ تر تعلق آئینی ترا میم کی تجویز کے بارے میں ہے۔ دو وجہ کے باعث میں ان کے متعلق کچھ گزارشات پیش کروں گا: پہلے یہ کہ صرف یہی دو دستاویزات اخباروں میں شائع ہوئی تھیں اور ان دستاویزات کی بنیاد پر متعلقہ جماعت (احمدیہ) نے اپنے اپنے جوابات، نقطہ نظر اور یادداشت پیش کی تھیں۔ ان کے بیانات بھی انھی دستاویزات کی بنیاد پر لیے گئے تھے۔ اس لیے دوسری قراردادوں کے بارے میں کچھ کہنا قرین انصاف نہ ہوگا۔ کمیٹی کو ان کے بارے میں کارروائی کرنے کا پورا اختیار ہے۔ جسے کارروائی کے کسی مرحلے پر استعمال کرنے کی مجاز ہے۔ تاہم، میں اپنی گزارشات کو ان دو دستاویزات تک محدود رکھوں گا اور مختصر تبصرہ کروں گا۔ پیش ترازیں اس ضابطے پر بات کروں، جو کہ دستاویزات پر غور کرنے کے لیے اختیار گیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اگر میں بے باکی سے اپنی گزارشات پیش کروں، تو اس کا غلط مطلب نہیں لیا جائے گا۔ آغاز میں پہلے وہ تحریک جو کہ عزت مآب وزیر قانون نے پیش کی تھی۔ جناب والا! تحریک کے الفاظ یہ ہیں:-

”دین اسلام کے اندر ایسے شخص کی حیثیت یا حقیقت پر بحث کرنا، جو حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے پر ایمان نہ رکھتا ہو۔“

آئیے! پہلے اس جملے یا ترکیب کو لیں: ”اسلام کے اندر حیثیت اور حقیقت پر بحث کرنا۔“ اگر ایوان کی یہ رائے ہو کہ جو لوگ حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے وہ مسلمان نہیں ہیں، تو پھر ایسے لوگوں کا اسلام میں کوئی مقام نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا اسلام سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ تحریک بذات خود اپنے اندر تضاد رکھتی ہے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ ”اسلام میں یا اسلام کے حوالے سے بحث کرنا“ تو پھر بات سمجھ میں آسکتی تھی۔ لیکن یہ کہنا کہ اسلام میں حیثیت یا مقام اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک تضاد ہے جو زیادہ اہم نہ بھی ہو، لیکن یہ تضاد ایوان کے نوٹس میں لانا میرا فرض تھا۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام میں ان کی حیثیت کیا ہے۔ ہاں! یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے حوالے سے ان کی حیثیت کیا ہے؟ جناب والا! جو قرارداد سینتیس (۳۷) ارکین نے پیش کی ہے، میں نہایت ادب سے گزارش کروں گا کہ اس میں بھی کچھ تضاد ہے۔ میں زیادہ تفصیل میں تو نہیں جاؤں گا تاہم معزز ارکین اس بات کو نوٹ کریں کہ ایک جگہ کہا گیا ہے کہ: ”ہرگاہ مرزا غلام احمد سامراج کا پیدا کردہ تھا، جس کا واحد مقصد اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور اسلام کو بدنام کرنا تھا۔“ پھر آگے چل کر کہا گیا: ”ہرگاہ ملت اسلامیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ اسے نبی مانتے ہوں یا کسی بھی شکل میں مذہبی رہنمایا مصلح تصور کرتے ہوں۔ تمام کے تمام اسلام کے دائے سے خارج ہیں۔“ پھر آگے چل کر: ”(مرزا غلام احمد کے) پیروکار خواہ وہ کسی بھی نام سے پکارے جاتے ہوں، سب کے سب اپنے آپ کو اسلام کا ایک فرقہ ظاہر کرتے ہوئے ملک کے اندر اور ملک کے باہر تحریک کاری میں ملوث ہو رہے ہیں۔“ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے بعد مطالیہ ہے کہ: انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دو، یعنی غیر مسلم مذہبی اقلیت اور آئین میں ترمیم کرو اور ان کے جائز قانونی حقوق کا تحفظ کرو، کیا آپ تحریک کاری کو دوام دینا چاہتے ہیں؟ کیا آپ ان چیزوں کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں، جن کا ذکر دیا چے میں کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا تضاد ہے جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا تھا۔ ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ انھیں ایک اقلیت قرار دو۔ ایک الگ اکالی بناؤ اور یہ قرارداد کا ایک بہت ہی عمدہ جزو ہے،

میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے جائز حقوق کا قانونی تحفظ کیا جائے تو اس کی تعریف کرتا ہوں۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ (جماعت احمدیہ) ایک تحریک ہے، وہ ملک کے اندر اور ملک کے باہر تحریب کاری میں ملوث ہے۔ وہ تحریب کاری کیا ہے، ان کے اپنے مذہب (یا عقیدے) کا پرچار۔ ان کے (اپنے عقیدے کے مطابق) مذہب پر عمل درآمد، آپ ان کے حقوق کا تحفظ بھی چاہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کی مذمت بھی کرتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں یک جا نہیں ہو سکتیں۔ یہ تو بالکل صاف بات ہے۔ میں کوئی تنقید نہیں کر رہا، مجھے تنقید کا کوئی حق نہیں۔ لیکن میرا فرض ہے کہ میں معزز ارکان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراؤں کہ اگر آپ شہری آبادی کے کسی حصے کو ایک الگ مذہبی جماعت قرار دیتے ہیں تو پھر نہ صرف ملک کا آئینہ بلکہ آپ کا مذہب تقاضا کرتا ہے کہ آپ ان کے حقوق کی حفاظت کریں۔ ان کے اپنے مذہب کے پرچار اور عمل کا حق دیں۔ اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کہنا چاہتا۔ کیونکہ مجھے پورا احساس ہے کہ میرے پاس وقت بہت محدود ہے۔ چنانچہ ان دوستاویزات کی روشنی میں (تحریک اور قرارداد) اس معزز ایوان نے کچھ تنازع امور کا فیصلہ کرنا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

- ۱۔ کیا مرزا غلام احمد آف قادیان نے نبوت کا دعویٰ کیا؟
- ۲۔ اس دعوے کے اسلام میں یا اسلام کے حوالے سے کیا مضمرات ہیں؟ [یہاں] میں نے اسلام میں اور اسلام کے حوالے سے دونوں کا ذکر کیا ہے۔
- ۳۔ ختم نبوت کا مطلب یا تصور کیا ہے؟ جب ہم خاتم النبین کہتے ہیں تو ہمارا کیا مطلب ہوتا ہے؟
- ۴۔ کیا ملت اسلامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد کے پیروکار جو اسے نبی یا مسیح موعود مانتے ہیں، یادوں حیثیتوں سے مانتے ہیں، دائرة اسلام سے خارج ہیں؟
- ۵۔ کیا مرزا غلام احمد اور اس کے پیروکار، ایسے مسلمانوں کو جو مرزا غلام احمد کو نبی یا مسیح موعود نہیں مانتے، کافر اور دائرة اسلام سے خارج تصور کرتے ہیں؟
- ۶۔ مرزا غلام احمد نے ایک علیحدہ مذہبی جماعت کی بنیاد رکھی، جو کہ دائرة اسلام سے باہر ہے؟ یا کہ اس نے اسلام کے اندر ہی نئے فرقے کا آغاز کیا؟
- ۷۔ اگر مرزا نے الگ مذہبی جماعت کی بنیاد رکھی، تو ایسی جماعت کا اسلام کے حوالے سے کیا مقام یا حیثیت ہوگی اور آئین کے مطابق اس جماعت کے حقوق کیا ہوں گے؟

اب میں مختصر طوران واقعات کا ذکر کروں گا، جو قرارداد اور تحریک کے پیش ہونے سے رونما ہوئے۔ یہ قرارداد اور تحریک [۳۰ جون ۱۹۷۲ء کو پیش کیے گئے تھے۔ ان کے شائع ہونے کے بعد مرزا غلام احمد کے ماننے والے دو گروہوں کی طرف سے یادداشتیں داخل کی گئی تھیں۔ اس کے بعد دونوں گروہوں کے نمائندوں کو بلا یا گیا تھا کہ وہ حلف لینے کے بعد اپنے بیانات اور یادداشتتوں کو پڑھ کر سنائیں۔ مجھے یاد ہے کہ انھوں نے اپنی طرف سے زبانی بیان دینے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، تاکہ وہ اپنا نقطہ نظر زیادہ وضاحت سے بیان کر سکیں۔ جو دوستاویزات انھوں نے داخل کیں۔ ان میں (مجلس کارپرداز) ’قرارداد‘ میں عائد کردہ تمام الزامات سے انکار کیا گیا۔ ایوان کی کمیٹی نے ایک بنانے کا فیصلہ کیا، تاکہ وہ سوالات کو وصول کرے اور ان کا تجزیہ کرے۔ اس مقصد کے لیے کمیٹی نے مجھے ہدایت کی کہ ۲۵ جولائی ۱۹۷۲ء سے اسلام

آباد میں موجود ہوں۔ اسی ہدایت کے مطابق میں ۲۱ جولائی کو اسلام آباد آگیا تھا۔ سٹرینگ کمپنی نے سوالات کی جانچ پڑتاں ایک ہفتے میں کر لی تھی، حالانکہ سوالات سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ مرزا ناصر احمد کا مزید بیان ۲۰ اگست تا ۲۲ اگست ہوا یعنی کل گیارہ روز تک بیان ہوتا رہا۔ اس کے بعد احمدیہ جماعت کے دوسرے گروہ کا بیان ہوا، جس کے سربراہ مولانا صدر الدین تھے۔ چونکہ مولانا صدر الدین کافی بوڑھے ہیں اور اچھی طرح بات سننے کی قوت نہیں رکھتے، اس لیے اس کا بیان میاں عبدالمنان عمر کے ویلے سے ہوا، اور یہ بیان دون میں ہوا۔ یہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ ایوان کسی بھی گروہ کے ساتھ کسی قسم کا امتیاز برداشت رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بہت سے حقوق، دستاویزات اور مرزا غلام احمد کی تحریریں پہلے گروہ کے بیانات میں ریکارڈ پر آچکے تھے اور جہاں تک دوسرے گروہ کا تعلق ہے، مزید تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہ تھی۔

جہاں تک پہلے ممتاز عہد مسئلہ، کہ آیا مرزا نے نبوت کا دعویٰ کیا یا نہیں، کا تعلق ہے، یہ بہتر ہو گا کہ ہم مرزا غلام احمد، اس کی کتابوں اور احمدیہ تحریک پر مختصر طور پر تبصرہ کر لیں۔ ابتداء میں ممتاز عہد مسئلہ پر گفتگو کروں گا۔ مرزا ناصر نے مرزا غلام احمد کی زندگی میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا مختصر طور پر ذکر کچھ یوں کیا ہے:

”وہ 13 فروری 1835ء کو قادریان میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام غلام مرتضیٰ تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم گھر بر مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ اس کے اساتذہ میں فضل الہی، فضل احمد اور گل محمد شامل ہیں، جنہوں نے اسے عربی، فارسی اور دین کی بنیادی تعلیم دی۔ اس کے والد نے اسے (علم طب) سکھایا۔ وہ شروع ہی سے دین اسلام کی فلاح کو لے کر خاصہ حساس تھا اور دنیاوی امور میں شمولیت اختیار نہ کی۔ اس کے اشعار میں سے ایک یوں ہے:

دُگر استاد را نامے ندانم  
که خواندم در دلستان محمد

ترجمہ: کہ میں تو کسی دوسرے استاد کا نام تک نہیں چاہتا کہ میں نے تو ساری تعلیم نبی محمدؐ کے در دوست سے حاصل کی ہے۔ 1876 کے آس پاس ان کے آریاؤں اور عیسائیوں سے اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے مذہبی بحث و مباحثے ہوئے تھے اور انہوں نے 1884ء میں اپنی مشہور کتاب براہین احمدیہ شائع کی جو قرآن و حضرت محمدؐ اور اسلام کی حمایت میں ایک مثالی اشاعت سمجھی جاتی ہے۔ انہوں نے، جیسا کہ خدا نے ان کو حکم دیا تھا، 1889ء میں اپنی بیعت کا عہد لینا شروع کر دیا اور 1891ء میں خدا کی طرف سے الہام حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو مسح موعود قرار دے دیا۔ ان کی ساری زندگی اسلام کی خدمت میں گزری اور انہوں نے عربی، فارسی، اردو میں 80 کتابیں لکھیں اور ان ساری زبانوں میں شاعری بھی کی۔ ان کے اور ان کی جماعت کے سامنے واحد اور اکلوتا مقصداً اسلام کی تبلیغ تھا اور جو کہ ابھی تک وہی ہے۔ وہ 26 مئی 1908 کو فوت ہو گئے اور اس وقت کے اخبارات اور رسالوں نے ان کی اسلام کے لیے کی گئی خدمات پر ان کو خراج تحسین پیش کیا۔ ان کے ورثاء میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور اب ان کے افراد خانہ تقریباً 200 ہیں۔“

جناب اب جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کی کچھ تفصیل شامل کرنا چاہتا ہوں اور یہ میں نے ان دستاویزات سے اخذ کی ہے جو مجھے مہیا کئے گئے۔

مرزا غلام احمد کا پنجاب کے نمایاں اور محترم مغل خاندان سے تعلق تھا جو مغل شہنشاہ بابر کے زمانے میں قندهار سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ مرزا غلام احمد کے پہلے جد جنہوں نے انڈیا کی طرف ہجرت کی مرزا ہادی بیگ تھے لیکوں گرفن، اپنی

کتاب بعنوان The Punjab Chief میں ذکر کرتے ہیں۔

مرزا حادی بیگ قادیانی کے آس پاس 70 دیہاتوں پر محضی طور پر مقرر کیے گئے۔ قادیانی کو مرزا حادی بیگ نے تعمیر کیا جنہوں نے اس کا نام اسلام پور قاضی رکھا جو بتدریج قادیان میں بدل گیا یہ خاندان کی نسلوں تک حکومتی منصب پر فائز ہوتا رہا۔ جب سکھوں کو اقتدار، ملاس خاندان کو غربت میں دھکیل دیا گیا۔

اس کے بعد میں 1953 اور 1954 میں پیش کی گئی جسٹس منیر احمد انکوارری کمیٹی کی روپرٹ کا ایک حصہ پڑھوں گا۔ یہ روپرٹ مرزا غلام احمد کے بارے میں حسب ذیل تبصرہ کرتی ہے:-

”مرزا غلام مرتضی کا پوتا سکھ فوج میں جزل تھا اس نے فارسی اور عربی میں گھر پر تعلیم حاصل کی لیکن کوئی مغربی تعلیم حاصل نہیں کی۔ 1864 میں اس نے ضلعی عدالت سیالکوٹ میں ایک معمولی سی نوکری حاصل کی اور چار سال ملازم رہا اپنے والد کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو مذہبی لٹریچر کے لیے وقف کر دیا۔ اور 1980 اور 1984 کے دوران عالمی طور پر مشہور چار جلدوں میں ”براصین احمدیہ“ شائع کی۔ اس کے بعد انہوں نے بہت سی دوسری کتابیں لکھیں۔ یہ دوران مذہبی بحث مباحثہ اور دلائل کا دور تھا اسلام پر صرف عیسائیوں کے حملہ نہیں ہو رہے تھے بلکہ آریاسماج بھی حملہ آ رہتی۔ آریاسماج ایک ہندو تحریک تھی اور ان دونوں مقبولیت حاصل کر رہی تھی۔“

میں نہیں سمجھتا کہ جسٹس منیر درست ہیں جب وہ مرزا غلام احمد کو مرزا غلام مرتضی کا پوتا کہتے ہیں۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرزا ناصر بیگ نے کہا ہے کہ مرزا غلام مرتضی ان کے والد تھے (دادا نہیں) اس ایوان کے سامنے مرزا ناصر کے بیان کے مطابق انگریز 1960 سے 1980 کے دوران اپنے ساتھ مشیروں کی ایک فوج لائے تھے جن کی تعداد 70 کے لگ بھگ تھی وہ مذہبی بحث مباحثہ اور دلائل کو ہوادینے کے ذمہ دار تھے۔ انہی مشیروں نے یہ اعلان کیا تھا کہ انہوں نے ہند کے تمام مسلمانوں کو عیسائیت میں تبدیل کر دیا ہے مرزا ناصر نے حسب ذیل الفاظ میں اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے گئے ان حملوں پر تبصرہ کیا ہے:-

”انہوں نے حکومت کی ہدایت پر ایسا کرنا شروع کیا اور وہ یہ کام کر رہے تھے، مرزا ناصر کے مطابق صرف چند علماء اور اسلام سے محبت کرنے والے راہنماؤں کے بڑھتے تاکہ اسلام پر عیسائیوں کے حملوں کو روکا جاسکے ان میں نواب صادق حسین خان، مولوی آل حسن خان، مولوی رحمت اللہ مہاجر دہلوی، احمد رضا صاحب اور مرزا غلام احمد شامل تھے۔ مرزا ناصر کہتے ہیں میں ان سب کو نہیں جانتا لیکن میں ان سب لشمول مرزا غلام احمد کو مانتا ہوں۔ اللہ نے دوران دیشی اور اسلام کی محبت عطا کی تھی۔“

اور یہی وجہ تھی جو وہ اس میدان میں کوڈ پڑے تاکہ اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عیسائیوں کے حملوں کا خاتمه کیا جاسکے۔ مرزا کے بحث و مباحثہ اور دلائل مسلمانوں میں بہت مقبول تھے۔ وہ مسلمانوں کے ہیرو بن چکے تھے اور ایسا لگتا ہے کہ ان کی مقبولیت کی اولین وجہ ان کا وہ کردار تھا جو انہوں نے اسلام کے خلاف حملوں کو تحلیل کرنے میں ادا کیا۔ اگرچہ شہادت سے اس عمل کی نشاندہی ہوتی ہے کہ بہت سے طریقے جنہیں ان حملوں کو روکنے کے لیے اختیار کیا گیا نہ صرف نامناسب تھے بلکہ قابل اعتراض تھے۔ مثال کے طور پر جس طرح یسوع مسیح کو گستاخی کا نشانہ بنایا تھا، وہ نہ صرف آج کے مسلمانوں کے لیے قابل اعتراض ہے بلکہ اس وقت کے مسلمانوں نے بھی اس پر تقید کی۔ ان دونوں مرزا غلام احمد

کو بھی مسلسل اپنی پوزیشن واضح کرنا پڑی تھی۔ میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا غالباً اس مقبولیت کے باعث انہوں نے جب وہ 54 سال کے تھے، تو 1889ء میں اپنے پیروکاروں سے حلف لیا تھا۔ یہ واضح ہے کہ مرزا نے پہلے سے ہی براہین احمدیہ میں یہ اعلان کر رکھا تھا کہ ان کے خدا سے رابطے ہیں اور وہ ابہام حاصل کرتے ہیں۔ ہر شخص یہ بات جانتا تھا۔ ان کے بیٹے کے مطابق جو جماعت احمدیہ قادیان اور ربود کے دوسرا خلیفہ تھے، کے مطابق انہوں نے دسمبر 1889ء میں تحریک کی بنیاد رکھی۔ دراصل اس تحریک کی بنیاد مارچ 1885ء میں رکھی گئی۔ شروع میں یہ واضح نہیں کہ انہوں نے نبی ہونے یا مسح موعود ہونے کا دعاویٰ کیا تھا تاہم اس کا ذکر موجود ہے کہ انہوں نے اپنے پیروکاروں سے حلف لینا شروع کر دیا تھا۔ اس بات میں کوئی ابہام نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے پیروکاروں کی توجہ حاصل کر لی تھی۔ انہیں عربی فارسی اور اردو پر قدرت حاصل تھی اور برائے مہربانی اس بات کوڈھن میں رکھیں کہ 1889ء کے بارے میں ابہام موجود ہے، ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ دسمبر 1889ء میں مرزا کو خدا کی طرف سے الہام نازل ہوا کہ وہ مسح موعود ہیں لیکن انہوں نے اس کا اعلان نہیں کیا اور قادیان سے لدھیانہ چلے گئے اور اپنے پیروکاروں سے حلف لینا شروع کر دیا۔ انہوں نے قادیان میں اس کا اعلان کیوں کیا اس کا فیصلہ آپ حضرات نے کرنا ہے۔ یہ کتاب احمدیت اور اصل اسلام مرزا محمود کی لکھی ہوئی ہے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ حلف لینے لدھیانہ گئے تھے۔ اسلامی لٹریچر میں کہیں اور میں نے یہ پڑھا ہے کہ مسح موعود ایک مقام جس کا نام لدھوگا پر اپنے بارے میں اعلان کریں گے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ مرزا غلام احمد نے حلف لینے کے لیے لدھیانہ جانے کا فیصلہ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے قادیان سے اس بات کا آغاز نہیں کیا۔ یہی وہ بات ہے جس کی میں خاص طور پر آپ کے سامنے نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔ عیسائیوں سے مباحثت پر میں بعد میں تبصرہ کروں گا۔ یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں ان سب سے بڑے اعتراض جو مرزا غلام احمد اور احمدی جماعت کے خلاف اٹھایا جاتا ہے کو نمایاں کروں۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کو انگریزوں نے تیار کیا اور معرض وجود میں لائے۔ اس بات کا ذکر نہ صرف قرارداد میں موجود ہے بلکہ دوسرا لٹریچر میں بھی موجود ہے کہ یہ مسئلہ پیدا کیا گیا تھا جب سامر اجی قابض قوتوں کے خلاف سوڈان سے ساڑھا تک جہاد کا اعلان کیا گیا تھا۔ برطانیوں نے جہاد کو روکنے کی منصوبہ بندی کی تھی اور اس مقصد کی خاطر مرزا غلام احمد کی خدمات اُجرتاً حاصل کی تھیں۔ یہ نقطہ بھی آپ کی توجہ کا مقاضی ہے۔ اس بات کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکاروں پر یہ فرض ہے کہ وہ برطانیہ سے مکمل وفاداری اور عقیدت اپنے ایمان کے لازمی جزو کے طور پر رکھیں۔ انہیں یہ وعدہ کرنا پڑتا ہے جب وہ حلف اٹھاتے ہیں۔ یہ بہت زیادہ اہم بات ہے کیونکہ مسلمان انگریزوں سے وفاداری کی ذمہ داری اٹھانے کے بہت زیادہ خلاف تھے اور قابض سامر اج سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے جس نے بزور طاقت انہیں ان کی حکمرانی اور اختیار سے محروم کر دیا تھا۔ برطانیہ سے وفاداری کا حلف اٹھانے سے احمدیوں یا مرزا غلام احمد کے پیروکاروں نے خود کو انگریزوں کا بہترین جاسوس ثابت کیا۔ یہ دستاویزاتی طور پر موجود ہے کہ 1925ء میں دو مرزا ایوں / احمدیوں کو افغانستان میں پھانسی دے دی گئی صرف اس وجہ پر نہیں کہ وہ مرتد ہو چکے تھے بلکہ ان کے قبضے سے کچھ ایسی دستاویزات ملی تھی جس سے ثابت ہوا تھا کہ وہ انگریزوں کے جاسوس تھے اور افغانستان حکومت کا تختہ اللہنا چاہتے تھے۔ میں صرف حقائق اجاگر کر رہا ہوں میں ان کی صداقت پر بات نہیں کر رہا۔ جہاں تک مرزا صاحب کی قرآن فہمی یا سوچ کا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں وہ کم و بیش سر سید احمد خان جیسی ہے مساوئے چند آیات کے جن کا تعلق حضرت مسح علیہ السلام سے ہے یا جن کا تعلق مرزا صاحب کی اپنی نبوت کے بارے میں

ہے۔ وہ قرآن کا فہم و ادراک رکھتے تھے۔ اور اپنے مخالفین کو ڈرانے دھمکانے کے لیے ان [مرزا صاحب] کا نمایاں تھھیار اس کی وہ دو پیش گوئیاں تھیں جن کے ذریعے وہ محدود مدت کے اندر اندر مخالفین کی موت یا تذلیل کا دعویٰ کرتے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے پہلے مسح موعود ہونے کا اعلان اور بعد میں 'نبی' ہونے کا اعلان کیا۔ موصوف نے کس قسم کی نبوت کا اعلان کیا اس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔ مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود اپنی کتاب "احمدیت اور سچا اسلام" میں لکھتے ہیں: "اس کا کام ان غلطیوں اور توجیہات کا ازالہ کرنا تھا، جو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین [اسلام] کے اندر سر اعیت کر گئی تھیں، بلکہ اس کو اس سے بھی اعلیٰ تر مقصد کی تکمیل کرنا تھی۔ اُس کو لا محمد و دخانے، اُن سچائیاں اور پوشیدہ قوتیں تلاش کرنا تھیں۔"

قرآن کے اس مجرے کا اعلان کرتے ہوئے مسح موعود نے ایک روحانی انقلاب برپا کر دیا۔ مسلمانوں کا یہ تو پختہ ایمان تھا کہ قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے۔ لیکن گذشتہ ۱۳۱ سو برسوں میں کسی نے یہ خیال نہیں کیا تھا کہ قرآن کریم نہ صرف مکمل کتاب ہے، بلکہ اس میں مستقبل کی ضروریات کے لیے ایک کبھی نہ ختم ہونے والا ذخیرہ موجود ہے، جس کی تفتیش اور تحقیق سے روحانیت کے انمول خزانے رونما ہوں گے۔ دنیا کے سامنے قرآن کے اس اعجاز کو نمایاں کر کے بانی سلسلہ احمد یہ نے روحانیت کی تحقیق اور تفتیش کے راستے کھول دیے۔ یہ دنیاوی سائنس کے مقابلے میں بہت ہی اعلیٰ اقدام ہے۔ مرزا غلام احمد نے صرف اسلام کو تمام غلطیوں سے پاک کر دیا بلکہ قرآن کریم پر ایسی روشنی ڈالی جس سے دنیا اور انسانیت کے سامنے عقل و دانش کی تسکین کا سامان بھم پہنچایا۔ گویا مستقبل کی تمام مشکلات کو حل کرنے کی کلید پیش کر دی۔"

محترم! اس بارے میں صرف ایک دو باتیں کروں گا، یعنی یہ کہ مرزا غلام احمد نے ان پوشیدہ خزانوں کا پتہ لگالیا، جن تک گذشتہ تیرہ سو سالوں میں کوئی مسلمان نہیں پہنچ سکا تھا۔ اس میں تو کسی شک و شبهہ یا تردید کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن کریم خزانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ عقل و حکمت کا منبع ہے۔ جوں جوں انسان ترقی کرے گا اور قرآن کے اندر گہرا تبرکے گا، عقل و دانش کے اسرار و موزاں پر عیاں ہوتے چلے جائیں گے۔ میں مرزا ناصر احمد سے خصوصی طور پر سوال کیا تھا کہ: وہ کون سے اکتشافات تھے جو مرزا غلام احمد سے قبل کسی اور مسلمان پر ظاہر نہ ہوئے۔ ماسوائے ختم نبوت کے مطلب کے بارے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں کہ آیا وہ زندہ ہیں یا نہیں؟، میرے اس سوال کے جواب میں مرزا ناصر احمد نے کہا کہ: "مرزا غلام احمد کی سورۃ فاتحہ کی تفسیر کا ستر نیصد حصہ نیا ہے۔" اس بارے میں فیصلہ کرنا یا کوئی رائے دینا اس ایوان کے فاضل علماء کا کام ہے، مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ مجھے تو صرف علامہ اقبال کا وہ قول یاد ہے جس میں انھوں نے کہا تھا کہ:

عصر من پیغمبرے ہم آفرید  
آن کہ در قرآن بغیر از خود ندید  
یعنی ہمارے دور میں ایک ایسا نبی پیدا ہوا، جس کو قرآن میں اپنے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔

میرا خیال ہے کہ یہ ایک نہایت ہی مناسب تبصرہ ہے۔ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں، مرزا صاحب نے قرآن مجید کے صرف انھی حصوں کی تفسیر کی، جس میں ان کی ذاتی دلچسپی تھی۔

39۔ مورخہ 7 ستمبر 1974 کو قومی اسمبلی کے 40 معزز اکیوں پر مشتمل پارلیمنٹ کی خصوصی کمیٹی کی طرف بہت کھنڈ محتت کی

تکمیل پر جس کے نتیجے میں دستور (دوسری ترمیم) ایکٹ 1974 پاس ہوا، کے موقع پر اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی کے ایوان میں ایک تاریخی تقریری کی جو کہ موجودہ کارروائی میں زیر بحث معاملہ کے حوالے سے بہت زیادہ تاریخی اہمیت کی حامل ہے اس لیے اس کو ذیل میں من عن درج کیا جا رہا ہے۔

### ”جناب سینکر“

جب میں کہتا ہوں کہ آج کافی ملہ پورے ایوان کافی ملہ ہے اس سے میری نیت کوئی سچائی نہ رکھا مل کرنے کی نہیں ہوتی۔ ہم نے ایوان کے لفڑ ارکین کے ساتھ اس پر جادہ خیال کیا ہے اور اس ایوان میں سب مکتبہ مگر کی نامہ دیگری موجود ہے۔ یہ ایک قومی فیصلہ ہے یہ پاکستان کے لوگوں کافی ملہ ہے۔ یہ فیصلہ پاکستان کے حمام کی سوچ اور اداروں کا حکام ہے میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی گروہ یا فرد اس کا کریڈٹ لے میں پوکنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ متعدد وجوہات کی بنا پر یہ ایک مشکل نیعلہ تھا بلکہ ایک بہت مشکل فیصلہ اور ایک جمہوری اداروں والے جمہوری ملک کے لفڑ اس نے اسکے لیے بہنچا ہی نہیں جا سکتا تھا یہ ایک پرانا مسئلہ ہے ایک توے سالہ پرانا مسئلہ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تجدید ہوتا چلا گیا ہمارے محاشرے میں پائے جانے والی تینی ایکی وجہ سے بڑھی جیسا کہ اس کا حل پہنیں کیا گیا یا انتیار کیا گیا۔ میں تباہی کیا کہ یہ مسئلہ ماضی میں پیا کیا گیا تھا اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد بار ماضی میں اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوششیں کی گئیں میں نہیں جانتا کہ کیا اقدامات اخلاقی کی تھیں مگر یاد ہے کہ 1953ء میں کیا ہوا تھا حمام کو کچنے کے لیے مطلق طاقت کا استعمال ہوا تھا۔ اس وقت کے مشیران نے حمام کی رائے کو دھیان اور بریت کیا تھوڑی طاقت کے استعمال سے کچنے کی وکالت کی تھی اور جب طاقت استعمال کی جاتی ہے مسئلہ میں پر دہ چلا جاتا ہے اور پھر دو کمی حل نہیں ہوتا۔

ہماری نیت اس مسئلے کے مستقل حل ہلاش کرنے کی تھی اور میں آپ کو یقین دلائی تھا ہوں کے درست حل ہلاش کرنے میں کوئی دیقتہ فروغ نہیں چھوڑا ہے۔ حمام کے جذبات محرور تھے، ان وامان کا مسئلہ ہیا ہو چکا تھا، ہمارے ہاں مسادات برپا ہو چکے تھے، گیوں اور مسجدوں میں تقریبیں کی گئی تھیں اور بچپنے تین ماہ سے پوری قوم اضطراب میں تھی۔ میں 22 اور 29 مئی کے دوران جو کچھ ہوا، اس کو دو ہر انہیں چاہتا اور میں اس کی تفصیلات میں بھی نہیں چاہتا تھا ایک میں میں جا چکا تھا اس کی تفصیلات میں 13 جون کو تمہارے کی جانب ہلاش کی طرف مہدوں کرنا تھا جو ہوں گا اپنے خطاب میں میں نے قوم کو تباہی تھا کہ یہ ایک مدنی مسئلہ ہے اور چونکہ پاکستان مسلمانوں کے لیے مہمی بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا اس لیے کوئی ایسا فیصلہ جو اکثریت کے جذبات کو محرور کرے وہ مکی مسادات کے حق میں ہٹک ہو گا۔ چونکہ یہ ایک خاص نامہ مدنی مسئلہ تھا اس لیے یہ میری حکومت کے کسی بھی فرد کے لیے مناسب نہیں تھا کہ وہ تیرہ جون کو کوئی فیصلہ جاری کرے۔

میں لاہور میں بہت سے لوگوں کو ملا جنہوں نے احتجاج کیا تھا اور مجھ سے چاہتے تھے کہ میں پاکستان کے حمام کی اکثریت کی خواہش کے مطابق وہیں کے وہیں فیصلہ سنادوں لانہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ مقبولیت حاصل کرنے کے لیے یہ ایک منہری موقع تھا اور یہ فیصلہ سنانے سے میں بھیشہ کے لیے پادر کما جاؤں گا تھیں میں نے انہیں بتایا کہ یہ ایک 90 سالہ پرانا مسئلہ ہے اور اس نے پاکستان کے قیام سے پہلے اور بعد مسلمانوں کے درمیان خفت بے چینی ہیا کی ہے۔ میرے لیے صورت حال سے قادر اخفاہ دوست نہیں تھا اس لیے میں نے انہیں بتایا کہ ہم نے پاکستان میں جمہوریت بحال کی ہے اور ہمارے پاس قومی اسمبلی ہے جو بحث و مباحثہ کرنے کا مقام ہے اور میری حاگزانہ رائے میں اس مسئلے پر

بحث کرنے کا بھی مقام ہے۔

ایوان میں اکثریت کارکن ہونے کے ناطے میں ارائیں پر کسی بھی قسم کا درباؤ نہیں ڈالوں گا اور مجرمان کی داش پر اس نیلے کو چھوڑوں گا۔ مبلغ پارٹی کے ارائیں اس بات کی تصحیح کریں کہ کمیٹ نے ان کے نیلے پر اڑانداز ہونے کی کوشش نہیں کی ہے، سوائے اس وقت کے جب اس مسئلے پر دلوں بحث ہوتی تھی۔ جناب سینکڑ میں آپ کو نہیں بتانا چاہوں گا کہ میں اس مسئلے پر تذبذب تھا اور رات کو نہیں سکتا تھا میں اس نیلے کے مالی اخراجات کے اور اس کے سیاسی و سماجی مضرات سے واقف ہوں اور اس سے ملک کے دفاع پر بھی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے، پاکستان اسلام کے اصولوں پر قائم ہونے والی ایک اسلامی ریاست ہے جس میں مسلمان اکثریت میں آباد ہیں اور میں نے اس نیلے کے نفاذ کے وقت کسی بھی اصول کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

مبلغ پارٹی کا پہلا اصول یہ ہے کہ اسلام ہمارا مذہب ہے اور اسلام کی خدمت ہماری اولین ترجیح ہے۔ مبلغ پارٹی کا دوسرا اصول جمہوریت کے لیے ہماری پاکیسٹانی ہے۔ اس لیے ہماری پارٹی کے لیے اس مسئلے کو اس ایوان میں پیش کرنا ہی مناسب تھا اور میں فخر ہوں گے بات کہتا ہوں کہ ہم نے اپنی پارٹی کے اشتراکی ہونے کی روایات پر عمل کیا ہے۔ میں ہم نے اپنی پارٹی کے اصول کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔ یا ایک رد ہی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک یکلار فیصلہ بھی ہے۔ رد ہی اس حقیقتی کہ یہ مسلمانوں کو ممتاز کرتا ہے جو پاکستان میں اکثریت میں ہیں اور سیکولر ان معنوں میں کہ ہم موجودہ زمانے میں رہتے ہیں اور ہمارے دستور میں کسی فرقے یا مذہب کو شانہ نہیں ہنا تا چاہیے اور ہر پاکستانی کو بلا خوف و خطر اپنے مذہب کے بارے میں اپنی رائے رکھنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ یہ میری حکومت کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ پاکستان کے تمام شہریوں کے تحفظ کی ضمانت دے اور یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

جناب سینکڑ میں آپ کو یقین دلانا چاہوں گا اور اس ایوان کے باہر کسی کو یہ بتانا چاہوں گا کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور کسی کو اپنے ذہن میں یہ تک نہیں رکھنا چاہیے کہ کسی بھی قسم کی مداخلت، برداشت کی جائے گی اور پاکستان کے کسی بھی خبری کی تتمیل کی اجازت دی جائے گی۔ جناب سینکڑ: بچھے تین ہفتے میں بہت زیادہ احتیاج اور نیازات ہوتے رہے ہیں، بہت سی گرفتاریاں کی گئی ہیں اور لوگوں کو جعل بھیجا گیا ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری تھی کہ اس ملک میں انتشار کو روکا جائے۔ جیسا کہ یہ ایوان ایک حصہ نیلے پر بنتا چاہے، میں آپ کو یقین دلانا چاہوں گا کہ فوری اقدامات کیے جائیں گے اور گرفتار شدہ لوگوں کے حوالے سے زیادہ زم اقدامات کیے جائیں گے اور ان میں سے کچھ لوگوں کو چھوڑا جائے گا (اگر انہوں نے دوبارہ لوگوں کے خلاف احتیاج نہ کیا پا دوبارہ تشدد و استعمال نہ کیا)

جناب سینکڑ: جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ ہمیں امید کرنی چاہیے کہ ہم نے اس مسئلے سے بہت لامبا ہے اور یہ میری کامیابی نہیں ہے بلکہ پاکستان کے حکام کی کامیابی ہے۔ میں حکام کو مبارک باد دیتا ہوں اور ہمیں کرتا ہوں کہ یہ مختلط طبیہ نیلے نہیں ہو سکتا تھا اگر ساری جماعتیں تعاون نہ کرتیں دستور ہمارے ملک کی زندگی اور روح ہے اور اسے مکمل کرنے میں 27 سال گئے ہیں اور وہ پاکستان کی تاریخ میں ایک یادگار موقع تھا جب تمام جماعتوں نے اسے قبول کیا۔ جناب سینکڑ: کون جانتا ہے کے مستقبل میں ہمیں کیا کیا فیصلے کرنے ہوں گے لیکن میری اونٹی رائے میں پاکستان کے قیام سے لے کر اب تک یہ سب سے وجہیدہ اور مشکل ترین مسئلہ تھا جس کا ہم نے سامنا کیا ہے۔ جب میں ماضی پر گاہ ڈالتا ہوں تو میں یہ

بات دھراتا ہوں کہ یہ سب سے بھیجیدہ اور مسئلہ تین معاملہ قابوں سے ہم کسی ہمکار ہوئے۔ اس نے ملک کے ہر گمراہ کاوس اور ہر فرد کو ملتا ہر کیا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ بھیجیدہ ہوتا گیا۔ میں تسلیخی کا سامنا کرنا پڑا تھا ہم اسے اسلامی نظریاتی کو نسل یا عدالت عالیہ میں بھجو سکتے تھے (اسے موڑ کرتے ہوئے) لیکن ہم اسے ایوان میں پیش کرنے کی جماعت رکھتے تھے اور ایک خاص کمپنی اس مسئلے کے حوالے سے خلیفہ طور پر ہی۔ خلیفہ طور پر کیوں؟ کیوں کہ کیا آپ کا پیغام خیال ہے کہ کوئی نتیجہ کل ملتا تھا اگر بندروں کے پیچے اس پر مباحثہ نہیں کروایا گیا ہوتا؟

اگر اماکین کلے عام اور میڈیا کے سامنے اس پر سیر حاصل بھٹکتے تب بہت دشواری ہوئی تھی۔ ہم نے اماکین کو یقین دلایا کہ ان کی آراء کو خلیفہ رکھا جائے گا اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے انہیں تزویہ مروڑ کر پیش نہیں کیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ ان خلیفہ اجلسوں کی کارروائیوں کو ظاہر نہ کرنا اس ایوان کے لیے بہت ضروری تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے ممکن ہوتا جائیگا کہ اس ریکارڈ میں ظاہر کر دیا جائے۔ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ یہی بندروں تک بکپنے کے لیے اور ملک کے مفاد میں یہ نیلے کرنے میں ہمیں اجلسوں کو خلیفہ رکھنا ہو گا۔ یہ فیصلہ ہمارے لیے برا ہمگون ہے۔ اور ہمیں قوم پر اثر انداز ہونے والے کسی بھی مسئلے کے حل کی کوشش کرتے ہوئے اسی جوش و چند بے کے ساتھ آگے پڑھنا چاہیے۔

کچھ لوگ اس نیلے سے خوش نہیں ہوں گے اور ہر آدمی کو خوش کرنا مسئلہ ہوا کرتا ہے۔ کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ (بہت زیادہ طاقت کے استعمال سے) یوں مسئلہ 1953ء میں حل کر دیا گیا تھا لیکن یوں لوگ صورت حال کا تجربہ کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کچھ لوگ اس نیلے سے زیادہ خوش ہوں گے، میرے لیے ان لوگوں کی نسبت میں ممکن نہیں ہے لیکن اگر وہ یہ سوچتیں کہ ان کے لیے زیادہ اچھا ہے کہ ان کے حقوق کا تحفظ کر دیا گیا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے (حذب اختلاف میں ہوتے ہوئے) اس درخاست کو پیش کیا تھا انہوں نے ان لوگوں کے تحفظ کی مہانت دینے کی بات کی تھی جو اس نیلے سے متاثر ہوں گے، ایوان اس مہانت پر پر حرام ہے۔ یہاں ایوان، اس پارٹی، حذب اختلاف اور حکومت کی اخلاقی ذمہ داری کو وہ پاکستان کے تمام شہریوں کا تحفظ کرے۔ یہ اسلام کی نصیلی ہے اور ایک اسلامی معاشرے کا نشان انتہا رہی۔ اسے نوٹ کیا جانا چاہیے کہ بندروں نے جب انہیں یورپ میں مارا جا رہا تھا انہی سلطنت میں پناہ لی تھی اس لیے جب بیرونی ترکوں اور مردوں میں اپنا تحفظ حلاش کر سکتے ہیں تو ہم تو پاکستانی ہیں اور یہ ہماری اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ہم پاکستان کے تمام فرقوں اور تمام شہریوں کو تحفظ فراہم کریں۔

جناب سینکر: میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی تقریبی ختم کرتا ہوں۔

### آپ کا بہت بہت شکریہ

40۔ ایک طویل منش کے نتیجے میں، بالآخر، ۱۹۷۲ء کو قادیانیوں کے دونوں گروہوں کو حسب ذیل آئینی ترمیم کے ذریعے غیر مسلم قرار دیا گیا تھا:-

### ”۱۔ مختصر عنوان اور آغاز نفاذ

(۱) یا ایکٹ دستور (ترمیم دوم) ایکٹ، ۱۹۷۲ء کے نام سے موسم ہو گا۔

(۲) یہ فی الغور نافذ العمل ہو گا۔

## ۲۔ دستور کے آرٹیکل ۶۰۱ کی ترمیم

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں، بعد ازاں جس کا حوالہ دستور کے طور پر دیا گیا ہے، آرٹیکل ۶۰۱ میں، شق (۳) میں، الفاظ ”کمیونٹیز“ کو الفاظ اور قوسمیں ”اور قادیانی گروہ یا لا ہوری گروہ کے اشخاص (جو خود کو احمدی کے نام سے موسوم کرتے ہیں)، شامل کر دیئے جائیں گے۔

## ۳۔ دستور کے آرٹیکل ۲۶۰ کی ترمیم

دستور میں، آرٹیکل ۲۶۰ میں، شق (۲) کے بعد حسب ذیل نئی شق کا اضافہ کر دیا جائے گا، یعنی ---

(۳) کوئی ایسا شخص مراد ہے جو خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط ایمان نہ رکھتا ہو، یا حضرت محمد ﷺ کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے نبوت کا دعویدار ہو، یا پیغمبر یا مذہبی مصلح کا رہونے کے دعویدار کے طور پر تعلیم کیا جاتا ہو، دستور یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان نہ ہوگا۔“

بعد میں جزل ضیاء الحق کے دور میں 6 سے 8 جولائی 1978 کو پاکستان نے کراچی میں پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس کا اہتمام کیا۔ اس میں 27 ممالک سے لگ بھگ 200 مندویں نے شرکت کی۔ اس کو رابط عالم اسلامی نے سپانسر کیا تھا جو ایک بین الاقوامی این جی اور پارٹی وابستگی سے بالاتر ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ مندویں کے علاوہ، امریکہ اور روس سے بہت سے سکالر بھی کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے۔ پاکستان میں منعقد ہونے والی یہ پانچویں کانفرنس تھی، اس سے قبل چار ایسی کانفرنسیں موریتانیہ (1976)، امریکہ (1977)، آسٹریلیا (1975) اور ترینیداد (1977) میں منعقد ہوئی تھیں۔ کانفرنس نے قادیانی مسئلے پر اسلام مخالف ایسی قوتوں جو غیر ملکی طاقتوں کے تعاون سے اسلامی دنیا کی یگانگت کے خلاف کام کر رہی ہیں پر بحث کی۔ اس کانفرنس میں اس مسئلے پر درج ذیل مواد تحریر کیا گیا:

”قادیانیت ایک تباہ کن مذہبی نظریہ ہے جو کہ اپنے سرکش اور بد نیتی پر منی عقائد کو خفی رکھنے کے لیے اسلام کی آڑ میں چھپتا ہے۔ اس کے سب سے بڑھ کر غیر اسلامی دعوے یہ ہیں:

الف) اس کے لیڈر کے بے بنیاد نبوت کا دعویٰ۔

ب) قرآن کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر بیان کرنا۔

ج) جہاد (اسلام کی خاطر جنگ) کے متعلق غلط بیانی کرنا۔

قادیانیت برطانوی سامراج کی سوتیلی بیٹی ہے جو کہ اس کی سر پرستی اور تحفظ کے تحت زندہ ہے۔ قادیانیت وفاداری کے ساتھ امت مسلمہ کے مقصد کیلئے اپنا کردار ادا نہیں کرتی: یہ آنکھ بند کر کے سامراج اور صیہونیت کی وفادار ہے؛ اور دل و جان سے غیر مسلم طاقتوں اور یہودیت طریقہ کاروں کی حمایت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ غیر مسلم طاقتوں کو اسلامی عقیدے کے بنیادی اصولوں کو مسما کرنے اور ان کے خاتمے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ قادیانیت ان سرکش اور بد نیتی پر منی مقاصد کے حصول کے لیے کوشش ہے۔

1984 کے اوائل میں عوامی جلسوں اور مظاہروں کے ایک سلسلہ کے بعد تحریریک ختم نبوت کانفرنس کی مجلس عمل نے مندرجہ ذیل مطالبات پر زور دینے کے لیے 27 اپریل 1984 کو اولینڈی میں جلسے کے انعقاد کا فیصلہ کیا:-

- i) قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹانا۔
- ii) دوسری ترمیم کا موثر نفاذ۔
- iii) احمد یہ تبلیغ پر پابندی عائد کرنا۔
- iv) قادیانیوں کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کو نسل کی سفارشات کا نفاذ (کو نسل نے مرتد کے لیے سزاۓ موت تجویز کی)۔
- v) مولانا اسلم قریشی کی گم شدگی کے سلسلے میں مرتضی اطاحہ راحمد اور اس کے چند ساتھیوں کی گرفتاری اور مولانا قریشی کی فوری بازیابی۔
- vi) احمدیوں کی سیاسی اور خفیہ سرگرمیوں اور یہودیوں کے ساتھ ان کے تعاون پر کڑی نظر رکھنا۔
- vii) ربوبہ کے نیم فوجی گروہوں جس طرح کہ خدام احمد یہ وغیرہ پر پابندی عائد کرنا۔
- viii) شناختی کارڈ اور پاسپورٹ پر احمدیوں کی بطور غیر مسلم شناخت۔

بہت سے نامور علماء اور تحریک کے عہدیدار ان کو 16 ایکم پی اور 153 پی سی کے تحت اس بنا پر گرفتار کر لیا گیا کہ وہ کانفرنس میں اپنی شرکت روکنے پر مقابل اعتراض تقاریر کر رہے تھے۔ انتظامیہ کی جانب سے بیش بہا پابندیوں کے باوجود، جن میں علماء کی گرفتاری، لا ڈسپلیکر کے استعمال پر پابندی، راولپنڈی شہر میں دفعہ 144 کا نفاذ شامل تھے جہاں پاکستان کے چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر سے لوگ کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے اٹھے چلے آئے تھے تحریک نے ڈھمکی دی کہ اگر ان کے مطالبات نہ مانے گئے تو وہ براہ راست کارروائی کریں گے۔ اس وقت کے وزیر اطلاعات و نشریات راجہ ظفر الحق نے تحریک کی قیادت اور حکومت کو ایک میز پرلانے میں سرگرم کردار ادا کیا۔ حکومت کو اس مشہور تحریک کے سامنے گھٹنے ٹکنے پڑے جو دوسری صورت میں مارشل لاء کے خلاف ایک احتجاجی تحریک کی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ کانفرنس (26 اپریل 1984) سے ایک روز قبل صدر پاکستان نے آرڈیننس نمبر XX 1984 کا اجراء کیا جس سے قادیانی گروہ، لاہوری گروہ اور احمدیوں کی اسلام مخالف سرگرمیاں (ممانتع و سزا) آرڈیننس 1984 سے تعییر کیا گیا۔ اس میں قادیانیوں اور احمدیوں کو اسلام مخالف سرگرمیوں سے منع کیا گیا تھا۔ تعزیرات پاکستان میں ایک نئی دفعہ 298 بی شامل کی گئی جس کے تحت ان گروہوں میں ایسے شخص کے لئے تین سال کی سزا اور جرمانہ مقرر کیا گیا جو زبانی یا تحریری الفاظ سے، یا کھلم کھلام مرتضی احمد کے جانشینوں کو امیر المؤمنین پکارے گا، یا اس کے ساتھیوں کو صحابہ پکارے گا اور اس کے خاندان کے افراد کو اہل بیت سے تعییر کرے گا یا اپنی عبادت کی جگہ کو مسجد کہے گا۔ اس دفعہ میں ایسی ہی سزا کسی ایسے شخص کے لئے بھی مقرر کی گئی ہے جو نماز کے لئے پکار کو اذان سے تعییر کرے گا یا مسلمانوں کے انداز میں اذان دے گا۔ تعزیرات پاکستان میں شامل کی جانے والی نئی دفعہ میں ایسی ہی سزا ایسے شخص کے لئے بھی ہے جو اپنے آپ کو مسلمان اور اپنے عقیدے کو اسلام سے تعییر کرتا ہے، یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا ترویج کرتا ہے، یا دوسروں کو اپنا عقیدہ ماننے کی دعوت دیتا ہے، یا کوئی ایسا طریقہ استعمال کرتا ہے جس سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں۔ اس آرڈیننس نے ضابطہ فوجداری 1898 کی دفعہ 99A میں بھی ترمیم کی تاکہ صوبائی حکومت کو اختیار دیا جا سکے کہ وہ کسی اخبار، کتاب یا دوسری دستاویز کو ضبط کر سکے جو تعزیرات پاکستان میں درج

کی جانے والی دفعات سے متصادم ہوں۔ ترمیم کے ذریعے مغربی پاکستان پر لیس اینڈ پبلیکیشن آرڈننس 1963 کی دفعہ 24 میں بھی ترمیم کی گئی جس کے تحت صوبائی حکومت کو اختیار دیا گیا کہ وہ تعزیرات پاکستان میں درج کی گئی نئی دفعات کی خلاف ورزی پر کسی پرنٹنگ، پبلیکیشن، کسی کتاب یا کسی پیپر کی بندش کر سکے، کسی ایسے اخبار کی ڈکٹریشن منسوخ کر سکے جو ان دفعات کی نفی کرتا ہے اور ایسی کتاب یا صفحے کو ضبط کر سکے جس میں ایسا مادہ ہو جس کی اشاعت متذکرہ دفعات میں منوع قرار دی گئی ہے۔ قادری مخالف آرڈننس کو مختلف طبقہ ہائے فکر کی مذہبی، سماجی اور سیاسی تنظیموں اور دنیا بھر کے مسلمانوں نے بڑے پیمانے پر سراہا۔ ملک کے سرکردہ اخبارات نے اسے بروقت اقدام قرار دیا اور قادیانیوں کی اسلام مخالف سرگرمیوں کو چیک کرنے کے لئے حکومتی کوشش کی تعریف کی۔ تمام معروف روزناموں نے آرڈننس کو خوش آئند قرار دیا اور اس کے کلی طور پر اطلاق کا مطالبہ کیا۔ احمدیوں کو مشورہ دیا گیا کہ وہ پاکستان میں دیگر امن پسند شہریوں کی طرح رہیں اور اپنی اسلام مخالف سرگرمیاں ترک کر دیں۔

41۔ ۱۲۶ اپریل ۱۹۸۳ء کو، صدر پاکستان ضمایر الحق کے مارشل لاء کے دور میں، مجموعہ تعزیرات پاکستان میں آرڈننس کا اضافہ کیا گیا۔ آرڈننس ۲۰ ایک قانون ہے جو کہ احمدیہ مسلم کو اپنے مذہب کی کھلے عام تبلیغ کرنے سے روکتا ہے۔

”قادیانی گروہ، لاہوری گروہ اور احمدی جو اسلام مخالف سرگرمیوں میں مصروف ہوں کو روکنے کی بابت قانون میں ترمیم کی جائے؛

ہرگاہ کہ یہ قرین مصلحت ہے کہ قادیانی گروہ، لاہوری گروہ اور احمدی جو اسلام مخالف سرگرمیوں میں مصروف ہوں کو روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کی جائے:

اور چونکہ صدر مملکت کو اطمینان حاصل ہے کہ ایسے حالات موجود ہیں جن کی بناء پر فوری کارروائی کرنا ضروری ہو گیا ہے؛ لہذا، اب، ۵ جولائی، ۷۷ء کے اعلان کی پیروی میں، اور اس ضمن میں اسے مجاز کردہ تمام اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے، صدر مملکت نے حسب ذیل آرڈننس وضع اور جاری کیا ہے:

### حصہ اول۔ ابتدائیہ

#### ۱۔ مختصر عنوان اور آغاز نفاذ۔

(۱) یہ آرڈننس قادیانی گروہ، لاہوری گروہ اور احمدیوں کی اسلام مخالف سرگرمیوں (مانعت اور سزا)

آرڈننس ۱۹۸۳ء کے نام سے موسم ہوگا۔

(۲) یہ فوراً نافذ ا عمل ہوگا۔

۲۔ آرڈننس عدالتوں کے احکامات یا فیصلوں پر غالب ہوگا۔

اس آرڈننس کے احکامات کسی بھی عدالت کے کسی بھی حکم یا فیصلہ کے باوجود موثر ہوں گے۔

#### حصہ دوم۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۲۵ بابت ۱۸۶۰ء) کی ترمیم

۳۔ ایکٹ نمبر ۲۵ بابت ۱۸۶۰ء میں، نئی دفعات ۲۹۸ ب اور ۲۹۸ ج کا اضافہ۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر

۲۵ بابت ۱۸۶۰ء) میں، باب پندرہ میں، دفعہ ۲۹۸ الف کے بعد، حسب ذیل نئی دفعات کا اضافہ کر دیا جائے گا، یعنی:

بعض مذہبی شخصیات یا زیارت گا ہوں کے لیے منسوب القاب، بیانات اور عنوانات، وغیرہ کا ناجائز استعمال۔

(۱) قادیانی گروہ یا لا ہوری گروہ کا کوئی بھی شخص (جو اپنے طور پر احمدی یا کسی بھی دوسرے نام سے موسم ہو) جو بذریعہ الفاظ، خواہ تقریری یا تحریری، یا ظاہری شبیہ کے ذریعے سے:

(الف) حضرت محمد ﷺ کے خلیفہ یا ساتھی کے علاوہ کسی بھی شخص کو "ام المؤمنین"، "خلیفۃ المؤمنین"، "خلیفۃ المسلمين"، "صحابی" یا "رضی اللہ عنہ" کے طور پر حوالہ دیتا ہو یا مخاطب کرتا ہو؛

(ب) حضرت محمد ﷺ کی زوجہ کے علاوہ کسی بھی شخص کا "ام المؤمنین" کے طور پر حوالہ دیتا ہو، یا مخاطب کرتا ہو؛

(ج) حضرت محمد ﷺ کے خاندان (اہل بیت) کے رکن کے علاوہ کسی بھی شخص کا بطور "اہل بیت" حوالہ دیتا ہو، یا مخاطب کرتا ہو۔

(د) اپنے عبادات کے مقام کا "مسجد" کے طور پر حوالہ دیتا ہے یا نام دیتا ہے یا پکارتا ہے؛ تو اس کو کسی بھی نوعیت کی سزا نے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرم ان کا بھی مستوجب ہو گا۔

۲۔ قادیانی گروہ یا لا ہوری گروہ کا کوئی بھی شخص (جو اپنے طور پر احمدی یا کسی بھی دوسرے نام سے موسم ہو) جو بذریعہ الفاظ تقریر یا تحریر یا ظاہری شبیہ کے ذریعے سے اپنے عقیدے کے ذریعے عبادات کی پیروی کرنے کے لیے طریقہ کاریا بلانے کے طریقہ کاریا کا حوالہ، "اذان" یا "اذان دینے" کے طور پر دے جو مسلمانوں کی جانب سے استعمال کیا جاتا ہے، تو تین سال تک سزا نے قید کا سزا اوار ہو گا اور جرم ان کا بھی مستوجب ہو گا۔

۳۔ ۲۹۸ج، قادیانی گروہ وغیرہ کا شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کھلانے یا اپنے عقیدے کی تبلیغ کرے یا اسے پھیلانے۔

قادیانی گروہ یا لا ہوری گروہ کا کوئی بھی شخص (جو اپنے آپ کو احمدی یا دیگر کسی نام سے پکارتا ہو) جو بولا سطہ یا بلا واسطہ اپنے آپ کو بطور مسلمان ظاہر کرتا ہو یا اپنے عقیدے کا بطور اسلام حوالہ دیتا ہو یا پکارتا ہے یا اپنے عقیدے کی تبلیغ کرتا ہو یا اسے پھیلاتا ہو یا دوسروں کو اپنے عقیدے کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہو بذریعہ الفاظ خواہ تقریری ہوں یا تحریری ہوں یا ظاہری شبیہ کے ذریعے یا کسی بھی طریقہ کاری میں جو بھی ہو مسلمانوں کے احساسات کا استھصال کر رہا ہو تو اسے کسی بھی نوعیت کی سزا نے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرم ان کا بھی مستوجب ہو گا۔

### حصہ سوم مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء (ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء) کی تزییم

۴۔ ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۹۹الف کی تبدیلی۔ مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء (ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء) میں، جس کا بعد ازاں مذکورہ ضابطہ حوالہ دیا گیا ہے، کی دفعہ ۹۹الف میں ذیلی دفعہ (۱) :

(الف) بعد ازاں الفاظ و سکنته "اُس شق کے" الفاظ، ہندسے، قوسین، حرف اور سکنته، "یامغری پاکستان طابع و اشاعت آرڈیننس ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۷ کی ذیلی دفعہ ۱ کی شق (دوم) میں محوالہ کسی نوعیت کے معاملہ میں، شامل کردیتے جائیں گے؛ اور

(ب) بعد ازاں ہندسہ اور لفظ ”۱۲۹۵ الف“ ہند سے اور الفاظ ”یاد فعہ ۱۲۹۸ الف یا دفعہ ۲۹۸ ب“ شامل کر دیئے جائیں گے۔

۵۔ ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء کے جدول دوم کی تبدیلی۔ مذکورہ مجموعہ میں جدول دوم میں دفعہ ۱۲۹۸ سے متعلق اندر راجات میں حسب ذیل مندرجات کو شامل کر دیا جائے گا:

۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
الیضاً	تین سال کے لئے کسی بھی نوعیت کی سزاۓ قید اور جرمانہ۔	الیضاً	ناقابل صانت	الیضاً	الیضاً	منہجی ہستیوں یا مقدس مقامات کے لئے مختص کردہ القاب، بیانات اور عنوانات وغیرہ کا ناجائز استعمال	۲۹۸ ب
الیضاً	الیضاً	الیضاً	الیضاً	الیضاً	الیضاً	قادیانی گروہ وغیرہ کا کوئی شخص جو خود کو بطور مسلمان کہے یا اپنے عقیدے کی تبلیغ کرے یا اسے پھیلائے۔	۲۹۸ ج

## حصہ چارم مغربی پاکستان مطابع و اشاعت آرڈیننس ۱۹۶۳ء میں ترمیم (ڈبلیو۔ پی۔ آرڈیننس نمبر ۳۰ مجریہ ۱۹۶۳ء)

۶۔ مغربی پاکستان آرڈیننس نمبر ۳۰ مجریہ ۱۹۶۳ء کی، دفعہ ۲۲ کی ترمیم۔

مغربی پاکستان مطابع و اشاعت آرڈیننس، ۱۹۶۳ء (ڈبلیو۔ پی۔ آرڈیننس نمبر ۳۰ مجریہ ۱۹۶۳ء) میں، دفعہ ۲۲ میں ذیلی دفعہ (۱) میں بعد ازاں شق

(اول) حسب ذیل نئی شق شامل کر دی جائے گی، یعنی:

”(دوم) مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۳۵ بابت ۱۸۲۰ء) دفعہ ۱۲۹۸ الف، دفعہ ۲۹۸ ب یا دفعہ ۲۹۸ ج میں محو لہ نوعیت کی ہوں، یا،“

جزل محمد ضیا الحق،  
صدر مملکت۔“

42۔ مرزا طاہر کی ہدایات کے مطابق، قادیانیوں نے خاموشی مگر ہچکا ہٹ سے آرڈیننس کو قبول کر لیا۔ عبادت گاہوں سے مسجد کا

لفظ ہٹا دیا گیا تھا اور اس کی جگہ بیت الحمد، بیت الذکر وغیرہ جیسے الفاظ لکھ دیئے گئے۔ اذان دینا بند کر دیا اور خلافت لاہور بریئی ربوہ اور دیگر محلی جگہوں سے احمد یہ لڑپچھر ہٹا دیا گیا تھا۔ بہت سے قادیانی انڈر گراؤنڈ ہو گئے۔ بعض ایک نے پاکستان چھوڑ دیا اور سویڈن، مغربی جمنی، ہالینڈ، ڈنمارک، برطانیہ، کینیڈا اور امریکہ جیسے ممالک میں پناہ لے لی۔ آرڈیننس نے انہیں ملک سے باہر سیٹھ ہونے اور ان ممالک میں مختلف مدوں میں کام کرنے والی اسلام مخالف تنظیموں کی مدد حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔ پاکستان میں احمدیوں پر ایڈ ارسانی، کے جھوٹے نعرے بلند کر کے اور ضیاء حکومت کی غیر نمائندہ حیثیت کا استھان کر کے انہوں نے معاشی اور سیاسی طور پر بہت کچھ حاصل کیا۔

43۔ آل پاکستان مجلس تحفظ ختم نبوت نے سال 1985 کے اوآخر میں ہونے والے متعدد جلسے ہائے عام میں مندرجہ ذیل مطالبات پیش کئے:

قادیانیوں سے متعلقہ آرڈیننس کی اسمبلی سے ایک ملکی صورت میں منظوری دی جائے تاکہ یہ آئین کا حقیقی جزو بن سکے۔  
قادیانیوں کو اسرائیل سے قریبی تعلقات کی بنابر وزارت خارجہ، دفاع اور اندر وطن ملک وزارتوں بیشمول کھوٹہ ایٹھی پلانٹ میں موجود تمام اہم آسامیوں سے ہٹایا جائے۔ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں قادیانیوں کیلئے علیحدہ کالم بنایا جائے جس میں انھیں بطور ایک غیر مسلم ظاہر کیا جائے۔ دراصل قادیانی تنظیمیں اسلامی نقاب کی آڑ میں تخریب کاری میں مصروف ہیں جن کو کہ پاکستان مخالف سرگرمیوں اور پاکستان کے آئین سے متصادم ہونے کی وجہ سے غیر قانونی قرار دینا چاہیئے اور ان کی املاک کو ضبط کر لینا چاہیئے۔

44۔ 15 جولائی 1984 کو امیر جماعت احمد یہ راولپنڈی ایڈ وکیٹ مجیب الرحمن نے مرزا طاہر کی ہدایات پروفاقی شرعی عدالت میں آرڈیننس کے خلاف ایک پیشہ دائر کی۔ وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس جناب آفتاب حسین، جناب جسٹس فخر عالم، جناب جسٹس چودھری محمد صادق، جناب جسٹس مولانا ملک غلام علی اور جناب جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی پر مشتمل ایک فل نخ نے آئینی درخواست کی۔ لاہوری جماعت نے بھی اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ عدالت 21 روز تک سماحت کرتی رہی اور 12 اگست 1984 کو ایک مختصر حکم کے ذریعے دونوں آئینی درخواستیں غیر موثر قرار دے کر مسترد کر دیں۔ عدالت نے قرار دیا کہ درخواستوں میں عائد کیے گئے الزامات کہ متدعویہ آرڈیننس قادیانیوں کے ہر طرح کے عقیدے کی آزادی کو متنازع کرتا ہے یا انہیں اپنی رسومات ادا کرنے سے منع کرتا ہے یا ان کے حق عبادت کو متنازع کرتا ہے درست نہ ہیں۔ متنزہ کرہ آرڈیننس آئین کی دفاعت اور قرآن و سنت کے احکامات کے تناظر میں درخواست دہندوں یا دوسرے قادیانیوں کے اپنے مذاہب کو قائم رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے حقوق کو متنازع نہیں کرتا ہے۔ ان کو آزادی ہے کہ وہ قادیانیت یا احمد یہ مذہب اختیار کریں یا مرزاع غلام احمد پر بطور پیغمبر، یا مسیح یا مہدی کے طور پر عقیدہ رکھیں۔ ان کو اس بات کی بھی آزادی ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں میں اپنے مذاہب کے مطابق عبادت کر سکے۔ عدالتی فیصلہ قرار دیتا ہے کہ متدعویہ آرڈیننس 1974 کی آئینی ترمیم کا نتیجہ ہے جس کے تحت قادیانی اور لاہوری گروہ کو کریں۔ عدالتی فیصلہ قرار دیتا ہے کہ متدعویہ آرڈیننس 1974 کی آئینی ترمیم کا نتیجہ ہے جس کے تحت قادیانی اور لاہوری گروہ کو اسلامی شریعت کے احکامات کے مطابق غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔ اس آئینی فتوے کا نفاذ جسے قادیانیوں نے اپنے لئے سزا سے بریت کے طور پر درخواست فتحا نہ جانا تھا، قادیانیوں کو اس امر کی ممانعت کرتا ہے کہ وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ اپنے آپ کو مسلمان کہلوائیں یا ایسا طاہر کریں یا اپنے عقیدے کو اسلام کہیں۔ اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہنا اور عبادت کے لئے اذان دینا مسلمانوں کے لئے مختص ہے۔ ایک ہی طرح کا نام یا ایک ہی طرح کی اذان سے مسلمانوں کو دھوکہ ہو سکتا ہے اور وہ ایک غیر مسلم امام یا ایک غیر مسلم جگہ پر عبادت

کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ قادیانی اپنی عبادت گاہ کو کسی اور نام سے پکار سکتے ہیں اور اپنے عقیدے کے ماننے والوں کو کسی اور طریقے سے عبادت کے لئے بلا سکتے ہیں۔ ام المؤمنین، صحابہ، اہل بیت وغیرہ جیسے القابات کا احمد یوں کی جانب سے استعمال نہ صرف مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکا سکتا ہے بلکہ خود ان کے بارے میں تاثر مل سکتا ہے کہ قادیانی بھی مسلمان ہیں۔ یہ ممانعت کسی طرح بھی احمد یوں کے ایک مذهب رکھنے اور اس کی عبادت کرنے میں مداخلت نہیں ہے۔ احمد یوں کے مذهب کی ترویج کی ممانعت قرآن اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے منافی نہیں ہے۔ یہ ممانعت احمد یوں اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بھی عین مطابق ہے جو انہیں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے سے منع کرتی ہے۔ تبلیغ میں ان کی کل حکمت عملی تبلیغ کے زیر اثر مسلمان کو مطمئن کرنا ہے کہ احمدی ہونے کے باوجود وہ مسلمان رہے گا۔ یہ آئین کے منافی بات ہوگی۔ 224 ناٹپ شدہ صفحات پر پھیلا ہوا تفصیلی عدالتی فیصلہ مرزا غلام احمد کو کافر قرار دیتا ہے۔ فیصلے کے مطابق اس کی زندگی کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ایک دھوکہ باز اور بد دیانت شخص تھا جس نے مرحلہ وار اور ایک منصوبے کے تحت اپنی تحریروں اور اقوال سے اپنے آپ کو محدث اور مسیح اکے طور پر ابھارا۔ اس کی پیشگوئیاں اور الہام جھوٹے ثابت ہوئے لیکن اپنے مخالفین کے ہاتھوں خفت سے نچنے کے لئے اس نے بسا اوقات اپنی تحریروں کی وضاحت میں کہا کہ اس نے کبھی پیغمبری یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ قائد اعظم کا قادیانیوں کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا کہ انہیں مسلمان تصور کیا جائے گا یا انہیں اسلام کے نام پر عبادت کرنے کی اجازت ہوگی۔ وفاقی شرعی عدالت میں مجیب الرحمن و دیگر 3 غیرہ بنام وفاقی حکومت پاکستان وغیرہ کے شاندار فیصلے (جو کہ پی ایل ڈی 1985 ایف ایس سی 8 میں روپورٹ ہوا) سے چند ایک پیراگراف یہاں نقل کرنے کے لائق ہیں تاکہ اس وقت کی صورت حال کی عکاسی ہو سکے:-

”مرزا غلام احمد کے دعوؤں کے تاریخی جائزے اور ان کے ارتقائی رجحان سے یہ بات پہلے ہی نوٹ کی گئی ہے کہ ہندوستانی بر صیر کے مسلمان مرزا غلام احمد کی جانب سے مجدد اور مامور من اللہ (اللہ کا معین کردہ شخص) کے دعوے سے بے چینی کا شکار تھے۔ انہوں نے بشارت کے انداز میں کہا تھا کہ یہ تو پیغمبری کی جانب پہلا قدم ہے۔ مرزا صاحب نے فوری طور پر اس کی تردید کی اور کہا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت پر پکالیقین رکھتا ہے اور اس کے خیال میں پیغمبری کا دعویٰ کفر سے کم نہیں ہے۔ مسلمانوں میں یہ بے چینی، تذبذب اور معاندانہ رجحانات تب بڑھے جب 1890 میں وعدہ شدہ مسیح اور مہدی کا دعویٰ کیا گیا۔ مرزا صاحب کی کتابوں اور دیگر قادیانی لٹریچر سے واضح ہو گا کہ جب وہ مختلف شہروں میں جاتا اور کہیں قیام کرتا تو مسلمانوں کا ٹھٹھ لگ جاتا۔ علماء بھی بہت زیادہ تنخ پا تھے۔ یہ احتجاج تب اپنی انہا کو پہنچا جب 1901 میں مرزا صاحب نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔

قیام پاکستان کے بعد، یہ احتجاج اس حد تک بڑھا کہ اس پر قابو پانے کے لئے 1953 میں مارشل لاءِ لگانا پڑا۔ تاہم اس سے مسلمانوں کے مطالبوں کو ختم نہ کیا جا سکا جو علماء کی جانب سے 22 نکاتی پروگرام کی صورت سامنے آیا اور کہا گیا کہ آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اور اقلیت کا درجہ دیا جائے۔

مارشل لاء کے نفاذ کے باوجود احتجاج جاری رہاتا آنکہ قادیانیوں کے نقطہ نظر کی فرقہ قادیانیت کے سربراہ مرزا ناصر احمد کی زبانی بھر پور سماحت کے بعد پارلیمنٹ اور قومی اسمبلی میں مسلمانوں کے نمائندوں نے آئین (دوسری ترمیم) ایکٹ 1974 پاس کیا اور 1973 کے آئین کے آرٹیکل 260 میں ایک تعریف کا اضافہ کیا گیا جس کے مطابق قادیانیوں کے دو بڑے گروہوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا اور آرٹیکل 106 میں ترمیم کے ذریعے دوسری اقلیتوں بشرط عیسائیوں، پارسیوں اور

ہندوؤں کے ہم پلہ اقلیت قرار دیا گیا۔

اس ڈکٹریشن کے نتیجے میں جو مسلمانوں کا مشترکہ مطالبہ تھا، قادیانیوں کے لئے ممکن نہ رہا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکیں یا اپنے تصور اسلام کو صحیح اسلام سے تعبیر کریں لیکن انہوں نے آئینی ترمیم کی پروانہ کی اور اپنی روشن برقرار رکھتے ہوئے اپنے عقیدے کو اسلام سے تعبیر کرتے رہے۔ وہ اپنے مذہب کی کتابوں، رسالوں وغیرہ کی اشاعت سے کھلے بندوں تشویش کرتے رہے جس سے انفرادی سطح پر مسلمانوں میں غم و غصہ پیدا ہوتا رہا جس سے نقص امن کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا اور یہ سب کچھ تک ہوتا رہا جب تک کہ موجودہ آرڈیننس پاس ہو کر مشتہر نہیں ہو گیا۔ اندر میں حالات، یہ آرڈیننس آرڈیکل 20 کی استثناء سے امن و امان کے قیام سے متعلق ہے۔“

45۔ درج بالا آرڈیننس کے تحت لگائے جانے والی پابندیاں لا ہو رہائی کورٹ میں مرزا خود شید احمد وغیرہ ہماں حکومت کے عنوان سے چیلنج کی گئیں جس میں قرار دیا گیا:

”36۔ مزید برآں، ایسے بیزار جنڈے شہریوں کی غالب اکثریت کے مذہبی جذبات کو محروم کرنے کا باعث بننے ہیں جو اس طرح کے جشن کو کا عدم قرار دینے کی ایک اور دلیل فراہم کرتے ہیں کیونکہ اس کے نتیجے میں امن و امان میں خلل کا خدشہ تھا۔ یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ عقیدہ رکھنا اور اس پر عمل کرنے کے حقوق کا صرف دعویٰ کیا گیا تھا لیکن درخواست گزار کے فاضل وکلاء یہ ثابت کرنے میں ناکام رہے کہ ایسے جشن کا انعقاد اور اور منصوبہ بندی قادیانی عقیدہ رکھنے کے حق کی کس طرح خلاف ورزی ہے یا اس کی حیثیت کو گھٹاتا ہے۔ قادیانی بھی ہندوؤں، سکھوں، پارسیوں اور دیگر مذہبی اقلیتوں کی طرح اپنا ایمان رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہوئے تمام آزادیوں کا لطف اٹھاتے ہیں لیکن ان کے اپنے طرزِ عمل سے ایک مشکل پیدا ہوتی ہے جب وہ مسلمان کھلانے کی کوشش کرتے ہیں اور شعائر اسلام یا کلمہ طیبہ کا استعمال کرتے ہیں جو اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ کوئی ناخوشنگوار صورتحال یا واقعہ اس صورت میں پیش نہیں آئے گا اگر قادیانی آئینی مینڈیٹ کی پاسداری کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمانوں سے مختلف اور علیحدہ برادری تسلیم کرتے ہیں۔ جو کہ ان کا اپنا ہی مقدمہ ہے۔ ان کا اپنے آپ کو مسلمانوں کی جگہ رکھ کر عام مسلمانوں کو اسلام کے دائرے سے خارج کرنے کا عمل مسلم امہ کو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ ان کی ملک، آئین اور اپنی علیحدہ حیثیت سے وفاداری ان کے تحفظ اور ان کے بہبود کو یقینی بنائے گی۔ انہیں اسلام کو ہائی جیک کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ انھیں اپنا عقیدہ رکھنے کی بھرپور آزادی ہے لیکن وہ مسلمانوں کے عقیدے کو ناپاک کرنے پر اصرار کیوں کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا اپنے عقیدے کی پاکیزگی کے تحفظ کے لئے اٹھایا جانے والا کوئی بھی عمل قادیانیوں کو نہیں کھلکھلا چاہئے اور نہ ہی ان کے لئے یہ شکایت کی وجہ ہوئی چاہئے۔“

قادیانیوں (دونوں گروہوں) نے وفاقی شریعت کورٹ کے فیصلے کو سپریم کورٹ (شریعت نج) میں آئین کے آرڈیکل 203F کے تحت چیلنج کیا۔ درخواست گزار مجیب الرحمن، مرزا نصیر احمد، مبشر لطیف احمد اور مظفر احمد قادیانی جماعت کی ترجمانی کر رہے تھے اور کیپٹن (ر) عبدالواجد نے لا ہو رہی جماعت کا نقطہ نظر پیش کیا۔ قادیانی ترجمانوں نے اپل جمع کروائی کہ متدعو یہ آرڈیننس احمدیوں کے عقیدے اور عبادت کے بنیادی حقوق میں مداخلت ہے اور قرآن و سنت کی منشا سے متصادم ہے۔ ان کا بیان تھا کہ: ”مخصر دلائل کے ساتھ اپیل کی یہ دستاویز مختصر حکم کی بنیاد پر درج کروائی جا رہی ہے۔ اپیل دہندگان اپیل کے لئے مفصل دلائل تب پیش کریں گے جب مفصل فیصلہ جاری کیا جائے گا۔“ ان کی اپیل کے لئے مختصر

دلائل یہ تھے کہ وفاقی شریعت کو رٹ نے اپنے مختصر فیصلے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ: ”متدعویہ آرڈیننس، 1974 کی آئینی ترمیم کا نتیجہ تھی جس کے مطابق قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا خواہ وہ لاہوری گروہ سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی اور گروہ سے اور یہ کہ یہ آرڈیننس آئینی فتوے کا نفاذ تھا۔ وفاقی شریعت کو رٹ اس بات کا تعین کرنے میں ناکام رہی ہے کہ آرڈیننس کے آئینی ترمیم کا نتیجہ ہونے کا درخواست گزار کی استدعا سے کوئی تعلق نہیں تھا (آئین کا آرٹیکل 203D)۔ وفاقی کو رٹ کی ذمہ داری اس بات کا تعین کرنا تھا کہ کیا یہ آرڈیننس قرآن مجید اور سنت کے احکامات سے روگردانی ہے یا نہیں؟ اس کا آئین سے تعلق نہیں تھا۔ سپریم کو رٹ آف پاکستان نے 10 اور 11 جنوری 1988 کو دونوں شریعت اپیلوں کی سماught کی اور انھیں واپس لئے جانے پر خارج کر دیا۔

46۔ یہ 23 مارچ 1889 تھا جب مرزاغلام احمد نے لدھیانہ، پنجاب میں بیعت قبول کر کے باقاعدہ طور پر احمدیہ تحریک کا آغاز کیا۔ کچھ عرصے سے قادیانی منصوبہ بندی کر رہے تھے کہ 1989 کو اپنی کیوٹی کی صد سالہ تقریبات کے طور پر منایا جائے۔ اس ضمن میں ربوہ کے احمدیوں نے اس موقع کو شایان شان طریقے سے منانے کے لئے ایک تفصیلی پروگرام ترتیب دیا تھا۔ البتہ حکومت پنجاب نے مارچ کے مہینے میں ربوہ میں ان تقریبات کے انعقاد پر پابندی لگادی۔ احمدیوں کی جانب سے بے رحمانہ مبالغہ کی مہم کے بعد مسلمانوں کا غم و غصہ عروج پر تھا اور یہ خدشہ بجا تھا کہ ایسی تقریبات مسلمانوں کو اشتغال دلائیں کہ وہ اس کے خلاف سخت رد عمل کا مظاہرہ کریں۔ حکومتی پابندیوں کے باوجود ربوہ اور ملک کے دیگر حصوں میں رہنے والے احمدیوں نے باقاعدہ طور پر اس موقع پر جشن کا اہتمام کیا۔ پنجاب حکومت کی جانب سے جشن پر پابندیوں سے پشمیان ربوہ کے بڑوں نے لاہور ہائیکورٹ میں ایک پیشہ دائر کی جس میں عدالت سے استدعا کی گئی کہ صوبائی ہوم سیکرٹری کے مورخہ 20 مارچ 1989 کے صوبہ پنجاب میں جشن کی تقریبات پر پابندی کے احکامات کو غیر قانونی قرار دیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ضلعی محکمہ جنگ اور ریز ڈیشل محسٹریٹ ربوہ کی جانب سے تقریب کے دروازے ہٹانے، بیزرا اور روشنیوں کو ہٹانے اور اسکے ساتھ ساتھ دیواروں پر تحریریں درج نہ کرنے کے احکامات کو بھی غیر قانونی قرار دیا جائے۔ عدالت نے حکومت پنجاب کی جانب سے تقریبات پر پابندی کو جائز قرار دیا۔ جناب جسٹس خلیل الرحمن نے اپنے عدالتی فیصلے میں لکھا کہ قادیانی اپنا عقیدہ رکھنے اور پرکیٹس کرنے میں ہندوؤں، سکھوں، پارسیوں اور دیگر مذاہب کی اقلیتوں کی طرح آزاد ہیں لیکن مشکل تب پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنے آپ کو مسلمان کے طور پر پیش کرتے ہیں اور شعائر اسلام یا کلمہ طیبہ کا استعمال کرتے ہیں جو اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔ عدالت نے قرار دیا کہ اگر قادیانی آئینی مینڈیٹ کو نافذ کریں تو شخص امن کا خطرہ نہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ کیوٹی تصور کریں اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی صفائی کی جیکرے۔ ان کی ملک، آئین اور اپنی علیحدہ شناخت سے وفاداری ان کے لئے تحفظ اور پر سکون زندگی یقینی بنائے گی۔ انہیں اسلام کو ہائی جیکرے کی اجازت کیوں دی جائے؟ وہ کوئی بھی عقیدہ رکھ سکتے ہیں لیکن وہ مسلمانوں کے عقیدے میں ملاوٹ نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کی جانب سے اپنے عقیدے کو ملاوٹ سے پاک رکھنے کا عمل قادیانیوں کے لئے باعث پریشانی نہیں ہونا چاہئے یا اس سے انہیں کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔

47۔ مرزاطاہر احمد کی ہدایت پر، قادیانیوں نے سپریم کو رٹ میں اس عدالتی حکم کے خلاف اپیل دائر کی۔ انہوں نے قادیانیت کی ممانعت کے قانون کو بھی اس بنا پر چیلنج کیا کہ یہ آئین کے آرٹیکل 20 کے منافی تھا جو ہر شہری کو آزادی سے اپنا مذہب رکھنے، مشتہر کرنے اور پرکیٹس کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ جولائی 1993 میں جناب جسٹس شفع الرحمن کی سربراہی میں سپریم کو رٹ آف

پاکستان کے پانچ جوں پر مشتمل فلنج نے احمدیوں کی اپیل کو مسترد کر دیا جو آرڈننس XX کی مختلف دفعات کو چیخ کرنے کے لئے دائرہ کی تھی۔ فلنج میں جناب جسٹس شفیع الرحمن، جناب جسٹس عبدالقدیر چودھری، جناب جسٹس محمد افضل اون، جناب جسٹس سلیم اختر اور جناب جسٹس ولی محمد خان شامل تھے۔ بہت سے احمدیوں کی اپیلیں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 بی کے تحت کلمہ طیبہ کے نیج کے استعمال اور اذان کہنے پر سزا سے متعلق تھیں۔ جناب جسٹس عبدالقدیر چودھری، جن کا فیصلہ نیج کی اکثریت نے قبول کیا تھا، نے لکھا کہ ایسا صرف پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں ہوتا ہے کہ قوانین ایسے الفاظوں، ناموں اور القابات کا تحفظ کرتے ہیں جن کے خاص حوالے اور معنی ہوتے ہیں۔ احمدیوں کے اس موقف پر کہ ان میں سے بہت کو کلمہ طیبہ والا نج لگانے پر سزا ہوئی ہے، جناب جسٹس چودھری نے بھارتی کمپنی لاء کی دفعہ 20 کا تذکرہ کیا جو ایک ہی نام پر کوئی اور جریش کی ممانعت کرتا ہے۔ فاضل نج نے کہا کہ بھارتی آئین میں بھی ایسے ہی بنیادی حقوق کا تذکرہ ہے جیسے ہمارے آئین میں ہیں لیکن بھارتی عدالتوں کا ایک بھی ایسا فیصلہ نہیں ہے جو رجیشن کو بنیادی حقوق کے منافی قرار دیتا ہو۔ یہ تاثر دینے کے لئے دوسروں کے ٹریڈ مارک یا تفصیل کا استعمال کہ وہ دراصل استعمال کنندہ سے متعلق ہیں، ایک جرم کے مترادف ہے اور ایسا کرنے والے کو قید اور جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔ جناب جسٹس عبدالقدیر نے کہا کہ مقدمہ ہذا میں اپیل کنندگان جو کہ غیر مسلم ہیں کی منشاء ہے کہ وہ اسلام کو اپنا عقیدہ بیان کریں۔ ”اس بات کو سر ابا جانا چاہئے کہ دنیا کے اس حصے میں عقیدہ ابھی بھی مانے والے کے لئے سب سے قیمتی شے ہے اور وہ ایسی حکومت کو برداشت نہیں کرتا جو اس قسم کے دھوکہ دہی اور جعل سازی سے محفوظ نہ رکھے۔“ فاضل نج نے کہا کہ قادیانی کمیونٹی کا اصرار ہے کہ وہ منوع القابات اور ”شعائر اسلام“ استعمال کریں گے اس سے عام آدمی کے ذہن میں کوئی شک نہیں رہتا کہ اپیل کنندگان (قادیانی) ایسا بل ارادہ کرنا چاہتے ہیں اور اس سے ان پاک شخصیات کی توہین ہوتی ہے اور یہ دوسروں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ فاضل نج نے ایک امریکی جیورسٹ کا حوالہ دیا جس کا کہنا ہے کہ مذہب كالبادہ کسی کو عوام سے فراڈ کی اجازت نہیں دیتا۔ ”اگر احمدی کمیونٹی کا دھوکہ دہی کا ارادہ نہیں ہے تو وہ اپنے القابات کیوں نہیں بنایتے؟ انہیں احساس کیوں نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کے خاص علامتوں، نشانوں اور رسوم و رواج پر انحصار کر کے وہ اپنے مذہب کے کھوکھلے پن کو ہویدا کرتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں کوئی بھی قانون احمدیوں کو اپنے القابات ایجاد کرنے اور ان کے بالاستثناء استعمال سے منع نہیں کرتا ہے۔ اس نقطے کی طرف آتے ہوئے کہ متعدد آرڈننس مذہبی آزادی سے متصادم ہے جناب جسٹس عبدالقدیر چودھری نے کہا کہ مذہب اختیار کرنے آزادی قانون، عوامی امن اور اخلاقیات کے تالع ہے۔ فاضل نج نے کہا کہ دیگر ممالک کی عدالتیں آزادی عمل کی پاسداری کرتی ہیں۔ آزادی عمل قانون کے تالع ہے اور اس سے ہٹ کر اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فاضل نج نے Joh Stuart Mill کے ”آزادی“ کے موضوع پر لکھے گئے مضمون کا حوالہ دیا اور کہا کہ آزادی کا مطلب کسی فرد کے پاس ایک ایسا لائنس نہیں کہ جو جی میں آئے کرتا پھرے کیونکہ ایسی آزادی کا مطلب امن و امان کی عدم موجودگی ہو گا جو بالآخر آزادی کی تباہی پر منصب ہو گا۔ جناب جسٹس عبدالقدیر نے کہا کہ اپیل کنندگان (احمدیوں) نے وضاحت نہیں کی کہ متنازع القابات ان کے مذہب کا لازمی حصہ ہیں۔ دنیا بھر میں یہ طے شده اصول ہے کہ کوئی بھی ریاست کسی کے حقوق کے نام پر اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ دوسروں کے حقوق کی خلاف ورزی کرے یا ان سے ان کے حقوق چھین لے۔ ”کسی کو بھی کسی دوسرے طبقے کے مذہب کی ہٹک، نقصان یا توہین کی اجازت نہیں دی جاسکتی یا ان کے مذہبی جذبات بھڑکانے اور امن و امان کی صورت حال خراب کرنے کی اجازت نہیں دی سکتی ہے۔“ فاضل نج نے مرزا غلام احمد اور اس کے نام نہاد خلفاء کی تحریروں کا کثرت سے حوالہ دیتے ہوئے ثابت کیا کہ وہ

(احمدی) مسلمانوں کے مقابلے میں مذہبی اور سماجی طور پر علیحدہ ہیں۔ احمدیوں کو کوئی حق نہیں کہ ان القابات وغیرہ یا شعائرِ اسلام کو استعمال کریں جو بالخصوص مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ ان کا استعمال ان پر قانونی طور پر منع کیا گیا ہے۔ فاضل حج نے قرار دیا کہ پیغمبر خدا پر اعتقاد اور ان پر درود وسلام ہر مسلمان کا افضل عقیدہ ہے اس لئے اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ کہا جاتا ہے تو اس سے مسلمانوں کے جذبات محروم ہوتے ہیں۔ فاضل حج نے کہا کہ ”احمدیوں کو عوامی مقامات اجتماع یا جلسے کی اجازت دینے کا مطلب خانہ جنگی کی اجازت دینا ہے“، معزز عدالت عظمی نے اہم نقاط پر ایک متفقہ فیصلہ دیا جبکہ جانب جسٹس عبدالقدیر چودھری نے کچھ نقاط پر اپنا اختلافی نوٹ لکھا۔ ان کے فیصلے کے چند اقتباسات فیصلہ ہذا کا حصہ بنار ہے ہیں اور انہیں یہاں دوبارہ سے درج کیا جا رہا ہے:-

”ایک مرتبہ پھر اگر اپیل کنندگان یا ان کی کمیونٹی کے دھوکہ دہی کے عزم نہیں ہیں تو وہ اپنے القابات وغیرہ کیوں ایجاد نہیں کر لیتے ہیں؟ کیا انہیں اس کا احساس نہیں کہ دوسروں کے مذاہب کی علامات، نشانات اور رسوم و رواج کو استعمال کرنے سے وہ ان کے اپنے مذہب کے ہوکھے پن کو ہویدا کریں گے۔ اس صورت میں اس کا مطلب ہو سکتا ہے کہ ان کا نیامذہب پیش رفت نہیں کر سکتا ہے یا اپنے بل بوتے، اہمیت اور میراث پر وسعت نہیں پاسکتا ہے بلکہ اسے فریب پر انحصار کرنا پڑے گا۔ آخر کو دنیا میں بہت سے دیگر مذاہب ہیں اور ان میں سے کسی نے بھی مسلمانوں یا کسی اور کے القابات پر قبضہ نہیں جایا ہے بلکہ وہ فخر کے ساتھ اپنے عقائد رکھتے ہیں اور پیش کرتے ہیں اور اپنے ہیر و وؤں کو اپنے انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ تاہم یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں ایسا کوئی قانون نہیں جو احمدیوں کو اپنے القابات وغیرہ ایجاد اور ان کا بلا استثناء استعمال کرنے سے منع کرتا ہو اور ان کے مذہب کے خلاف کسی قسم کی کوئی قید نہیں ہے۔

مسلمان سمجھتے ہیں کہ بر صغیر میں انگریز راج کے دوران مسلم معاشرے میں احمدی کمیونٹی کا جنم نظریاتی محاذوں پر ایک سنجیدہ اور منظہم حملہ تھا۔ وہ اسے اپنی سالمیت اور یگانگت کے خلاف ایک مستقل خطرہ سمجھتے ہیں کیونکہ مسلم معاشرے کی سماجی و سیاسی تنظیم کی اساس مذہب ہے۔ اس تناظر میں ان کے القابات وغیرہ کا اس انداز میں استعمال جس سے مسلمانوں میں احساس پیدا ہوتا ہو کہ ان کی مذہبی شخصیات کی توہین اور ہتک مقصود ہے تو یہ امہ کی یگانگت اور قومی سکون کے لئے خطرہ ہے اور ماضی کی طرح اس سے امن و امان کا مسئلہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

احمدیوں کی جانب سے مسلمانوں کی علامات کے استعمال پر اصرار ان کے مشکوک موقف اور اسلام کو بطور پیغام افشا کرتا ہے اور اس مقصد کے لئے آرڈیننس کا انکار قابل فہم ہے۔ تاہم آئین اور آرڈیننس اپنی نیت اور مقصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس صورت میں ایک قادر یانی کی جانب سے یہ دعویٰ، اعلان اور اظہار یا اقرار اسی بات کا مظہر ہے کہ وہ اپنے عقیدے کو جھلائے بغیر مسلمان ہے جو نہ صرف آرڈیننس بلکہ آئین کی بھی خلاف ورزی ہے۔ ایسے واقعات مستقبل میں بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں جس سے ماضی کی طرح امن و امان کو سخت خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔

دوسری جانب، متدعویہ آرڈیننس اصل القابات، تشبیهات، خطابات اور دیگر ضروریات کا تحفظ یا اطلاق یقینی بناتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو ان کے سوا کوئی اور استعمال نہیں کر سکتا ہے جن کے لئے تحریر کیے گئے ہیں۔ احمدی ان کی بے تو قیری کرتے رہے ہیں اور انہیں لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے رہنماؤں اور عقائد وغیرہ کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں کہ وہ بھی اسی قسم، رتبہ اور اہمیت کے حامل لوگ ہیں۔ یہ طریقہ کارنہ صرف معصوم، سادہ اور علم لوگوں کو دھوکے کے

مترادف ہے بلکہ اس سارے عرصے کے دورانِ امن و امان کو بھی خدشات لاحق رہے ہیں۔ اس لئے یہ قانون سازی لازمی تھی جو کسی بھی طرح سے احمدیوں کی مذہبی آزادی کی مخالفت نہیں کرتی ہے اور صرف ان القابات وغیرہ کے استعمال کی ممانعت کرتی ہے جن پر ان کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ یہ آڑپنہ اپنے القابات ایجاد کرنے سے منع نہیں کرتا ہے۔“

اس مرحلے پر چھوٹی عدالت سے تاریخی اہمیت کے دو فیصلے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں جن کا تذکرہ موجودہ عدالتی فیصلہ میں ضروری ہے۔ ان میں ایک فیصلہ تقسیم سے قبل کالونی راج کے دوران کیا گیا تھا جبکہ دوسرا فیصلہ تقسیم کے بعد پہلی دہائی کے دوران ہوا تھا جو دوسری آئینی ترمیم، دیگر قانون سازی اور عدالتی فیصلوں سے دو دہائیاں قبل کیا گیا تھا۔ یہ دونوں فیصلے بر صغیر کی عدالتی تاریخ میں مینارِ نور ہیں جن میں فاضل حججِ صاحبان نے اس موضوع پر متعلقہ قوانین کی فریقین کے پرسنل لاء کے قانون کی روشنی میں وضاحت کی تھی۔ یہ دونوں فیصلے ترمیم کے پاس ہونے سے بھی پہلے واضح کر رہے تھے کہ قادیانیوں کی قانونی حیثیت اور درجہ قرآن و سنت کی روشنی میں بہت واضح ہے۔ 24 جولائی 1926 کو احمد پور شرقيہ کے گاؤں مہمند کے رہائشی مولوی الہی بخش نے اپنی بیٹی غلام آسمیہ کی ایما پر عبدالرزاق قادیانی کے خلاف احمد پور شرقيہ کی ایک پنجی عدالت میں ایک دعویٰ کیا تھا۔ دعوے میں مدعیہ نے الزام لگایا تھا کہ عبدالرزاق، جس سے اس کی سن بلوغت سے قبل شادی ہوئی تھی، قادیانی عقیدہ اختیار کرنے کے بعد اس کا قانونی شوہر نہیں رہا ہے۔ وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہو چکا ہے اور شریعت کے قانون کے تحت ایک مرتد کے ساتھ اس کی شادی منسوخ قرار دی جائے۔ مدعیہ نے اپنے جواب میں کہا کہ قادیانی مخصوص اسلام کا ایک فرقہ ہے اور ان کے عقیدے کے مطابق انہیں کافر اور مرتد قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے شادی کی منسوخی کی کوئی ٹھوس وجہ نہ ہے۔ یہ مقدمہ مختلف مراحل سے گزرا اور ڈسٹرکٹ حجج بہاولنگر منتظر محمد اکبر خان بی اے، ایل ایل بی کے سامنے سماعت کے لئے پیش ہوا۔ فاضل حجج نے کئی سوالوں کی بھرپور بحث کے بعد جس میں دونوں اطراف سے نامور علماء نے شرکت کی، 7 فروری 1935 کو اپنا فیصلہ سنایا۔ اس فیصلے کے مطابق:

**”فیصلہ：“** مدعیہ کے ایما پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزა صاحب (قادیانی کے مرزاغلام احمد) جھوٹی نبوت کا دعویدار ہے اس لئے مدعیہ جس نے مرزا صاحب کو پیغمبر تعلیم کیا ہے کو مرتد قرار دیا جائے۔ اس لئے احمد پور شرقيہ کے منصف کی جانب سے 4 نومبر 1926 کو جوابتاً تشقیح وضع کی تھی وہ مدعیہ کے حق میں ثابت ہوتی ہے اور قرار دیا جاتا ہے کہ مدعیہ قادیانیت اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے اور اس لئے فریقین کے مابین شادی مرتد ہونے کی تاریخ سے ختم ہجھی جاتی ہے۔ اگر مدعیہ کے عقیدے کو بحث کے تناظر میں دیکھا جائے تو مدعیہ نے مدعیہ کے الزام کے علاوہ عقیدے کے دیگر پہلو جو کہ مدعیہ نے اپنے لئے بیان کئے ہیں اسلامی عقیدے کے عمومی اصولوں کے مطابق ہیں اور وہ ویسے ہی ان پر عمل کرے گا جس طرح مرزا صاحب نے ہدایت کی ہے۔ اور چونکہ یہ مسلم امہ کے طریقہ کار سے مختلف ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتا ہے اور دونوں صورتوں میں وہ ایک مرتد ہے اور مرتد کی شادی اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے ختم تصور ہوتی ہے۔ لہذا مدعیہ کے حق میں دعویٰ ڈگری کیا جاتا ہے جو کہ مدعیہ کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کی بیوی نہیں رہی ہے اور وہ دعوے کے اخراجات کی بھی حقدار ہے۔“

48۔ اس مسئلے پر ایک اور عدالتی فیصلہ ایڈیشن سیشن حج راولپنڈی کی عدالت سے ہوا تھا جو ذیل میں دیا جا رہا ہے:-

**فیصلہ شیخ محمد اکبر صاحب۔ ایڈیشن سیشن حج راولپنڈی**

نقل فیصلہ از عدالت شیخ محمد اکبر صاحب پی سی ایس ایڈیشنل سیشن نج رو اول پنڈی، مورخہ ۳ جون ۱۹۵۵ء دراپیل ہائے دیوانی  
نمبر ۳۳، ۳۲، ۱۹۵۵ء از مسماۃ امتہ الکریم بنام لیفٹینٹ نزیر الدین ملک واٹ لیفٹینٹ نزیر الدین بنام مسماۃ امتہ الکریم مقدمہ  
ہائی کورٹ نمبر آر۔ ایس۔ ۱۔ اے ۱۹۵۵، ۳۰۸

مسماۃ امتہ الکریم دختر کرم الہی (قوم لوہار از روئے بیان میاں عطاء اللہ وکیل اپیل کنندہ) ۲۵ ستمبر ۱۹۳۹ء کو بے تقریب مبلغ  
دو ہزار روپیہ بطور مہر ایک میٹر بیلٹ مسمی نزیر الدین (قوم بڑھی مطابق بیان میاں عطاء اللہ) کے ساتھ بیانی گئی تھی۔ یہ  
نکاح مبینہ طور پر ایک حنفی مولوی سے پڑھوا گیا تھا۔ اپیل کنندہ کے دوسرا وکیل خواجہ محمد اقبال کے بیان کی رو سے مسمی  
نزیر الدین نے ایک بڑھی اور میٹر بیلٹ ہوتے ہوئے بھی جب اپنی خوش بختی کے باعث افواج پاکستان میں کمیشن  
حاصل کر لیا تو اس نے سوچا کہ آئندہ جب افسران اعلیٰ کے ساتھ اس کے مراسم بڑھیں گے، تو ایک لوہار کی بیٹی کا شوہر  
ہونے کے باعث اس کی تذلیل ہو گی اور افسران کی نگاہ میں اسے ”سوشل“ نہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس نے مورخہ  
۱۶ جولائی ۱۹۵۱ء کو ایک باقاعدہ طلاق نامہ کے ذریعے سے اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالی۔ اس پر مسماۃ امتہ الکریم نے اپنے  
سابقہ شوہر لیفٹینٹ نزیر الدین ملک کے خلاف مبلغ دو ہزار روپیہ مہر کی وصولیابی کے لیے مقدمہ دائر کر دیا۔ اس کے علاوہ اس  
نے ایک اور دعویٰ مبلغ ۳۰۰ روپے مالیت کے اس سامان جہیز کے بارے میں بھی کیا جو شادی کے موقع پر اس کو اپنے باپ  
سے ملا تھا اور جو اس کے سابقہ شوہرنے اپنے قبضہ میں رکھا تھا۔ یہ مقدمہ (pauper suit) تھا۔ لیفٹینٹ نزیر الدین  
ملک نے مسماۃ امتہ الکریم کے عائد کردہ الزامات کو بے بنیاد قرار دیا اور جہیز کے بارے میں بیان کیا کہ اول تو سامان مذکورہ  
اس کے قبضہ ہی میں نہیں ہے۔ دوسرا مدعا یہ کہ مطالبه مہر کے جواب میں یہ  
دلیل پیش کی گئی کہ اس نکاح کی انجام دہی چونکہ دھوکے اور فریب کے ذریعے سے ہوئی، لہذا یہ نکاح سرے سے باطل تھا۔  
اس امر کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ شادی کے موقع پر مدعا یہ کو مسلک حنفی کا پیرو نظاہر کیا گیا تھا حالانکہ دراصل وہ مرزا غلام احمد  
صاحب قادیانی کی پیروتھی اور یہ کہ اگر شادی کے طے پانے میں دھوکے اور فریب دہندگی کا ثبوت نہ بھی ملتے بھی یہ  
شادی ایک مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان ہونے کے باعث باطل تھی۔ اس طرح عندر پیش کیا گیا کہ ان واقعات کی بنا پر  
مدعا یہ حق مہر کے حصول کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس مقدمہ میں یہ ایک متفق علیہ امر تھا کہ فریقین کی شادی واقعی عمل میں آئی اور  
دونوں کے ملاپ کا شرہ پانچ سال کے لگ بھگ عمر کی ایک بچی کی صورت میں ظاہر ہے۔ مسماۃ امتہ الکریم نے مدعا علیہ کی  
طرف سے عائد کردہ الزام فریب دہندگی کی تردید کی اور عدالت سماعت میں اس نے اپنے حنفی العقیدہ ہونے کا اظہار کیا۔  
اس کے والد کرم الہی نے بھی عدالت سماعت میں اپنے حنفی مسلمان ہونے کا اظہار کیا تاہم ساتھ ہی یہ بات کہی گئی کہ ایک  
مسلمان مرد اور احمدی عورت کا نکاح بالکل ہی باطل نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کو ناجائز کہا جا سکتا ہے اور یہ کہ قانون  
کی نگاہ میں نکاح باطل کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن بطور خود ناجائز شادیوں کی ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں خاوند کو مہر کی  
واجبی یا مصروف رقم کی ادائیگی کرنی پڑتی ہے جب کہ شادی واقع ہو چکی ہو۔

لیفٹینٹ نزیر الدین نے یہ بھی بیان کیا کہ مدعا یہ اپنے مہر کے حق سے دست بردار ہو چکی ہے۔ کچھ اور ضمی نکات بھی  
اٹھائے گئے تھے چنانچہ فریقین کے دلائل سن کر عدالت سماعت نے مندرجہ ذیل امور برائے بحث واضح کیے:  
۱۔ آیا مدعا یہ اور مدعا علیہ کی شادی فریب اور دھوکہ دہی کے ذریعے سے عمل میں آئی کہ جس کے باعث مدعا علیہ مدعا یہ

کو مہر کی ادائیگی کا ذمہ دار نہیں رہا؟

۱۔ (الف) کیا مبینہ دھوکہ دہی کے عدم ثبوت کی صورت میں نکاح باطل ہی تھا نیز اس کا اثر دعویٰ مہر پر کیا پڑا؟

۲۔ کیا مدعیہ اپنے مطالبات مہر سے دست بردار ہو چکی ہے؟

۳۔ کیا مدعیہ کے جہیز کا کوئی سامان مدعاعلیہ کے قبضہ میں موجود ہے۔ اگر ہے تو کتنی مالیت کا؟

۴۔ ایسا ہونے کی صورت میں مدعیہ کس قسم کی امداد اور رعایت کی مستحق ہے؟

مقدمہ کی سماعت اور کارروائی کے اختتام پر میاں محمد سلیم صاحب سینئر سول نجح راولپنڈی نے اپنے فاضلانہ فیصلے مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء کے ذریعے سے مقدمہ طے کیا اور دیگر باتوں کے حسب ذیل نتائج اخذ کیے:

۱۔ فریقین کی شادی کسی قسم کے فریب یا دھوکہ دہی کے ذریعے سے طے نہیں پائی۔

۲۔ مدعیہ اپنے حق مہر سے کبھی دست بردار نہیں ہوئی۔

۳۔ مدعیہ کا سامان جہیز مالیتی مبلغ ۲۳۰۳ روپے مدعاعلیہ کے قبضہ میں ہے۔

میں نے مدعیہ مسماۃ امتہ الکریم کی جانب سے میاں عطاء اللہ ایڈ و کیٹ اور مدعاعلیہ لیفٹینٹ نزیر الدین ملک کی جانب سے جانب ظفر محمود ایڈ و کیٹ کی بحث اور دلائل سنے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے میرے رو برو مولہ بالانتاج کی صحت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ عدالت سماعت کے اخذ کردہ دیگر نتائج یہ ہیں:

(الف) قادیانیوں کو اہل کتاب تصور نہیں کیا جاسکتا۔

(ب) مدعاعلیہ کے ساتھ شادی کے وقت مدعیہ مسماۃ امتہ الکریم قادیانی ہونے کے سبب غیر مسلم تھی۔

(ج) فریقین کا نکاح مطلقًا ناجائز اور باطل تھا اور ازاد دو اجی تعلقات کے بعد بھی اسے جائز نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

(د) مہر قانوناً قابل بازیابی ہے۔

اوپر دیئے گئے نتائج اور معلومات کی بنیا پر میاں محمد سلیم صاحب نے مسماۃ امتہ الکریم کے حق میں اس کے سابقہ شوہر سے مبلغ ۲۳۰۳ روپے بابت مالیت سامان جہیز کے حصول کی، جو اس کے قبضہ میں تھا، ڈگری دے دی مگر اس کے دعویٰ حق مہر کو خارج کر دیا۔ اس فیصلہ ڈگری کے خلاف یہ دو اپیلیں داخل کی گئی ہیں۔ مسماۃ امتہ الکریم نے تو اپنے مہر مبلغ ۲۰۰۰ روپے کی وصولی کے لیے اپیل کی ہے اور لیفٹینٹ نزیر الدین ملک کی اپیل سامان جہیز کی مالیت سے متعلق ڈگری سے چھٹکارا پانے کے لیے ہے۔ مختلف شہادتوں اور خصوصاً مسماۃ امتہ الکریم کے خطوط سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نکاح کے وقت قادیانی تھی لہذا میں عدالت سماعت کے اخذ کردہ اس نتیجہ کی توثیق کرتا ہوں۔

اپنی بحث کے آغاز میں اپیل کنندہ کے فاضل وکیل میاں عطاء اللہ نے بشمولہ اور باتوں کے درج ذیل امور پیش

کیے:

۱۔ مسلمانوں کا اس امر پر کوئی اجماع نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے آخری نبی تھے اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔

۲۔ مسلمانوں کا اس بات پر بھی اجماع نہیں ہے کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہ رکھے وہ مسلمان نہیں۔

۳۔ اور نہ ہی ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ قادیانی احمدی غیر مسلم ہیں۔

عدالت سماught کے فاضل نجع مسئلہ زیر بحث نمبرا (الف) پر بحث سننے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ تھے کہ یہ مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ سلسلہ انبیا کے آخری نبی تھے اور آپؐ کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔ ان کے اس عقیدے کی خاص بنیاد ”خاتم النبین“ کے وہ الفاظ ہیں جنھیں قرآن حکیم نے ہمارے نبی اکرمؐ کی ذات اقدس کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن قادیانی حضرات ان الفاظ کو ”خاتم النبین“ پڑھ کر ان کے معانی ”نبیوں کے مہر کنندہ“ کے کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ان الفاظ کی یہ تعبیر اپنے اندر نبیوں کے ایک ایسے سلسلے کے جاری رہنے کی گنجائش رکھتی ہے جو آپؐ کے بعد آپؐ کی مہر لگ کر آتے رہیں گے۔ ان کے عقیدے کے مطابق مرزا غلام احمد صاحب بھی اسی نوع کے انبیا سے تھے اور قرآن حکیم سے علیحدہ کوئی کتاب لے کر مبعوث نہیں ہوئے بلکہ ان کے ذمہ یہ فرض تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے مزید الہامات کی روشنی میں اس کتاب کی تشریح و توضیح کریں۔ قادیانی اس طرح کے نبی کو ”ظلی“ یا ”غیر تشریعی“ نبی کہتے ہیں جو کہ ”تشریعی نبی“، یعنی نئی شریعت کے حامل نبی سے مختلف ہوتا ہے۔ اس موقع پر عدالت سماught نے یہ ضروری خیال کیا کہ خود مرزا صاحب کے مصنفوں ایک کتابچے سے حوالے دے کر یہ دکھایا جائے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ اصل میں کیا تھا؟

”پہلے میرا عقیدہ بھی یہی تھا کہ مجھے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، آپ رسول تھے اور آپ مقربین خداوندی میں سے ہیں اور جب کبھی میری فوقيت جانا کی خاطر مجھ پر کوئی نشانی ظاہر کی گئی تو میں نے اسے محض جزوی فوقيت ہی پر محمول کیا مگر جس وقت میرے اوپر وحی اللہ بارش کی طرح آنا شروع ہوئی تو میں اپنے سابقہ عقیدے پر قائم نہ رہ سکا آخر کار بھجے صاف طور پر اعزاز نبوت بخش دیا گیا۔“ (حقیقتہ الوجی ص، ۱۳۹، اورص، ۱۵۰)

اس باب میں مرزا صاحب کے تبعین کے نظریہ کو واضح کرنے کے لیے دوسرے قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کے مندرجہ ذیل اقتباس کو پیش کرنا ضروری سمجھا گیا:

”ہمارا یہ فرض ہے ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور نہ ان کی اقداء میں نماز میں پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ اللہ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔“ (انوارخلافت ص، ۹۰)

عدالت سماught مزید اس نتیجہ پر پہنچی کہ نبوت کے بارے میں قادیانی نظریہ دوسرے مسلمانوں کے عقیدہ کے سراسر خلاف ہے۔

مدعیہ کے فاضل وکیل نے عدالت سماught کے سامنے مقدمہ نمبر اے۔ آئی۔ آر۔ آر۔ ۱۹۲۳ء مدارس کی نظیر بھی پیش کی ہے جس میں قادیانیوں کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس نظریہ کی بنا پر تھی کہ مرزا غلام احمد صاحب کے اعلان نبوت کو اتنا قلیل عرصہ گزرا تھا کہ یہ کہنا ممکن نہیں تھا کہ مسلمانوں کی رائے عام قادیانیوں کو مسلمان کہنے کے خلاف ہے۔ عدالت سماught اس بات پر بحث سے اس ہی نتیجہ پر پہنچ چکی کہ یہ بات بلا خوف و تردید کی جاسکتی ہے کہ احمدیوں کے علاوہ مسلمانوں کے ہر طبقہ خیال کے علانے کسی نہ کسی موقع پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے نہ کہ مسلمانوں میں ہی کا ایک فرقہ۔ عدالت کے خیال میں یہ حقیقت ”تنتیخ نکاح مرزا بیان“، نامی اس پرفلٹ سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جو ۱۹۲۵ء میں ”اہل حدیث“ امرتسر کے دفتر سے شائع ہوا تھا اور جو اسلام کے مختلف فرقوں کے جید علماء کے فتووں پر مشتمل تھا۔ اس مسئلہ کی اس سے بھی زیادہ وضاحت ۱۹۳۵ء کے مشہور مقدمہ مسماۃ عائشہ بنام عبد الرزاق میں فاضل ڈسٹرکٹ نجج بہاولپور کے

فیصلہ سے ہو جاتی ہے۔ یہ فیصلہ کتابی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس میں قادیانیوں اور مسلمانوں کے متعدد اختلافات پر فریقین اور فریقین کی جانب سے پیش کردہ مذہبی رہنماؤں کے بے شمار دلائل اور فتوؤں کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔ اس ضمن میں عدالت سماعت نے اس حقیقت کا عدالتی نوٹس لینا ضروری سمجھا کہ قادیانیوں کے خلاف حالیہ ملک گیر امیجی ٹیشن کے دوران احمدیوں کے سوا مسلمانوں کے ہر طبقہ فکر کے علماء کی ایک کافرنس منعقد ہوئی جس میں انہوں نے متفقہ طور پر اعلان کیا کہ عرف عام (in the accepted sense) میں قادیانی مسلمان نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ ایک بالکل ہی جدا گانہ دین کے پیرو ہیں۔ لہذا اس موقع پر یہ بات بلا تامل کبھی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کا کامل اتفاق رائے کی رو سے قادیانی غیر مسلم ہیں۔ ایک اور بحث جو مدعیہ کے فضل وکیل نے چھیڑی، وہ تھی کہ احمدی کم از کم قرآن مجید پر تو ایمان رکھتے ہیں لہذا انہیں اہل کتاب یا تبعین قرآن پاک کے زمرہ میں شامل کیا جاسکتا ہے اور شریعت اسلامیہ میں مسلمان اور اہل کتاب کی شادی ناجائز نہیں ہے اور ایسی شادی کو اخذ دو اجی تعلقات ہو جانے کی صورت میں ”قانوناً“ تسلیم کیا جاتا ہے اور شوہر پر مہر کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔

یہاں عدالت سماعت نے یہ بات مزید اختیار کی کہ مدعا علیہ کے فضل وکیل نے شریعت اسلامیہ کے متذکرہ بالا اصول سے توکوئی اختلاف نہیں کیا لیکن ان کے نزدیک قادیانیوں کو اہل کتاب بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ فریقین کے وکیل اس بات پر متفق تھے کہ ”اہل کتاب“ کی کوئی معین تعریف (definition) کہیں نہیں ملتی۔ اس اصطلاح کے لفظی معانی ”کسی الہامی کتاب کو ماننے والا“ کے ہیں۔ مدعیہ کی جانب سے اس بات پر پورا ذور بحث صرف کیا گیا ہے کہ قادیانیوں کا چونکہ قرآن مجید پر ایمان ہے لہذا وہ اہل کتاب ہیں مگر ایسا کہنے سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے نظریہ کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے کیونکہ اگر ایک مرتبہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قادیانی قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر انہیں غیر مسلم قرار دینے کی کوئی معقول وجہ جواز باقی نہیں رہتی۔ مجھے یہ دلیل پسند نہ آتی۔ عدالت سماعت نے مزید کہا کہ درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ قرآن پر قادیانیوں کا ایمان مسلمانوں کی متفقہ تاویل و تشریح کے مطابق نہیں بلکہ اس کے بر عکس وہ اپنی مطلب برآری کے لیے قرآنی آیات کے مطالب کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اس وجہ سے انہیں دائرة اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ نیز قادیانی قرآن مجید پر اس طرح ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ نبی اکرم نے پیش کیا بلکہ مرزاغلام احمد کے پیش کردہ مطالب قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ عیسائیوں نے بھی اپنی الہامی کتاب یعنی انجیل میں تحریفیں کی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو اہل کتاب ہی سمجھا گیا ہے لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی مانتے ہیں لہذا اس حقیقت کے باوجود کہ مسلمانوں کی نگاہ میں عیسائیوں نے کتاب اللہ میں تحریفات کیں انہیں اہل کتاب ہی سمجھا گیا۔ عدالت سماعت کی نگاہ میں قادیانیوں کے معاملہ اس سے قطعاً مختلف ہے کیونکہ مسلمان مرزاغلام احمد صاحب کو ہرگز خدا کا نبی تسلیم نہیں کرتے بلکہ نبوت کا جھوٹا مدعی سمجھتے ہیں۔ ایسے جھوٹے مدعی نبوت کے پیروؤں کو کسی تخلیٰ کاوش سے اہل کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ وہ قرآن پر انہی معنوں میں ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ مسلمانوں کا سواد اعظم رکھتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مجید کے پہلے پارے میں ارشاد ہے کہ اس کتاب سے صرف وہی لوگ ہدایت پاسکتے ہیں جو اس چیز پر ایمان رکھتے ہوں جو نبی اکرم پر نازل ہوئی اور اس چیز پر جسے آپ سے پہلے کے انہیا پر نازل کیا گیا۔ **وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ**۔ عدالت سماعت کی رائے میں ان الفاظ کی رو سے یہ

کتاب (قرآن) ان لوگوں کے لیے ہدایت کا کوئی سامان نہیں رکھتی جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھی کسی وحی کے آنے پر اعتماد رکھتے ہوں۔ اس کتاب پر قادیانیوں کا ایمان چونکہ مرزاغلام احمد صاحب کے مزاعمہ الہامات کے مطابق ہے لہذا عدالت کی نگاہ میں مدعیہ کے فاضل وکیل کے دلائل میں کوئی وزن نہیں اور قادیانی اہل کتاب بھی نہیں سمجھے جاسکتے۔ مدعیہ علیہ کے ساتھ شادی کے وقت غیر مسلم تھی اس لیے فریقین کی شادی قطعاً باطل تھی اور ازاد دو اجی تعلقات کا ہونا بھی اس کو جواز نہیں بخش سکتا، لہذا مہر، قانونی لحاظ سے ناقابل بازیابی ہے۔ یاد رہے کہ احمد یوں کی لاہوری شاخ مرزاصاحب کو نبی نہیں مانتی بلکہ صرف مجددی مانتی ہے۔

اس مقدمہ میں پیش آمدہ سوالات بڑے دور رسمتائج کے حامل ہیں اور روزمرہ کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہماری معزز عدالت عالیہ لاہور کی طرف سے ابھی تک کوئی ایسی قانونی سند یا نظری موجود نہیں جس میں اس نکتہ پر مستند فیصلہ کیا گیا ہو۔ مدعیہ کے فاضل وکیل میاں عطاء اللہ نے فسادات کی جس تحقیقاتی روپورٹ کا حوالہ دیا ہے اور جس پر انحصر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزاغلام احمد صاحب ضلع گورDas پور کے قادیان نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے فارسی اور عربی کی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور ان کے مغربی تعلیم حاصل کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ وہ ۱۸۲۴ء میں سیالکوٹ کی ضلع کچھری میں محر مرقرار ہوئے جہاں انہوں نے چار سال ملازمت کی۔ مارچ ۱۸۸۲ء میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہیں ایک ”الہام“ کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک خاص مشن پر مقرر کیے گئے ہیں۔ بالفاظ دیگروہ ”مامور من اللہ“ ہیں۔ ۱۸۸۸ء میں ایک اور الہام کے تحت اپنے وابستگان سے بیعت کا مطالبہ کیا اور وہ ”قریب پھر ایک“ الہام، ہوا جس میں بتایا گیا کہ مسیح ناصری یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے نہ تو صلیب پر وفات پائی اور نہ ہی انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا تھا بلکہ ان ان کے حواریوں نے زخمی حالت میں صلیب پر سے اتار لیا تھا اور پھر ان کے زخم اچھے ہو گئے۔ اس کے بعد آپ چھپ کر شمیر چلے گئے جہاں آپ طبعی موت مرے اور یہ عقیدہ کہ وہ قیامت کے قریب اپنی اصل جسمانی حالت میں دوبارہ نزول فرمائیں گے، غلط ہے۔ آپ کے ظہور ثانی کے وعدہ کا مطلب محض یہ ہے کہ ایک شخص عیسیٰ ابن مریم کی صفات کا حامل ہوگا۔ پیغمبر اسلام ہی کی امت میں سے ظاہر ہوگا، سواب اس وعدہ کی تکمیل خود مرزاصاحب کی بعثت کی صورت میں ہو چکی ہے جو مثل عیسیٰ ہونے کے سبب مسیح موعود ہیں۔ اس عقیدہ کی تشبیہ سے مسلمان بھڑک اٹھے کیونکہ یہ ان کے اس مسلم عقیدے، کہ عیسیٰ ابن مریم اپنی اصل جسمانی حالت میں آسمان سے دوبارہ ظہور فرمائیں گے، کے خلاف تھا۔ چنانچہ مسلمان علماء میں اس نظریہ کے خلاف شدید مخالفت پیدا ہو گئی۔ پھر اس کے بعد مرزاصاحب نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔ وہ مہدی نہیں جو جنگ و قیال کرے گا بلکہ ایک ایسا مہدی جو اپنے دلائل سے مخالفین کو ختم کر دے گا۔ ۱۹۰۰ء میں مرزاصاحب نے ایک مزید عقیدہ لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ اب جہاد بالسیف باقی نہیں بلکہ اب جہاد صرف مخالفین کو دلائل سے قائل کرنے کی کوششوں تک محدود ہوگا۔ ۱۹۰۱ء میں مرزاصاحب نے ”ظلنی“ نبوت کا دعویٰ کیا اور ”اک غلطی کا ازالہ“ نامی اشتہار کے ذریعے عقیدہ ختم نبوت کی تشریع یوں کی کہ پیغمبر اسلام کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں ہوگا جو نبی شریعت لے کر آئے لہذا کسی غیر تشریعی نبی کی آمد ختم رسالت کے عقیدہ کے منافی نہیں ہے۔ نومبر ۱۹۰۲ء میں سیالکوٹ کے ایک عام جلسے میں مرزاصاحب نے مثالی کرشن ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔

جماعت احمدیہ کی تاسیس ۱۹۰۱ء میں عمل میں آئی اور اس وقت مرزاصاحب ہی کی درخواست پر مردم شماری کے

کاغذات میں اس جماعت کو مسلمانوں کے ایک علیحدہ فرقہ کی حیثیت سے ظاہر کیا گیا۔

مرزا غلام احمد صاحب کے تبعین کے مخالعہ بالا چند مخصوص عقائد اور نظریات نے مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان شدید مذہبی اختلافات کھڑے کر دیئے۔ تحقیقاتی عدالت کے معزز جوں نے اپنی رپورٹ میں مزید یہ کہا کہ احمدیہ فرقہ کے باñی مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ نبوت نے امت مسلمہ میں ایک ہیجان برپا کر دیا اور مسلمانوں کی رائے میں ان کے اس عقیدے نے انہیں دائرہ اسلام سے قطعی خارج کر دیا۔ ایک عام طور پر تسلیم شدہ حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بنی نواع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کی خاطر جوانبیا مأمور فرمائے ان کی تعداد ایک لاکھ چو میں ہزار ہے اور مسلمان آنحضرت ﷺ کو انہیا کے اس سلسلے کا آخری نبی مانتے ہیں۔ ان انہیا میں سے بعض کے نام خاص طور پر قرآن حکیم اور انجیل میں بیان کیے گئے ہیں۔ عقیدہ ختم نبوت کے یہ معانی کہ نبوت آنحضرت ﷺ کی وفات پر ختم ہو گئی اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

لَوْلَوْ! مُحَمَّدٌ تَمَهَّرَ بِمَرْدُوْلِ مِنْ سَكِّيْسَيْ كَبَّيْ بَأَبِيْنِيْ مَغْرُوبَهُ اللَّهُ كَرَّسَهُ كَعْلَمَ  
رَكْنَهُ وَالاَيْهَهُ۔ الاحزاب 40:33

یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ ”آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اس تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی“، ارشاد فرمائ کر اللہ تعالیٰ نے پوچھا ”کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ”اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ آل عمران 3:81

آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہذا تم ان سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارا دین چن لیا ہے۔ المائدہ 5:3

اس کے علاوہ متعدد احادیث اور قرون اولیٰ کی جن میں مستند تقاضی سے استدلال کیا گیا ہے، وہ سب اس مطلب کی ہیں کہ ہمارے نبی اکرمؐ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں۔

لیفٹیننٹ نزیر الدین کے فاضل وکیل شیخ ظفر محمود نے اپنی بحث میں رسالہ طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۳ء پمپلٹ ”ناح مرزا یاں“، رسالہ ”ترجمان القرآن“، نومبر ۱۹۵۳ء اور ”قادیانی مسئلہ“، ازمولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے استدلال کیا ہے۔

میاں عطاء اللہ نے رسالہ ”طلوع اسلام“، جولائی ۱۹۵۳ء ”ختم نبوت کی حقیقت“، از مرزا بشیر احمد ایم۔ اے (برخودار مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ ثانی مرزا غلام احمد صاحب) ”حق“، عرف مباحثہ لدھیانہ ”ازبانی فرقہ احمدیہ“، ”حقیقتہ الوجی“، ازبانی سلسلہ احمدیہ، فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء پر تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے قادیانی مسئلہ کا قادیانیوں کی طرف سے جواب ”تحقیقاتی عدالت میں مرزا بشیر الدین محمود کا بیان“، ”مقدمہ بہاولپور“، از جلال الدین شمس احمد ”تصدیق احمدیت“، از بشارت احمد وکیل حیدر آباد دکن ”حقیقتہ الوجی“، چوتھا ایڈیشن ۱۹۵۰ء تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر

ایک نظر، از جلال الدین شمس صدر انجمن احمد یہ پاکستان کے مفصل حوالے پیش کیے ہیں انھوں نے میری توجہ خاص طور پر قادیانیوں کے اس نقطہ نظر کی جانب مبذول کرائی ہے جس کا اظہار احمد یہ کمیٹی کے فاضل وکیل جناب عبدالرحمٰن خادم نے تحقیقاتی عدالت کے رو بر کیا تھا۔ وہاں خادم صاحب نے قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے استدلال کیا تھا۔

جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انہیا (جو تعیم دیتے ہیں) اور صدیقین (جو صداقت کے شیدائی ہیں) اور شہدا (جو گواہی دیتے ہیں) اور صالحین (جو نیک کام کرتے ہیں) کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ النساء 4:89

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہوگا اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔

الحدید 19:57

اے بنی آدم! یاد رکھو اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہیں آیات سنائیں! تو جو کوئی نافرمانی سے بچ گا اور اپنی اصلاح کر لے گا اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ الاعراب 7:37

اے نبیو! تمام پاکیزہ اور اچھی چیزوں سے مستفید ہو۔ نیک کام کرو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو میں اس سے پوری طرح باخبر ہوں۔ المؤمنون 32:91

بحث اور دلائل کے عمل سے مندرجہ بالا آیات سے یہ ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ مستقبل میں یعنی آنحضرت کے بعد بھی ایسی ہستیاں پیدا ہوتی رہیں گی جن پر ”نبی“ اور ”رسول“ کے الفاظ کا اطلاق ہو سکے گا اور ان دلائل کو مزید مضبوط بنانے کی کچھ احادیث، کچھ تقسیر اور کچھ قابل احترام روحانی مرتبہ کے بزرگوں کے اقوال سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس بات کو تو نہیں جھٹلایا گیا کہ مرزاغلام احمد صاحب نے اپنے لیے نبی کا لفظ استعمال کیا تھا تاہم یہ بحث کی گئی ہے کہ انھوں نے اس لفظ کو ایک مخصوص مفہوم میں استعمال کیا تھا نہ کہ اس کے اصطلاحی مفہوم میں اور وہ کوئی ایسے شخص نہیں تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تازہ پیغام لے کر آئے ہوں جو پہلے سے نازل شدہ کسی حکم کی ترمیم و تنقیح کرتا ہو نیز ان کا دعویٰ ”ظلی“ اور ”بروزی“ نبوت کا تھا نہ کہ تشریعی نبوت کا۔ فریق مخالف نے اس بات پر زور دیا کہ ”بروزی“ اور ”ظلی“ جن کا ترجمہ ”جسمانی ظہور“ کیا جاسکتا ہے اسلامی عقائد کے لیے اجنبی ہیں اور ہر وہ شخص جو ایک ایسی چیز کے حامل ہونے کا دعویٰ کرے جس کو ”وحی نبوت“ سے تعبیر کیا جائے سکے بہر حال ایک نئی امت کی تشکیل کرتا ہے اور آپ سے آپ دائرة اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مرزاغلام احمد صاحب، ان کے فرقہ کے موجودہ سربراہ اور اس فرقہ کے نمائندہ مصنفوں کی متعدد تحریروں کی مدد سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مرزاصاحب نے ایسے الہامات یا وحی پانے کا دعویٰ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی سے طرف حضرات انہیا کرام علیہم السلام کے لیے خاص ہے۔ لہذا بساری بحث سمٹ کر اس سوال پر آجائی ہے کہ آیا مرزاصاحب نے کبھی ایسی وحی کی پابندگی کا دعویٰ کیا جسے وحی نبوت سے موسم کیا جاسکے؟ ماضی میں جب بھی کوئی نبی آیا اس نے لوگوں پر جن کے درمیان اس کی بعثت ہوئی ایک ذمہ داری عائد کی (جس طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ نے ساری انسانیت پر آپؐ کے دعوے کو پر کھنے اور اس پر ایمان لانے کی ذمہ داری ڈالی) اور اپنی نبوت کا انکار کرنے پر انہیں آخرت کے مواخذہ کے مستحق ٹھہرایا۔ لہذا وہ لوگ اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ یا تو وہ اس کے دعوائے نبوت کو تسلیم کریں یا

پھر کھلے بندوں اسے رکر دیں۔ ایسے کسی دعوے کو قبول کرنے والوں پر مشتمل ایک نئی مذہبی برادری معرض وجود میں آ جاتی تھی جسے پچھلے عقیدہ کے حامل لوگ اپنے سے خارج سمجھتے تھے اور نئی جماعت ان لوگوں کو اپنی برادری سے باہر تصور کرنے لگتی تھی جو اس کے نبی پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ مرتضیٰ صاحب نے بھی لوگوں کی طرف اسی ہدایت کے ساتھ اپنا ہاتھ بڑھایا کہ وہ اسے قبول کریں مگر مسلمانوں نے مرتضیٰ احمد کے دعوائے نبوت کو مسلمہ کذاب کی مانند سمجھا۔ اپنی اولین تحریروں میں مرتضیٰ صاحب نے صاف صاف الفاظ میں تسلیم کیا تھا کہ مسلمان ہونے کے لیے اسلام کے بنیادی عقائد جن پر عام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اپنی کتاب ”ایام صلح“، میں احمد یہ فرقہ کے بانی نے خود تحریر کیا کہ اہل سنت کے بنیادی عقائد جن پر عام مسلمانوں کا اجماع ہے، اسلام ہے جس پر ایمان لانے کے مسلمان پابند ہیں۔ ایک دوسری کتاب ”انجام آئھم“، میں انہوں نے لکھا کہ جو شخص شریعت سے سرمو بھی تجاوز کرے اور ان اصولوں کو اپنانے سے انکار کرے جن پر امت کا اجماع ہے تو وہ اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کا مستحق ہے۔ اور ان کا اسی بات پر پختہ عقیدہ تھا پر کتاب ”ازالہ اوہام“ کے صفحہ ۲۳۰ پر لکھتے ہیں کہ تو اتر (جو لوگوں کا مسلسل عقیدہ رہا ہو) کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی مرتضیٰ صاحب نے خود اپنی ہی نبوت کا دعویٰ کھڑا کر دیا۔ ان کی اس ”نبوت“ کی نوعیت خود ان کے اپنے اور ان کے جانشینوں اور پیروکاروں کے اعلانات، ہدایات اور تحریرات کی روشنی میں حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ ”حقیقتہ الوجی“ کے ایک الہام میں دعویٰ کیا کہ خدا نے انہیں ”محمد“ اور رسول کے الفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔
- ۲۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ قرآن و حدیث کی پیش گوئیاں انہیں کے بارے میں ہیں اور آیت ”ھوالذی ارسل رسولہ بالحمدی، انہیں کے متعلق ہے۔ (اعجاز احمدی، ص ۱۷)
- ۳۔ ”ضمیمه بر اہین احمدیہ“ کے صفحہ ۱۳۹ پر اعلان کیا کہ لفظ ”نبی“ کے معانی پر آج تک کسی نے غور نہیں کیا اور یہ کہ اس لفظ سے مراد صرف ایسا ہی شخص ہے جو اپنے ساتھ مکالمہ کرنے والے خدا کی بھیجی ہوئی وجہ کے ذریعے اس کی خبریں لوگوں تک پہنچائے۔ ایسے شخص کے لیے ضروری نہیں کہ وہ صاحب شریعت ہو اور نہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ کسی صاحب شریعت نبی کا پیرو ہو نیز روز حشر تک تمام انسانوں کو مرتبہ نبوت کے حصول سے محروم کر دیئے جانے کی کوئی تک نہیں۔ جو دن لوگوں کا اس قسم کی باتیں سکھائے وہ لاکن مذمت ہے اور جو انسان اس طرح کی چیزوں کا ڈھنڈو را پیٹتا پھرے وہ اللہ کا نبی نہیں ہو سکتا البتہ شیطان کا پیغام برسرو ہو سکتا ہے۔ یہ باتیں اسلام اور رسول مقبول ﷺ کی کھلی تو ہیں ہیں۔
- ۴۔ ”داغ البلا“ کے صفحہ اپر لکھا کہ سچا خدا ہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔

- ۵۔ ”حقیقتہ الوجی“ کے صفحہ ۱۲۹-۱۵۰ پر لکھا ہے کہ پہلے میرا عقیدہ یہ تھا کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمسر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ رسول تھے مگر بعد ازاں جب مجھ پر وحی کی بارش ہوئی مجھے اپنے سابقہ عقیدے کو ترک کرنا پڑا۔ اب اللہ مجھے رسول کہہ کر پکارتا ہے اور مجھے اس نے واضح طور پر اپنا رسول مقرر کیا ہے۔

- ۶۔ ”ازالہ اوہام“ کے پہلے ایڈیشن کے صفحہ ۲۳۳ پر خود کو رسول احمد کہا ہے اور اپنا مرتبہ قرآن سے جانا کی سمعی کی ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۵ پر اپنے آپ کو مسح موعود بتایا ہے اور ”معیار الاحیا“ کے صفحہ ۱۱ پر خود کو متعدد انبیا کرام سے افضل کہا ہے۔ ”خطبہ الہامیہ“ کے صفحات ۳۵/۱۹ پر اپنے آپ کو انسانیت کے بلند ترین مقام کا حامل بتایا ہے۔ اپنی تقریر سیالکوٹ کے صفحہ ۳۳ پر مسلمانوں کے لیے مسح و مہدی اور ہندوؤں کے لیے کرشن مہاراج ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ”داغ

البلا، کے صفحہ ۳۲ پر یہ لکھ کر حضرت امام حسین پر اپنی فویت کا دعویٰ کیا ہے کہ حسین علیہ السلام اپنے شہنوں کے ہاتھوں مارے گئے مگر وہ (یعنی مرزا صاحب) شہید محبت (خدا کی محبت) ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ کے اہل خاندان کی بے حرمتی ان الفاظ میں کی ہے کہ آپ علیہ السلام کی تین دادیاں اور تین نانیاں بدکار عورتیں تھیں نیز آپ علیہ السلام عادی کذاب اور دروغ گو تھے اور آپ علیہ السلام کے پاس دجل و فریب اور مسمر یزم کے سوا کچھ نہیں تھا۔

ے۔ غیر مبہم اور واضح انداز میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں نبی ہوں اور اس امت میں نبی کا لفظ صرف میرے ہی لیے خاص ہے۔ (حقیقتہ الوجی، ص ۳۹۱)

مجھے وحی آئی ہے۔ اور مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (ایضاً)

میں وحی کے بغیر کچھ نہیں کہتا (اربعین جلد ۳)

اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ بلاشبہ میں اس کا رسول ہوں۔ (ایضاً، ص ۷۰)

اللہ نے اور کسی انسان کو وہ عزت نہیں بخشی جو مجھے بخشی ہے۔ (ایضاً، ص ۱۰۶)

اللہ نے مجھے کو ثرعطا فرمایا ہے۔ (ضمیمه انجام آنکھم، ص ۳۵)

اپنے آپ کو سچا اور اصل خدا کہہ کر اللہ تعالیٰ کا درجہ دیا اور کہا میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں ہی خدا ہوں اور میں نے ہی یہ میں وآسمان پیدا کیے ہیں۔ (آنئینہ کمالات ص ۵۶۲، ۵۶۵)

ہر وہ شخص جو ان پر ان کی اپنی بیان کردہ حیثیت میں ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔ (حقیقتہ الوجی، ص ۱۶۳)

ان کے تبعین کے لیے ان کا انکار کرنے والوں کی اقدام میں نمازوں پڑھنا منوع ہے۔ (فتاویٰ احمد یہ جلد نمبراء، ص ۱۸)

خدانے انہیں اپنا بیٹا کہہ کر مخاطب کیا۔ (البشارۃ، ص ۳۹)

اللہ نے بتایا کہ اگر وہ انہیں پیدا نہ کرتا تو اس کا سُنّات ہی کو پیدا نہ کرتا۔ (حقیقتہ الوجی، ص ۹۹)

مرزا صاحب کے ان دعاویٰ کی بنا پر ۱۹۲۵ء میں تمام فرقوں کے علماء سے ایک فتویٰ حاصل کیا گیا جس پر عدالت سماعت نے اعتماد کیا ہے۔

۸۔ مرزا غلام احمد کے ذکورہ بالا اعلانات سے نبوت کو ان کے جانشین اور احمدیہ فرقہ کے موجودہ سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کی طرف سے مسلسل دہرا یا جاتا رہا ہے۔ اپنی کتاب ”حقیقت نبوت“ کے صفحہ ۲۲۸ پر مرزا محمود نے لکھا ہے کہ یہ امر روز روشن کی طرح ایک مسلمہ حقیقت کا روپ دھار چکا ہے کہ پیغمبر اسلام کے بعد نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ ”انوار خلافت“ میں انہوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں نے غلط طور پر یہ سمجھ رکھا ہے کہ خدا کے خزانے خالی ہو چکے ہیں۔ انہیں اللہ کی قدرت کا اندازہ نہیں ورنہ ایک تو کیا میں یقین سے کہتا ہوں کہ ہزاروں انبیا اور آئیں گے۔ اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۵ پر احمد یوں کے موجودہ

سربراہ نے لکھا ہے کہ اگر اس کی گردان کے دونوں جانب تواریں رکھ کر اس سے یہ بیان کرنے کو کہا جائے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا تو وہ یہی کہے گا (کہ ایسے بنیان کا مطالبہ کرنے والا) شخص جھوٹا ہے کیونکہ کے نبی کریم ﷺ کے بعد انبیا کی بعثت ہو سکتی ہے اور بالیقین نبی مبجوث ہوئے ہیں۔ اس طرح مرزا غلام احمد صاحب نے نت

نئے نبیوں کے ظہور کا دروازہ کھولا اور قادیانی جماعت نے مرزا غلام احمد صاحب کو سچا نبی مانا۔ اس مسئلہ پر حسب ذیل مثالیں پیش کی ہیں:

- الف۔ ۵۔ مارچ ۱۹۰۸ کے ”بدر“ میں مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا کہ انہیں اللہ کے حکم سے نبی بنایا گیا ہے۔
- ب۔ مرزا بشیر الدین نے ”حقیقت نبوت“ کے صفحہ ۲۷ اپر لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب ”نبی“ کی اصطلاح کی معروف تعبیر اور شریعت کے مطابق نبی تھے، وہ مجازی نہیں بلکہ حقیقی نبی تھے۔
- اس نوع کی نبوت کے دعوے کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ جو کوئی مدعی کے اعلان کردہ مرتبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرے وہ کافر قرار پائے۔ بیان بھی یہی کیا گیا ہے کہ قادیانی ان سارے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کی حقیقی نبوت پر ایمان نہیں لاتے۔ اس نتائج کی وضاحت میں مندرجہ ذیل مثالیں پیش کی ہیں:
- ۱۔ ”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر ہیں اور دائرة اسلام سے خارج ہیں۔“ (مرزا بشیر الدین محمود، آئینہ صداقت ص ۳۵)
  - ۲۔ ”ہر وہ شخص جو موسیٰ پرتو ایمان رکھتا ہے مگر عیسیٰ پر ایمان نہیں لاتا یا عیسیٰ پرتو ایمان رکھتا ہے مگر محمد ﷺ پر ایمان نہیں لاتا یا پیغمبر اسلام ﷺ پرتو ایمان رکھتا ہے لیکن مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے اور دائرة اسلام سے خارج ہے۔“ (ریویو آف ریلیجنز، ص ۱۱۰)
  - ۳۔ سب نجّ گوردا سپور کی عدالت میں مرزا بشیر الدین محمود نے حسب ذیل بیان دیا جو ”فضل“، مورخ ۲۶۔۲۶۔۱۹۲۲ء میں یوں شائع ہوا۔

ہم مرزا صاحب پر ایمان رکھتے ہیں جب کہ غیر احمدی ان پر ایمان نہیں رکھتے اور قرآن کی تعلیمات کی رو سے کسی نبی کا انکار کفر ہے الہذا تمام غیر احمدی کافر ہیں۔

۶۔ مرزا صاحب نے درج ذیل اشعار کہے ہیں:

(الف) ننم مسیح زماں و ننم کلیم خدا

نم نم محمد و احمد کے محبتی باشد!

(ب) میں کبھی موسیٰ کبھی عیسیٰ کبھی یعقوب ہوں

نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

یہ ہے وہ مرتبہ و منصب جس کے مرزا صاحب دعوے دار ہیں اور اس مرتبہ کا انکار کرنے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے اس عقیدہ کو اپنی نبوت کی تائید کا ذریعہ بنانے کی سوچی کہ حضرت عیسیٰ کی صلیب پر وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ چوتھے آسمان پر زندہ ہیں جہاں سے یوم حشر سے قبل آپ کا زمین پر نزول ثانی ہو گا اور یہ نزول قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔ چنانچہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کا مرتبہ اپنے لیے مختص کیا اور مسیح موعود ہونے کا لقب اختیار کیا۔ یہاں کے سلسلہ الہامات کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کا ایک ایک اور عقیدہ یہ بھی ہے کہ قیامت سے قبل حضرت امام مہدی تشریف لائیں گے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے اپنے لیے مہدی موعود کے منصب کا بھی دعویٰ کیا۔ وہ یہ حقیقت جانتے تھے کہ گذشتہ چودہ صد یوں میں مسلمہ کذاب اور اس قماش کے جس کسی فرد نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اسے

مسلمانوں نے برداشت نہیں کیا اس لیے انہوں نے ”مہربان حکومت انگلشیہ“ کی مخالفت کا سہارا تلاش کیا۔ تحقیقاتی عدالت کے فاضل جھوٹ نے اس نکتہ پر حسب ذیل تبصرہ ہے:

”اس قسم کے تفرقات انگریزوں کے لیے مفید طلب تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے مکھوں ایسے جھگڑوں میں اس حد تک انجھے رہیں جہاں تک ملکی امن و امان کو کسی خطرے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر لوگ ایک دوسرے کو جنت و جہنم میں بھینجئے کے بارے میں باہم اس طرح دست و گریبان رہیں کہ نہ تو ان میں کوئی سرپھٹوں ہوا ورنہ ہی وہ دنیاوی مفادات کا کوئی مطالیہ کریں تو انگریز اس قسم کے نزعات کا پورے سکون و استقلال بلکہ تسکین خاطر کے ساتھ تما شادی کیتھے رہتے تھے۔ مگر جو نہیں انھیں کوئی فرق آمدہ پیکار دکھائی دیتا تو وہ سخت گیر اور غیر مصالحت پسندانہ پالیسی اختیار کر لیتے۔ مرزاصاحب برطانوی راج کی اس برکت کی پوری قدر جانتے تھے جو ایسے بحث مباحثوں کی نہ صرف اجازت دیتا تھا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا تھا اور تحریک احمدیہ کے بانی اور اس تحریک کے خلاف غیر احمدی حضرات کو ایک خاص شکایت ان کا انگریزوں کی انتہائی خوشامد اور کاسہ پالیسی کا یہ طرز عمل بھی ہے۔“

قادیانی فرقہ کے بانی کو ظہور اسلام کے بعد مسلمہ کذاب اور دیگر مدعاوں نبوت کا حشر معلوم تھا اس لیے یہ فرقہ اپنی ”نبوت“ کے قیام و استحکام کی خاطر تاج برطانیہ کے سایہ محافظت اور سرپرستی کا شدید محتاج تھا۔ اس ضمن میں مرزا غلام احمد صاحب کی ان تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۱۔ ”ملفوظات احمدیہ“ کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۳۶ پر مرزا غلام احمد صاحب رقم طراز ہیں:

”برطانوی حکومت بے شمار پہلوؤں سے ہماری خیرخواہ ثابت ہوئی ہے اگر ہم اس جگہ کو چھوڑ دیں تو ہمارے لیے نہ کہ میں جگہ ہے اور نہ ہی قسطنطینیہ میں۔ پھر بھلا ہم حکومت برطانیہ کے برخلاف اظہار خیال کیسے کر سکتے ہیں۔“

۲۔ ”تبیغ رسالت“، جلد ۶ صفحہ ۹۶ پر غلام مرزا احمد صاحب نے لکھا:

”میں اپنے کام کو نہ تو مکہ میں رہ کر جاری رکھ سکتا ہوں اور نہ مدینہ میں، نہ روم میں ایران میں اور نہ ہی کابل میں رہ کر۔ میں تو ہندوستان میں انگریزی راج کے دوام کا دعا گو ہوں۔“

۳۔ اسی کتاب کی دسویں جلد کے صفحہ ۱۳۲ پر مرزا غلام احمد صاحب نے کہا کہ اگر قادیانی تاج برطانیہ کے ”سایہ عاطفت“ سے نکل جائیں تو انہیں اور کہاں پناہ ملے گی؟

ان ہی وجوہات کے تحت پاکستان کے بارے میں قادیانیوں کے رویہ کا لب باب تحقیقاتی عدالت کے معزز جھوٹ نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۱۹۶ اپر اس طرح بیان کیا ہے:

”۱۹۱۸ء کی پہلی جنگ عظیم کے دوران ترکی کی شکست اور بغداد پر برطانوی قبضہ ہو جانے پر قادیانی میں جو جشن فتح منایا گیا۔ اس نے مسلمانوں میں سخت ناراضگی اور برہمی پیدا کر دی اور احمدیت کو انگریزوں کی لوٹی سمجھا جانے لگا۔ جب افق پر ملک کی تقسیم کے ذریعے مسلمانوں کے لیے جدا گانہ وطن کے واقعات کے تصور سے تشویش ہونے لگی۔ ان کی ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء کے اوائل تک بعض تحریروں میں انگریزوں کے جانشین بننے کی توقعات کی جھلک پائی جاتی ہے مگر جب پاکستان کا دھنڈ لاسا تصور ایک متوقع حقیقت کا روپ دھارنے لگا تو ایک نئی مملکت کے نظریہ سے خود کو مستقل ہم آہنگ کرنے کے لیے انہیں قدرے مشکلات محسوس ہوئیں اس وقت وہ سخت گوموکی کیفیت سے دوچار تھے کیونکہ اپنے قیام کی خاطر نہ تو

ہندوستان ہی کا انتخاب کر سکتے تھے جو ایک ہندو لادینی ریاست بننے کو تھا اور نہ ہی پاکستان کا کہ اس میں فرقہ بندی کی حوصلہ افزائی کی امید نہ تھی ان کی بعض تحریروں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تقسیم کے خلاف تھے اور ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اگر تقسیم معرض عمل میں آ بھی گئی تو وہ برصغیر کے دور بارہ اتحاد کے لیے جدوجہد کریں گے۔ یہ سب کچھ محض اس امر واقعہ کے سبب سے تھا کہ احمدیت کے گڑھ، قادیانی کے غیر یقینی مستقبل کا احساس ان کے اندر ابھرنا شروع ہو گیا تھا جس کے متعلق مرزا صاحب کی متعدد پیشگوئیاں تھیں۔“

یہی کچھ اغراض تھیں جن کے تحت مرزا صاحب نے تیرہ سو سال پرانے اسلامی نظریہ جہاد کو منسون کرنا چاہا تھا اور اعلان کیا کہ اب سے جہاد بالسیف نہیں ہو سکتا بلکہ جہاد اب صرف ان ہی اوششوں تک محدود ہو گا جو مخالفین کو دلائل سے قائل کرنے کے واسطے کی جائیں۔

جہاد کی حدود و شرائط قرآن کی مندرجہ ذیل آیات میں ملتی ہیں:

أَذْنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِإِنْهُمْ ظُلْمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بِعَضَهُمْ بِعَضٍ لَّهُدِمَتْ صَوَامِعٍ وَبَيْعٍ وَصَلَوَاتٍ وَمَسَاجِدٍ يُذْكُرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُمَّ مَن يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوْيٌ عَزِيزٌ ۝

الحج 22:39-40

اجازت دی گئی ہے ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جاری ہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناقہ نکال دیتے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ”ہمارا رب اللہ ہے“، اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسماں کرڈیں جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتو اور زبردست ہے۔

فَإِنْ انتَهَوْا فِإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فِإِنْ انتَهَوْا فَلَا عُدُوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا أَعْلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ وَأَنِفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُنْقُوا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلِكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

البقرہ 2:195-192

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں مگر اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔ اس لیے کہ قتل اگرچہ برائے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برائے اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں، تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مار دو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے پھر اگر وہ بازاں جائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے والا اور حرم فرمانے والا ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فِإِنْ انتَهَوْا فَلَا عُدُوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

البقرہ 2:193

تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سمجھ لو کہ طالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی رو انہیں۔

**الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَأَتُقْوِّا اللَّهَ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝** البقرہ: 194

ماہ حرام کا بدله ماہ حرام ہی ہے اور تمام حرمتوں کا لاحاظہ برابری کے ساتھ ہو گا۔ ہذا جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اس پر دست درازی کرو۔ البتہ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ انہیں لوگوں کے ساتھ ہے، جو اس کی حدود توڑنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

**لَا يَنْهَا كُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبْرُوْهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝** المحتنہ: 80

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برداشت کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تھارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برداشت کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

**فَلِيُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلُ أَوْ يَغْلِبُ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝** وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوُلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقُرْيَةِ الظَّالِمُونَ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلَيْاً وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝ النساء: 4-75

پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا، یا غالب رہے گا، اسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔ اخیر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبایے گئے ہیں اور فریداً کر رہے ہیں کہ خدا یا ہم کو اس سبستی سے نکال جس کے باشدندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

**فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدُّتُمُوهُمْ وَخُذُّهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُوْا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝**

التوبہ: 9

پس جب حرام (حرمت والے) مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو۔ پھر وہ اگر توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑو۔ اللہ درگز رکرنے والا اور حرم فرمانے والا ہے۔

**فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدُهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝** الفرقان: 25

پس اے نبی ﷺ کافروں کی بات ہرگز نہ مانا اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ جہاد کیمیر کرو۔

لیکن جہاد کے بارے میں احمدی نظریہ یہ ہے کہ جہاد بالسیف کی اجازت صرف اپنے دفاع کی خاطردی گئی ہے اور اس مسئلہ پر اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے مرا اغلام احمد صاحب نے مجھے اس عقیدہ کی تشریح و توضیح کی ہے جس کی بنیاد برآ راست متعدد قرآنی آیات پر رکھی کیونکہ انہوں نے کسی قرآنی حکم یا ہدایت کی تینیخ کا دعویٰ نہیں کیا لیکن فریق مخالف کی دلیل

یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس مسئلے پر اظہار رائے کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرآنی حکم کی محض تشریع و توضیح ہی نہیں کرتا ہے ہیں بلکہ ایک موجود قرآنی قانون کی صریحاً تنفس کرتا ہے ہیں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل عبارتوں پر انحصار کیا گیا ہے:

”میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔“

”اب جہاد دین کے لیے حرام ہے۔“

”دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے۔“

”مسیح کے آنے کا یہ نشان ہے کہ وہ دین کی لڑائیاں ختم کر دے گا۔“

”میں نے جہاد کی مخالفت کے بارے میں نہایت موثر تقریریں کیں۔“

”میں نے جہاد کے خلاف صدھا کتابیں تحریر کیں اور عرب مصر اور بلاد الشام اور افغانستان میں گورنمنٹ کی تائید میں شائع کی ہیں۔“

”مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کے حکم منسوخ کر دیئے گئے۔“

”اب زمین کے فساد بند کیے گئے۔“

”اب جود دین کے لیے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔“

”میرے فرقے میں، جس کا خدا نے مجھے امام اور ہبہ مقرر فرمایا ہے، تلوار کا جہاد بالکل نہیں۔ یہ فرقہ اس بات کو قطعاً حرام جانتا ہے کہ دین کے لیے لڑائیاں کی جائیں۔“

”اسلام میں جہاد کا مسئلہ ہے میری نگاہ میں اس سے بدتر اسلام کو بدنام کرنے والا اور کوئی مسئلہ نہیں۔“

”مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔“

مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کی تحریروں میں پائے جانے والے ان فقروں اور ”اربعین“، جلد چہارم کے صفحے کی عبارت ”میری وحی میں امر بھی ہے اور نہیں بھی“، کی بنیاد پر یہ بات بڑے پر زور انداز میں پیش کی گئی ہے کہ ان عبارتوں میں مندرج اعلانات ایک قرآنی قانون کی ترمیم و تنفس ہی کرتے ہیں۔ اپیل کنندہ کی جانب سے اس بات کا جواب دیا گیا ہے کہ ان تحریروں میں جو الفاظ اور مطالب اختیار کیے گئے ہیں ان سے تنفس کا کوئی پہلو نہیں نکلتا بلکہ وہ تو ایک ایسے قرآنی حکم کی تشریع کرتے ہیں جس کو تیرہ سو سال سے غلط سمجھا جاتا رہا ہے اور بہر حال دوسرے لوگ مرزا صاحب کے اقوال کی تعبیرات خواہ کچھ بھی کریں احمدیوں نے تو ان کا مطلب ہمیشہ یہی لیا ہے کہ قرآن میں کوئی نیا حکم نہیں نکلتا اور مرزا صاحب کے سارے کام کی اصل غرض و غایت قرآن کے حقیقی احکامات پر سے کھوٹ اور میل کو دور کرنا تھی۔ اس بارے میں احمدی فریق نے ”یضع الحرب“، والی روایت کے حوالے سے یہ دلیل فراہم کی ہے کہ مرزا صاحب نے جیسا کہ ان کی کچھ تحریروں سے ثابت ہے جو کچھ کیا، وہ محض یہ تھا کہ انھوں نے مذکورہ روایت کے مصدق جنگ کو معطل کر دیا اور کسی قانون کی تنفس ہرگز نہیں کی۔ یہاں یہ نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ اگر مان لیا جائے کہ مرزا صاحب کے ان خیالات کا مقصد قرآنی قانون کی تنفس سے ایک نئے حکم کا اجرایا اس میں جزوی ترمیم تھا (ان کے پیروؤں کے نزدیک انھوں نے یہی کچھ کیا) تو پھر

ان کی حیثیت تشریحی نبی کی ہوتی ہے۔ مگر یہ بات آیت ”خاتم النبین“، کی احمد یوں کی خود کردہ تفسیر کے خلاف پڑتی ہے اور یہ نتیجہ خاص طور پر اس صورت تو لازماً نکلے گا جب کہ اس نے حکم کی بنیاد ”وجی“ و ”الہام“ پر رکھی گئی ہو۔ غیر احمدی طریق نے اس دلیل کو یوں آگے بڑھایا ہے کہ ان تحریروں پر مبنی نظریات کی نوعیت اگر محض تشریحی یا تصدیقی بھی ہوتی بھی اصولی طور پر مرزا صاحب کی حیثیت تشریحی نبی کی ہی رہتی ہے کیونکہ اگر شارح کسی قانون کی تعبیر کے بجائے اپنے لیے اس کے استقرار (declaratory legislation) کے حق کا بھی مدعی ہو تو اس کی، کی ہوئی تشریفات و توضیحات بجائے خود قانون سازی کے ضمن میں آ جاتی ہیں۔ احمدی حضرات مندرجہ بالا آیات میں سے متعلقہ آیات کے حوالے سے اور آیت السیف یعنی نویں سورت کی پانچویں، مدینہ میں نازل شدہ آیت کے متعلق اس مروجہ نظریہ کی صحت کو مشتبہ قرار دے کر کہ اس آیت کے نزول سے مکہ میں نازل شدہ وہ آیات منسوخ ہو گئی تھیں (جن کا تعلق اپنے دفاع یا اس زمانہ میں عرب میں کفار کے زیر اثر علاقوں میں آباد مسلمانوں کو ظلم واستبداد سے نجات دلانے کی خاطر کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے تھا۔) مرزا صاحب کی ان تحریروں کے اصل مفہوم کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں اس امر کی نشان دہی بھی کردی گئی ہے کہ یہ احمد یوں کا ایک بنیادی عقیدہ ہے کہ قرآن کی کوئی آیت مابعد کی کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتی اور آیت السیف سے مکی آیات کا کوئی تقاضا یا تناقض ظاہر نہیں ہوتا۔ نیز ناسخ و منسوخ کے پورے نظریہ کی تردید کی گئی ہے۔ اس فریق نے نظریہ ناسخ و منسوخ پر دلالت کرنے والی درج ذیل آیات کی تشریع و تاویل کسی اور انداز سے کی ہے:

مَا نَسَخَ مِنْ آيَةٍ أُو نُسِّهَا نَاتٍ بِخَيْرٍ مِنْهَا أُو مِثْلِهَا إِلَمْ تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ<sup>۵</sup>

البقرہ: 2

ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں، اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا کم از کم ولی ہی۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں ..... اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے ..... تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھٹتے ہو۔      اخل 101:16

چنانچہ مسلمان قادیانیوں کو مندرجہ ذیل وجوہات کی بنای پر کافرا اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

۱۔ آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت سے انکار، الفاظ قرآنی کی غلط تاویلات اور اس دین کو لعنی اور شیطانی قرار دینا جس کے پیروکار حضور اکرم ﷺ کے ختم پر نبوت ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔ مرزا غلام احمد صاحب کا تشریحی نبوت کا قطعی دعویٰ۔

۳۔ یہ دعویٰ کہ حضرت جبرائیل ان (مرزا غلام صاحب) پر وحی لاتے ہیں اور وہ وحی قرآن کے برابر ہے۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت حسینؑ کی مختلف طریقوں سے تو ہیں۔

۵۔ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے دین کا اہانت آمیز طور پر ذکر۔

۶۔ قادیانیوں کے سواتمام دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دینا۔

۱۹۵۳ء کے فسادات کے دوران اور ۱۹۵۴ء کی تحقیقات سے پہلے قادیانیوں نے اپنے کئی عقائد سے پلنٹا شروع کر دیا ہے۔ تحقیقاتی عدالت کے رو برو انہوں نے جو موقف اختیار کیا، اس سے صاف طور پر متراجح ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب

کے بانی اور اس کے جانشینوں کے وضع کردہ اصولوں اور عقائد کے معانی کو تبدیل کرنے کے لیے کوشش رہے مگر ہمارے پاس احمدیہ فرقہ کے بانی اور اس کے جانشینوں کی تصنیف کردہ وہ کتب موجود ہیں جن سے میاں عطاہ اللہ نے استدلال کیا ہے گویا اس طرح ہمارے سامنے کثرت سے وہ ذرائع موجود ہیں جن کی مدد سے ہم اس فرقہ کے فلسفہ کی حقیقت جان سکیں

اوپر کی ساری بحث سے میں نے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

۱۔ مسلمانوں کا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ مسلمان نہیں۔

۲۔ مسلمانوں کا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔

۳۔ مرا زاغلام احمد صاحب قادیانی اپنے دعاویٰ، تشریحات و تاویلات کی روشنی میں ایک ایسی وحی پانے کے مدعا تھے جسے وحی نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۴۔ اپنی اولین تصانیف میں مرا زاصاحب کے خود اپنے قائم کردہ معیار ان کے اس دعویٰ نبوت کو جھلکاتے ہیں۔

۵۔ انہوں نے واقعًا دنیا بھر کے مانے ہوئے انبیا کرام علیہم السلام کی طرح نبی کامل ہونے کا دعویٰ کیا اور ”ظل“، ”بروز“ کی اصطلاحوں کی حقیقت ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔

۶۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد وحی نبوت نہیں آسکتی اور جو کوئی ایسی وحی کا دعویٰ کرے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بحث اور اس سے اخذ کردہ نتائج کی بنا پر یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عدالت سماحت نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ درست ہیں، چنانچہ میں ان سب کی توثیق کرتا ہوں۔ مسماۃ امتہ الکریم کی اپیل میں کوئی جان نہیں ہے لہذا میں اسے خارج کرتا ہوں۔

جہاں تک لیفٹیننٹ نزیر الدین کی اپیل کا تعلق ہے جناب ظفر محمود ایڈو وکیٹ نے اس کے بارے میں مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ مسماۃ امتہ الکریم کے سامان جہیز پر نزیر الدین کا قبضہ ثابت ہو چکا ہے اور اس کی قیمت کا تخمینہ بھی مناسب لگایا گیا ہے لہذا میں ان کی اپیل میں بھی کوئی وزن محسوس نہیں کرتا اور میں ان کی اپیل کو بھی خارج کرتا ہوں۔

چونکہ دونوں فریق اپنی اپیلوں میں ناکام رہے ہیں لہذا میں اخراجات کے متعلق کوئی فیصلہ نہ دینے ہی کو ترجیح دیتا

ہوں۔

کورٹ فیس کی وصول یا بی کے اقدامات کے واسطے ڈکٹر راولپنڈی کو اطلاع دی جائے۔

اعلان فیصلہ تاریخ

۳ جون ۱۹۵۵ء

49۔ قادیانیت کی سب سے عمده پرده کشائی ڈاکٹر محمد اقبال کی طرف سے ہوئی۔ ان کے پرا اثربیانات اور زور دار دلائل نے سامراجیت کی اس مذہبی سیاسی ایکنٹی کو عوام کی نظر وہ کے سامنے صراحتاً بے نقاب کیا۔ ڈاکٹر علامہ اقبال کو قادیانیت کے خلاف بھر پور جنگ شروع کرنے کے لیے جس بات نے آمادہ کیا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال قادیانیت کو اس کے آغاز

ہی سے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اور ہند میں بچھلی نصف صدی کے دوران ہونے والی اس کی ترقی اور نشونما کے باریک میں مشاہدہ تھے۔ شروع کے چند سالوں میں جب اس کا اصل کردار سامنے نہیں آیا تھا وہ اس کے لیے زمگوشہ رکھتے تھے۔ ابتدائی 1930ء کے دوران وہ قادیانیت کے اس کردار سے جو وہ ہند میں بالخصوص تحریک کشمیر میں جس سے وہ خود بھی بہت حد تک مسلک تھے، مکمل طور پر آگاہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے مناسب توسط کے ذریعے مہاراجہ کشمیر کے ساتھ بہتر معاملہ کے لیے کشمیر کمیٹی کے لیے مرزا محمود کی صدارت کو لیقینی بنانے کے لیے کلیدی محرک کا کام کیا تھا۔ چند ہی مہینوں میں انہیں اس بات کا ادراک ہو گیا کہ قادیانیت بہت مکروہ چہرے کی حامل ہے جو انسان دوستی کے پیچھے چھپے ہوئی تھی، انہوں نے دیکھا کہ یہ تحریک نا صرف انڈیا کے مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام عالم اسلام کے لیے خوفناک سیاسی مضرات رکھتی تھی۔ انہوں نے پچھلے 50 سال (1880 تا 1935) ریکارڈ کی بنیاد پر اس تحریک میں ہونے والی تبدیلی ہیت کا مشاہدہ کیا اور تاریخ کے طالب علم کے طور پر اسے ایک اسلام مخالف، رجعتی اور سامر اجیت نواز گروہ کے طور پر بھانپ لیا جو نام نہاد مذہبی تجدید نو کے نازک پردے کے پیچھے کام کر رہی ہے۔ 2 مئی 1935ء کو ڈاکٹر محمد اقبال نے قادیانی مسئلے کے سماجی اور سیاسی مضرات کے بارے میں اپنا تاریخی بیان پر لیس کو بھیجا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ انڈیا میں مسلم آبادی کی اساس صرف اور صرف مذہبی نظریے پر قائم ہے اس لیے کوئی مذہبی گروہ جو اسلام کی گود سے تاریخی طور پر ظاہر ہوا ہوا اپنی بنیاد میں نئی نبوت کا دعویدار ہوا س کی مبینہ سلسلہ وحی کی سچائی کو نہ ماننے والے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتا ہوا س کو ہر مسلمان کو اسلام کی تجھتی کے لیے ایک سنگین خطرہ سمجھنا چاہیے۔ ایسا اس لیے بھی ضروری ہے کہ مسلم معاشرے کی سالمیت کی ضمانت کی ضمانت صرف اور صرف ختم نبوت کے نظریے پر ہے۔ ان کے بیان کے اقتباسات حسب ذیل ہیں:

”.....کوئی مذہبی گروہ جو اسلام کی گود سے تاریخی طور پر ظاہر ہوا اور اپنی بنیاد میں نئی نبوت کا دعویدار ہوا اور اس کی مبینہ سلسلہ وحی کی سچائی کو نہ ماننے والے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتا ہوا س کو سمجھنا چاہیے۔ ایسا اس لیے بھی ضروری ہے کہ مسلم معاشرے کی سالمیت کی ضمانت صرف اور صرف ختم نبوت کے نظریے پر ہے۔“

”.....جس شدت جذبات سے انڈیا مسلمانوں نے قادیانی تحریک کے خلاف مظاہرہ کیا ہے، وہ جدید عمر ایجنسیت کے طالب علم کے لیے مکمل طور پر قابل فہم ہیں وہ ایک او سط مسلم جس کو کہ گزشتہ دن ایک لکھاری نے سول اور ملٹری گزٹ میں مولوی کے اشارے پر چلنے والے کے طور پر بیان کیا، وہ اس تحریک کی مخالفت میں ختم نبوت کے مفہوم پر مکمل دسترس رکھنے کی نسبت اپنی شاخت کی جلت کے تحت اس تحریک کی مخالفت پر وجدانی طور پر آمادہ ہے۔ نام نہاد روشن خیال مسلمان نے اسلام میں ختم نبوت کے نظریے کی حقیقی ثقافتی اہمیت کو سمجھنے کی شاذ و نادرتی کو شش کی ہے اور مغربیت کے آہستہ رو اور غیر محسوس انداز میں کار فرما تعامل نے اپنی شاخت کی جلت سے بھی اس کو محروم کر دیا ہے ان نام نہاد روشن خیال مسلمانوں میں سے کچھ اپنے دینی بھائیوں کو ”رواداری“ کی تبلیغ کرنے کی حد تک چلے گئے ہیں؟ میں مسلمانوں کو رواداری کی تبلیغ کرنے پر سر بریٹ ایمرسن سے با آسمانی معدورت کر سکتا ہوں، ایک جدید یورپی کے لیے جس کی پیدائش اور نشونما ایک بالکل الگ ثقافت میں ہوئی ہو وہ اس بصیرت کا حامل نہیں ہوتا ہے یا شاید نہیں ہو سکتا ہے جو کسی کو اس بات کی تفصیل ممکن بناتا ہے کہ وہ ایک قوم کی ساخت کے بنیادی مسئلے کو مکمل مختلف ثقافتی نظریے سے دیکھ سکے۔ حکومت کو موجودہ صورت حال پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور اگر ممکن ہو تو اس مسئلے کے حوالے سے ایک او سط مسلمان کے ہنی سلطھ کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنی قوم کی سالمیت کو کس قدر مطلق حیات تصور کرتا ہے۔ بہر حال اگر کسی قوم کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے تو اس قوم کے پاس اس کا شیرازہ بکھیرنے کے درپر قوتوں کے خلاف واحد راستہ اپنادفاع ہوتا ہے اور خود دفاعی کے کیا کیا راستے ہوتے ہیں؟۔۔۔۔۔“

”.....اس شخص کی ممتاز تحریریں اور دعووں کا رد عمل جو اصل قوم کی طرف سے ایک مذہبی مہم جوئی سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ

پھر مناسب بات ہو گی کہ اس کی بنیادی قوم کو رواداری کی تبلیغ کی جائے جس کی سالمیت کو خطرے میں ڈالا جائے اور اس کے باعث گروہ کو اپنے پراپلینڈ اجاري رکھنے کی آزادی دی جائے جبکہ وہ پراپلینڈ ابے حد بدسلوکی والا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر بنیادی قوم کے نقطہ نظر سے کوئی باعث گروہ حکومت کے کسی خاص سروں میں ہوتا موخر الذکر ان کی خدمات کے حوالے سے جتنا بہترین ہو سکتا ہے اس کا معاوضہ یا انعام دینے کی آزادی رکھتے ہیں۔ دوسری قومیتیں اس کے خلاف عنادنہیں رکھیں گی لیکن اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ کوئی قومیت اپنی اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہونے والی ساری قوتوں کو خاموشی سے نظر انداز کر دے۔ اجتماعی زندگی اپنی تحلیل کے خطرے کے حوالے سے اتنی ہی حساسیت کی حامل ہوتی ہے، جتنی ایک انفرادی زندگی۔ اس حوالے سے یہ اضافہ کرنا بہت مشکل ہے کہ مسلمانوں کے فرقوں کا باہمی فقہی جھگڑا ان بنیادی اصولوں پر اثر انداز نہیں ہوتا جن پر یہ تمام فرقے ایک دوسرے پر بدعت کے الزامات کے باوجود اپنے اختلافات کے ساتھ متفق ہیں۔۔۔

”۔۔۔ اس کے علاوہ ایک اور نقطہ ہے جو سرکار سے خصوصی غور کرنے کا مقاضی ہے، جدید آزادیوں کے نام پر انڈیا میں مذہبی مہم جواہر ادی کی حوصلہ افزائی لوگوں کو مذہب سے زیادہ سے زیادہ لا پرواہ کرتی ہے، جس سے ہندوستانی قومیوں کی زندگی سے مذہب کا اہم عضر بذریعہ مکمل ختم ہو جائے گا۔ ہندوستانی ذہن پھر مذہب کے کسی تبادل کو تلاش کرے گا جو امکانی طور پر مساوئے لادینی مادیت کی شکل میں ہو گا جیسا کہ روس میں ظاہر ہوا ہے۔۔۔“

”۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بیان سے کچھ حلقوں میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ میں نے حکومت کو لطیف تجویز دی ہے کہ وہ قادیانی تحریک کو بزور قوت کچل دیں۔ ایسا کچھ نہیں۔ میں نے واضح کر دیا ہے کہ مذہب میں عدم مداخلت کی پالیسی وہ واحد پالیسی ہے جسے ہندوستان کے حکمران اپنا بنا سکتے ہیں۔ کوئی دوسری پالیسی ممکن ہی نہیں ہے تاہم مجھے اعتراض ہے کہ میرے اپنے ذہن کے مطابق ریاستی مذہبی پالیسی قومیوں کے مفادات کے لیے مضر ہے لیکن اس سے فرار نہیں ہے اور جنہیں اس سے نقصان پہنچنے نہیں مناسب ذرائع سے اپنے مفادات کا تحفظ کرنا ہوگا۔ میری رائے میں ہندوستانی حکمرانوں کے لیے بہترین راستہ یہ ہے کہ وہ قادیانیوں کو الگ قومیت قرار دے، یہ مکمل طور پر خود قادیانی پالیسی سے ہم آہنگ ہو گی اور ہندوستانی مسلمان ان کے ساتھ ویسے ہی رواداری بر تے گا، جیسی رواداری وہ دیگر مذاہب کے ساتھ بر تا ہے۔۔۔“

50۔ ڈاکٹر محمد اقبال بہائیت کو قادیانیوں کی نسبت زیادہ دیانتدار قرار دیتے ہیں کہ وہ اول الذکر خود کو کھلے عام اسلام سے الگ قرار دیتے ہیں جبکہ موخر الذکر ظاہری طور پر اسلام کے زیادہ وفادار نظر آتے ہیں، لیکن اندر ورنی طور پر اسلام کی روح کے سخت دشمن ہیں ”قادیانی اور کٹر راخ العقیدہ مسلمان“ کے بارے میں ڈاکٹر محمد اقبال کے بیان اور اس پر کی جانے والی تقید را ہنما کے طور پر موجود ہے درج ذیل خط جو اس Statesman“ کو جواباً لکھا گیا تھا اور 10 جون 1935ء کو شائع ہوا تھا:

”میں اپنے بیان پر آپ کے تقیدی تبصرے پر آپ کا شکر گزار ہوں جو 14 میسی کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ آپ نے اپنے تبصرے میں جو سوال اٹھایا ہے وہ بہت اہم ہے اور میں حقیقتاً خوش ہوں کہ آپ نے اسے اٹھایا ہے۔ میں نے اسے اپنے بیان میں نہیں اٹھایا تھا کیونکہ مجھے محسوس ہوا کہ قادیانیوں کی جدا گانہ پالیسی، جو انہوں نے ابتداء سے ہی خود حریف نبوت کی بنیادوں پر ایک نئی قومیت تعمیر کا خیال اور اپنی تحریک کے خلاف مسلمانوں کے احساسات کی شدت سے اپنے مذہبی اور سماجی معاملات کو جس تند ہی سے پیروی کرتے رہے ہیں، یہ بلکہ خود حکومت کی ذمہ داری تھی کہ وہ ہندوستان کی مسلم قومیت کی طرف سے ایک رسمی نمائندہ کا انتظار کئے بغیر قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان بنیادی اختلاف کا انتظامی سطح پر اور اک کرتی۔ مجھے سکھ قومیت کے معاملے میں حکومت کے روئے سے یہ محسوس کرنے میں حوصلہ ملا تھا جو 1919ء تک انتظامی سطح پر الگ سیاسی اکائی کے طور پر خیال نہیں کی گئی تھی۔ لیکن بعد ازاں بغیر سکھوں کی نمائندگی کے اور باوجود اس کے

کہ لاہور ہائی کورٹ نے قرار دیا تھا کہ سکھ ہندو ہیں، سکھوں کو الگ سیاسی اکائی مان لیا تھا۔ تاہم اب آپ نے یہ سوال اٹھایا ہے جس پر میں اس مسئلہ پر کچھ مشاہدات پیش کرنا چاہوں گا، جو مجھے لگتا ہے کہ انگریزوں اور مسلمانوں دونوں کے نقطہ ہائے نظر کے لیے بہت زیادہ اہم ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں مکمل وضاحت کر دوں کہ آیا کہ میں کب اور کہاں کسی قومیت کے مذہبی اختلافات پر رواداری کا باقاعدہ نظمی طور پر غور کر سکتا ہوں۔ مجھے نشاندہی کرنے کی اجازت دیجئے:

اولاً کہ اسلام لازمی طور پر ایک مذہبی قومیت ہے جس کی حدود کا تعین کامل طور پر کر دیا گیا ہے یعنی خدا کی واحدانیت پر ایمان تمام انبیاء پر ایمان اور محمدؐ کی ختم نبوت پر ایمان۔ آخر الذکر عقیدہ درحقیقت وہ عنصر ہے جو مسلمانوں اورغیر مسلمانوں کے درمیان حدفاصل کھینچ دیتا ہے۔ اور کسی کو یہ فیصلہ کرنے کے قابل بناتا ہے آیا کوئی فرد یا گروہ اس قومیت کا حصہ ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر براہموس خدا پر یقین رکھتے ہیں اور محمدؐ کو اللہ کا ایک نبی مانتے ہیں تاہم وہ اسلام کا جزو لائفیک نہیں دیے جاسکتے کیونکہ وہ بھی قادیانیوں کی طرح انبیاء کرام کے ذریعے دامنی وحی کے نظر یہ پر یقین رکھتے ہیں اور محمدؐ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں کسی اسلامی فرقے نے اس حدفاصل کو عبور کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو کھلے عام روکر دیا ہے لیکن عین اسی وقت وہ بڑی کشادگی کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ایک نئی قومیت ہیں اور لفظی تکمیلی لحاظ سے مسلمان نہیں ہیں ہمارے عقیدے کے مطابق اسلام خدا کا وحی کرده مذہب ہے لیکن ایک سماج یا قوم کے طور پر اسلام کے وجود کا مکمل انحصار نبی پاک کی ذات مبارکہ پر ہے۔ میری رائے میں قادیانیوں کے پاس دو ہی راستے ہیں یا تو وہ بہائیوں کی کھلے طور پر پیروی کریں یا پھر اسلام میں ختم نبوت کے قصور کی اپنی تشرییحات کو ترک کر دیں اور اس تصور کو اس کے تمام ترتیبات کے ساتھ قبول کر لیں ان کی دوغلانہ تشرییحات مخلص اس خواہش کے باعث عمل ہیں کہ وہ اسلام کے دائرة میں رہتے ہوئے ظاہری سیاسی فوائد حاصل کر سکیں۔

ثانیاً ہمیں عالم اسلام کے بارے میں قادیانیوں کی اپنی پالیسی اور ان کے رو یہ کوئی بھولنا چاہیے تحریک کے باñ نے اپنی اصل قومیت کو خراب دودھ سے تعبیر کیا اور اپنے پیروکاروں کو تازہ دودھ کہا اور موخر الذکر کو اول الذکر کے ساتھ ملنے جلنے سے خبردار کیا مزید یہ کہ بنیادی ارکان کی امداد سے اپنے آپ کو قومیت کے طور پر ایک نیا نام (احمدی) دینے سے اسلام کی باجماعت نمازوں میں اپنی عدم شرکت سے شادیوں کے معاملے میں مسلمانوں سے اپنے سماجی معاملات سے وغیرہ وغیرہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عالم اسلام کو کافر قرار دینے سے۔ یہ تمام چیزیں قادیانیوں کا اپنے آپ کو الگ کرنے کے صریح قرار دینے کو تشکیل دیتی ہیں۔ درحقیقت درج بالا حقائق واضح طور پر دکھاتے ہیں کہ وہ ہندو ازام سے سکھوں کی الگ شاخت کی نسبت اسلام سے بہت زیادہ دور ہیں۔ کیونکہ سکھ کم از کم ہندوؤں سے باہمی طور پر شادیاں کرتے ہیں، اگرچہ وہ ہندوستان میں عبادات نہیں کرتے ہیں۔

ثالثاً۔ اس کے لیے کسی خاص ذہانت کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ کیوں قادیانی مذہبی اور سماجی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے بے قرار رہتے ہیں۔ کہ وہ دائرة اسلام میں سیاسی طور پر شامل رہے ہیں دائرة اسلام میں رہتے ہوئے وہ حکومتی ملازمت کے دائرة کار میں سیاسی مفادفات کے حصول سے قطع نظر رہیں۔ واضح رہے کہ اپنی موجودہ آبادی کے پیش نظر جو آخری مرد شماری کے مطابق محض پچاس یا ساٹھ ہزار ہے، وہ ملک کی کسی مجلس قانون ساز اسمبلی میں ایک سیٹ کے حق دار نہیں ہیں، اور نہ ہی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اس لحاظ سے ایک سیاسی اقلیت کے طور پر لیے جائیں جس کے لیے اس اصطلاح کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قادیانیوں نے ابھی تک اپنے لیے الگ الگ سیاسی حقائق کے طور پر علیحدگی کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی موجودہ حیثیت سے وہ خود کو قانون ساز اداروں میں نمائندگی کے قابل نہیں صحیح ہیں۔ نیا دستور ایک اقلیتوں

کے تحفظ کی شقوں سے خالی نہیں ہے۔ میرے ذہن میں یہ واضح ہے کہ اپنی علیحدگی کے معاملے میں حکومت تک رسائی کرنے کے لیے قادیانی کبھی بھی پہل نہیں کریں گے۔ مسلم قومیت ان احمدیوں کے اپنے اصل قومیت سے علیحدگی کا دعویٰ کرنے میں مکمل طور پر حق بجانب ہیں۔ اگر حکومت نے اس مطالبے سے فوری طور پر اتفاق نہ کیا تو ہندوستانی مسلمان اس شک میں چلے جائیں گے کہ انگریز حکومت اس نئے مذہب کو پال رہی ہے جیسا کہ یہ علیحدگی کو پہلے بھی مؤخر کرتے رہے تھے جوں کہ اپنے ماننے والوں کی بہت قلیل تعداد کے پیش نظر موجودہ طور پر بھی وہ صوبے میں چوتھی قومیت کے افعال سرانجام دینے سے قاصر ہیں، اسی کے باعث مقامی قانون ساز ادارے میں پنجاب کے مسلمانوں کی پہلے سے دیوار سے لگی اکثریت کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ حکومت نے 1919ء میں سکھوں کی علیحدگی کے لیے کسی نمائندگی کا انتظار نہیں کیا تھا تواب کیوں قادیانیوں کی طرف سے ایک رسمی نمائندگی کا انتظار کیا جانا چاہیے۔

51۔ تاریخ کی یہ ستم ظریفی کہ احمدیت نے بھارت میں ایک عجیب ہمدرد پایا جو کہ ایک قوم پرست، سیکولر اور کانگریس کا سو شمسیٹ رہنما تھا، یعنی پنڈت جواہر لال نہرو۔ اس نے علامہ اقبال کے مضامین الموراجیل میں قید کے دوران پڑھے تھے۔ اس نے ان مضامین پر مختصر نوٹ تحریر کئے تھے تاکہ بھارتی سیاست میں اپنا اثر و سوچ جاسکے۔ اس کوشش سے احساس تھا کہ قادیانیت سامراجیت کی ایک ذمی پراؤ کٹ تھی اور اس نے سیاست میں ہمیشہ برطانیہ نواز موقف اپنایا تھا۔ یہ کانگریس کی جانب سے شروع کی جانے والی مختلف تحریک کو سبوتاڑ کرنے میں بھی ملوث تھی لیکن اس کے باوجود سیاسی مصلحت نے اسے قادیانیوں کو سپورٹ کرنے پر مجبور کیا تاکہ اسماعیلیوں پر تہمت باندھ کر سر آغا خان اور مسلم لیگ کا ایجخ خراب کر سکے۔ اپنے مختصر مضامین میں نہرو نے علامہ اقبال کی تحریروں میں اپنی دلچسپی دکھائی کیونکہ ان سے اسے ایک ایسی دنیا کو سمجھنے کا موقع ملا تھا جو اس کے لئے آسان نہ تھا۔ اس نے علامہ اقبال کو اسلام پر ایک قابل احترام اتحاریٰ قرار دیا اور کہا کہ اس نے ایک راسخ العقیدہ نقطہ نظر کی نمائندگی کی ہے۔ اس نے ڈاکٹر اقبال کے مضمون قادیانیت اور راسخ العقیدہ مسلمان کا حوالہ دیا جو اس نے بتایا کہ اس نے الموراجیل میں بڑی دلچسپی سے پڑھا تھا جو احمدیوں کے ایشو کے تناظر میں اسلام کی تیکھی کو زیر بحث لاتا ہے۔ اس مضمون نے اسے مجبور کیا کہ وہ ماڈرن رویویکلت کو 20 اگست 1935 کو اپنے خیالات لکھ بھیجے جو کہ نومبر 1935 کے شمارے میں شائع ہوئے تھے۔ پنڈت نہرو نے عرب دنیا میں راسخ العقیدہ نقطہ نظر سے اٹھنے والی قوم پرستی کی لہر کے پارے میں مختصر بیان کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اقوام نیشنلٹ نظریات کے تابع اسلامی تیکھی کو فراموش کر چکی ہیں۔ اس نے استدلال کیا کہ قادیانیت کا مسئلہ ان میں الاقوامی واقعات کے تناظر میں غیر اہم ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال پنجاب میں ایک سچے لیدر کی ضرورت پر زور دیتے ہیں تاکہ قادیانیت کے طوفان کا مقابلہ کیا جاسکے۔ لیکن اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں وہ جو راہنمائی دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ آغا خان ہندوستانی مسلمانوں کے رہنماء ہیں۔ پنڈت نہرو نے تبصرہ کیا کہ کیا وہ علامہ اقبال کی تعریف کردہ اسلامی تیکھی کے معیار پر پورا ترے ہیں؟ 21 اگست 1935 کے ایک اور نوٹ میں اس نے عزت آب سر آغا خان پر حملہ کرتے ہوئے انہیں تھا کیا اور سوال اٹھایا کہ آیا ان کا فرقہ اسلامی تیکھی سے میل کھاتا ہے۔ پنڈت نہرو کی تیسری تحریر جس کا عنوان تمام مذاہب کی راسخ العقیدی کا اتحاد تھا اگست 1935 کے آخری ہفتے میں لکھی گئی تھی جو ماڈرن رویویکلت کے سember 1935 کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ یہ ان مختصر مضامین سے مترخص ہوئی تھی جن میں وہ مسلمانوں کو تاثر دینا چاہتا تھا کہ کانگریس کی نام نہاد حامی جماعت مجلس احرار کی جانب سے قادیانی مخالف تحریک کو کانگریس کی حمایت حاصل نہیں ہے۔ وہ اسماعیلیوں کو قادیانیوں سے غیر مسلم فرقے کے طور پر ملا کر سر آغا خان کو مسلم لیگ سے علیحدہ کر کے اس کی آئینی اور مالی پوزیشن بھی

کمزور کرنا چاہتے تھے۔ احمدیت کے ایشور پر لکھنے سے پنڈت نہرو کو مختلف سیاسی حلقوں کی جانب سے ناپسندیدگی کا سامنا کرنا پڑا۔ بے ڈی جکنر نے 18 اور 24 جولائی 1936 کو ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہونے والے اپنے خطوط میں پنڈت نہرو کے پہلے مضمون کو انتہائی خطرناک، نامناسب، انتہائی جارحانہ، شرمناک، حیران کن، مبالغہ آرائی کا مرقعہ اور لا یعنی منطق قرار دیا۔ اس نے نہرو پر الزم لگایا کہ وہ مسلم جذبات کو محروم کرنے کی راہ اپنائے ہوئے ہے اور یوں ایک کمیونٹی میں دوسرا کے خلاف تئی پیدا کر رہا ہے۔ اس نے برطانوی حکومت کو بھی تجویز کیا کہ اس کے خلاف کارروائی کی جائے۔ علامہ اقبال کو مختلف مذہبی اور سیاسی حلقوں کی جانب سے خطوط موصول ہوئے کہ وہ پنڈت کے مضامین کا ٹھوس جواب دیں۔ کچھ چاہتے تھے کہ وہ احمدیوں کی جانب سے ہندوستانی مسلمانوں کے رویے کی وضاحت اور جواز پیش کریں۔ جنوری 1936 علامہ محمد اقبال نے نہرو کی جانب سے اپنے مضامین میں اختیار کئے گئے دلائل کے جواب میں قادیانیت پر ایک تاریخی مضمون لکھا۔ علامہ اقبال کا جواب جو ایک مضمون اسلام اور احمدیت کے نام سے شائع ہوا اگرچہ کلی طور پر یہاں درج کرنے کے لائق ہے۔ تاہم اس کا ایک پھرہ ہی مقصد کو بھر پور طریقے سے بیان کر دے گا:-

”ماڈرون ریویو آف کلکتہ میں پنڈت جواہر لعل نہرو کے تین آرٹیکل سامنے آنے پر مجھے مختلف مذہبی فرقوں اور سیاسی نقطہ نظر والے مسلمانوں کے بہت سے خطوط ملے ہیں ان خطوط کے کچھ کاتب مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ میں احمدیوں کے بارے میں ہندوستانی مسلمانوں کے رویہ کو مزید واضح کروں اور دلائل دوں۔ دوسرے لوگ مجھے یہ کہتے ہی کہ احمدی مذہب کے مسئلہ کو میں حقیقت میں کیا سمجھتا ہوں۔ اس بیان میں اولاً ان مطالبات کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو میں سمجھتا ہوں کہ بالکل جائز ہیں اور پھر ان سوالات کو جو پنڈت جواہر لعل نہرو نے اٹھائے ہیں کا جواب دوں گا۔ تاہم مجھے اندیشہ ہے کہ اس بیان کے کچھ حصے پنڈت کی دلچسپی کے حامل نہیں ہو سکتے اس لیئے ان کا وقت بچانے کے لیے میں تجویز کرتا ہوں کہ وہ ایسے حصول سے صرف نظر کر سکتے ہیں۔

میرے لیے یہ کہنے کی بخششکل ضرورت ہے کہ میں اس بات میں جو میرے نزدیک مشرق کا شاید ساری دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے میں پنڈت صاحب کی دلچسپی کا خیر مقدم کرتا ہوں میرا یقین ہے کہ وہ پہلے نیشنل سٹ ہندوستانی راہنماء ہیں جنہوں نے عالم اسلام کی موجودہ روحانی بے چینی کو سمجھنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے اس بے چینی کے مختلف پہلوؤں اور مکائد عمل کے پیش نظر اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ متذکر ہندوستانی سیاسی راہنماء اس بات کا مطلب سمجھنے کے لیے اپنے اذہان کھولیں کہ مجھے موجود میں کیا چیز اسلام کے دل کو دہائی دے رہی ہے۔

تاہم میں پنڈت صاحب سے یا اس بیان کے کسی دوسرے قاری سے یہ حقیقت نہیں چھپانا چاہتا ہوں کہ پنڈت صاحب کے آرٹیکلوں نے ایک لمحے کے لیے بھی میرے ذہن کو محسوسات کی تکلیف دہ کشمکش سے دوچار کیا۔ ان کو وسیع المشرب ہمدردیوں والا انسان جانتے ہوئے میں یہ خیال کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جن سوالات کو اٹھا کر انہوں نے سمجھنے کی خواہش ظاہر کی ہے وہ بالکل حقیقی ہیں۔ پھر بھی جس انداز میں انہوں نے اپنے آپ کا اظہار کیا ہے وہ اس نفیات کے خلاف ہے جسے میں ان سے منسوب کرنا مشکل محسوس کرتا ہوں۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کے قادیانیت پر میرے بیان نے جو جدید خطوط پر مذہبی ڈاکٹر ائن کی محض تشریح کے سوا کچھ نہیں، پنڈت صاحب اور قادیانی دونوں مضطرب ہوئے ہیں۔ شاید دونوں ہی مختلف وجوہات کے باعث مسلم سیاسی اور مذہبی تکبیتی کی کامیابی کے امکانات بالخصوص ہندوستان میں ہیں پر اندر ہی اندر غصہ کرتے ہیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ہندوستانی قوم پرست، جن کی سیاسی ثالیت پسندی نے اس حقیقت کے اور اک کا قتل کر دیا ہے، شمال مغربی ہندوستان اسلام کے دل میں حق خود ارادیت کی خواہش کے جنم لینے کے ہی روادار نہیں ہیں۔ وہ میرے رائے میں غلط طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستانی قومیت کا واحد حل اس بات میں مضر ہے ہے کہ ملک

کی تمام شفاقتی شاختوں کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔ اگرچہ ان کے ہی صرف تعامل سے ہندوستان ایک امیر اور دیرپا تہذیب کے طور پر ابھر کر سامنے آ سکتا ہے۔ وہ قومیت جو ایسے طریقوں سے حاصل کی جائے مساوئے اس بات کے کچھ نہیں کہ باہمی تلخیاں حتیٰ کہ جبر کھلائے۔ یہ مساوی طور پر واضح ہے کہ قادیانی بھی ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی بیداری پر پریشانی محسوس کرتے ہیں کیونکہ انہیں لگتا ہے ہے ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی ساکھ میں اضافہ ان کے عزائم کی یقینی شکست ہے۔ جو وہ عرب پیغمبر کی امت سے ہندوستانی نبی کی نئی امت کے لیے رکھتے ہیں میرے لیے یہ کم حیرت کی بات نہیں ہے کہ ہندوستان میں اپنی تاریخ کے اس نازک لمحے میں ہندوستانی مسلمانوں کے اپنے باہمی اتحاد کی شدید ضرورت پر زور دینے کی میری کوشش اور سالمیت کے درپر قتوں کے خلاف جو اصلاح پسندانہ تحریکوں کے بھیں میں چھپی ہوئی ہیں کے خلاف میری تنبیہ سے پنڈت صاحب کو یہ موقع ملنا چاہیے کہ ایسی قتوں سے اظہار ہمدردی کرے۔

تاہم پنڈت صاحب کے عزم کا تجزیہ کرنے کے ناخوشنگوار کام کا پیچھا نہیں کرنا چاہتا۔ ان لوگوں کے فائدے کے لیے جو قادیانیوں کے بارے میں تمام مسلم رویے کی مزید وضاحت چاہتے ہیں میں فلسفے کی ڈیوران سٹوری سے ایک اقتباس کا حوالہ دینا چاہوں گا جس سے مجھے امید ہے کہ قارئین کو قادیانیت کے اس مسئلے کا زیادہ واضح تصور ملے گا۔ ڈیوران کے چند جملوں نے عظیم فلسفی سپائی نوزا (Spinoza) کے دین بدروی پر یہودی نکتہ نظر کا خلاصہ پیش کیا ہے قاری کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اس اقتباس کا حوالہ دینے سے میری مراد سپائی نوزا اور احمدیت کے بانی کے درمیان کسی قسم کا موازنہ کرنے کا میرا کوئی اشارہ ہے دونوں کے مابین، داش اور سیرت کے لحاظ سے فرق بے تحاشا ہے، ”خدائی کے نشہ میں مخمور“ سپائی نوزا نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ نئی تنظیم کا مرکز ہے اور تمام یہودی جو اس پر ایمان نہیں رکھتے، یہودیت سے خارج ہیں۔ لہذا ڈیوران کا اقتباس مسلمانوں کے قادیانیت کے بارے میں یہودیوں کے سپائی نوزا کے دین بدروی کے رویے کی نسبت زیادہ موثر طور پر لاگو ہوتا ہے۔ اقتباس حسب ذیل ہے:

”مزید برآں، لگتا ہے کہ بڑوں کا اس بات پر اتفاق رائے ہو گیا تھا کہ ایکسٹرڈیم میں خفتر یہودی گروہ کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھنے کا وہ ذریعہ اور غالباً اتحاد محفوظ رکھنے کا آخری طریقہ اور اسی طرح دنیا بھر میں بکھرے ہوئے یہودیوں کی بقا کوئینی بنانے کا واحد طریقہ بھی تھا۔ اگر ان کی اپنی ریاست ہوتی تو اپنادیوانی قانون ہوتا، لادینی قتوں اور ہم رتبہ لوگوں کا اپنا ادارہ ہوتا، اندر ورنی اتحاد اور یہروںی ساکھ پر زور دیتا ہوتا، جو زیادہ روادار ثابت ہوتے۔ لیکن ان کا مذہب ان کے لیے جذبہ حب الوطنی اور ان کا ایمان تھا۔ ان کا ممبران کی سماجی اور سیاسی زندگی کے ساتھ ساتھ اکرام اور عبادات کا مرکز تھا۔ اور باابل جس کی حقانیت کو سپائی نوزا نے چیلنج کر دیا تھا۔ ان لوگوں کے لیے سفری وطن تھا۔ ان حالات کے تحت انہوں نے الحاد کو غداری جانا اور رواداری کو خود کشی۔

یہودیوں کی طرح جو ایکسٹرڈیم میں اقلیتی آبادی تھے وہ سپائی نوزا کو اپنی قومیت کی تحلیل کے لیے خطرہ کے ہوتے منتشر کر دینے والے لاعنصر خیال کرنے میں حق بجانب تھے۔ اسی طرح ہندوستانی مسلمان قادیانی تحریک کے حوالے سے بھی حق بجانب ہیں جو تمام عالم اسلام کو کافر کہتی ہے اور سماجی طور پر ان کا بائیکاٹ کرتی ہے۔ جو کہ ہندوستان میں اسلام کی اجتماعی زندگی کے لئے یہودیوں کی اجتماعی زندگی کے لیے سپائی نوزا کی مابعد الطبیعتیات کی نسبت بہت زیادہ خطرناک ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں اپنے موجودہ مقام کے باعث حالات کی اس خطرناک نوعیت کو جلتی طور پر محسوس کرتا ہے اور قدرتی طور کسی دوسرے ملک کے مسلمانوں کی بہ نسبت سالمیت کے درپر قتوں کے حوالے سے زیادہ حساس ہے۔ میرے رائے میں ایک عام مسلمان کی جلتی سوچ بالکل درست ہے اور مجھے کوئی ابہام نہیں ہے کہ ہندوستانی اسلام کے شعور میں وہ گھری اساس رکھتا ہے۔ جو لوگ رواداری کے لفظ کے استعمال کرنے میں بے حد لاپرواہ ہیں جس کا مجھے خوف ہے کہ وہ اسے سمجھتے نہیں ہیں۔ رواداری کا جذبہ انسانی ذہن مختلف رویوں سے جنم لے سکتا ہے، جیسا کہ گھن نے

کہا: ”فلسفی کی رواداری یہ ہے کہ سارے مذاہب برابر کے سچے ہیں مؤرخ کی رواداری یہ ہے کہ اس کے نزدیک سارے غلط ہیں۔ اور سیاستدان کی رواداری یہ ہے کہ سب مساوی طور پر مفید ہیں۔ یہ اس انسان کی رواداری ہے جو سوچ اور رویہ کے دوسرا اظہاروں سے رواداری کرتا ہے۔ کیونکہ اس نے خود سوچ اور رویہ کے تمام طور طریقوں سے مطلقاً بے نیاز پروش پائی ہے یہ ایک کمزور آدمی کی رواداری ہے جو محض کمزوری کی بنیاد پر ان تمام چیزوں یا افراد جنہیں وہ عزیز رکھتا ہے۔ کہ لیے ہر طرح کی تو ہینوں کو اپنی جیب میں ڈالتا رہے۔“

صاف ظاہر ہے کہ رواداری کی ان قسموں کی کوئی اخلاقی قدر نہیں ہے دوسری طرف یہ اس آدمی کی روحاںی مفلسی کا بھی صریح انکشاف کرتی ہے جو ان پر عمل کرتا ہے۔ حقیقی رواداری داشمندانہ اور روحاںی وسعت کی آفریدہ ہوا کرتی ہے۔ یہ روحاںی طور پر طاقتو ر انسان کی رواداری ہوا کرتی ہے جو اپنی ہی مذہب کی سرحدوں سے حاصل ہو کر رواداری کر سکتا ہے اور حتیٰ کہ اپنے مذہب کے علاوہ عقیدے کی تمام صورتوں کو تعین کر سکتا ہے اس طرح کی رواداری کی مثال صرف ایک سچا مسلمان ہی ہوتا ہے۔ اس کا اپنا مذہب امتزاجی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرے مذاہب ہمدردی اور تحسین کی بنیادوں کو با آسانی تلاش کر سکتا ہے۔ ہمارے عظیم ہندوستانی شاعر امیر خسرو نے ایک ہندو پچاری کے ہمانی میں اس طرح کی رواداری کے جوہر کو بیان کیا ہے: توں سے شدید محبت کے ذکر کے بعد شاعر اپنے مسلم قارئین سے حسب ذیل مخاطب ہوتا ہے:

اے کہ زبت طعنہ بہ ہندو بری  
ہم زوے آموز پرستش گری

### ترجمہ:

اے کہ تم جو ہندو کو طعنہ دیتے تو  
کم سے کم اسی سے پوچا کا ہنڑ تو سیکھ لو

صرف خدا سے سچی محبت کرنے والا عقیدت کی طرز کو خراج تحسین پیش کر سکتا ہے اگرچہ یہ توں سے مطلقہ ہے جن پر وہ خود یقین نہیں رکھتا ہے۔ رواداری کے ہمارے مبلغین کی حماقت اس انسان کے رویے کو بیان کرنے پر مشتمل ہے جو اپنے دین کی حدود پر حاصل ہے اور اسے غیر روادار کہا گیا وہ اسے غلط طور پر اخلاقی احساس کمتری کی علامت کے طور پر روایہ خیال کرتے ہیں۔ وہ یہ بات نہیں سمجھتے ہیں کہ اس رویے کی قدر لازمی طور پر جیاتی ہے جہاں اس گروہ کا کوئی رکن یا تو جبلتی طور پر یا منطقی دلیل کی بنیاد پر یہ محسوس کرتا ہے۔ کہ جس سماجی جو ع سے اس کا تعلق اس کی تنظیمی حیات خطرے کا شکار ہے۔ ان کے دفاعی رویے کو جیاتی ہی معیار کے حوالے ہی سے سمجھا جانا چاہیے اس حوالے سے ہر سوچ اور عمل کو اس میں موجود زندگانی کی طرز کے تحت جانچا جانا چاہیے۔ اس مقدمے میں یہ سوال نہیں ہے کہ کسی آدمی کے بارے میں جسے ملحد قرار دیا گیا ہے، کسی ایک فرد یا قومیت کا رویہ اخلاقی طور پر اچھا برا ہے؟ سوال یہ ہے کہ آیا یہ حیات بخش ہے یا حیات کش؟

پنڈت جواہر لال نہرو یہ خیال کرتے نظر آتے ہیں کہ مذہبی اصولوں پر قائم کردہ معاشرہ میں تحقیقاتی ادارے کی ضرورت ہے۔ یہ درحقیقت عیسائیت کی تاریخ کے بارے میں ہے لیکن پنڈت صاحب کی منطق کے برعکس اسلام کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اسلامی زندگی کی پچھلی تیرہ صدیوں کے درمیان مسلم ممالک میں تحقیقات کا ادارہ مطلقاً غیر معروف ہے۔ قرآن بالنصرۃ ایسے کسی ادارے سے روکتا ہے: ”دوسروں کی خامیوں کو مت تلاش کرو اور اپنے بھائی بندوں کے خلاف کہانیاں مت گھڑو۔“ درحقیقت پنڈت صاحب اسلامی تاریخ سے یہ پالیں گے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے ملکوں میں مذہبی ظلم و ستم سے فرار پا کر یہیں اسلامی ملکوں میں پناہ حاصل کی ہے۔

وہ دو اصول جس کی بنیاد پر اسلام کا تصوراتی ڈھانچہ کھڑا ہوا ہے وہ بہت سادہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ دائرہ اسلام ملحد کو باہر نکالنے کے تصور کو تقریباً ناممکن بنادیتا ہے، یہ درست ہے کہ وہ شخص جسے ملحدانہ ڈاکٹر اسکن اخیار کرنے والا فرار دیا جائے، وہ سماجی

مسلم کے وجود کو ہی خطرے میں ڈال دیتا ہے ایک آزاد مسلم ریاست یقیناً اس کے خلاف کارروائی کرے گی لیکن اس صورت میں ریاست کی کارروائی کا تعین سیاسی بنیادوں پر زیادہ کیا جائے گا بہ نسبت خالصتاً نہ ہی بنیادوں پر کرنے سے۔ میں اچھے طریقے سے احساس کر سکتا ہوں کہ پنڈت صاحب جیسے بندے کے لیے جو اس معاشرے میں پیدا ہوا ہوا اور پروش پائی ہو، جس میں کوئی باقاعدہ حدود بندی نہ ہو اور باہمی اتحاد کی بھی کوئی صورت نہ ہو جب وہ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دشواری محسوس کرے، کہ ایک نہ ہی معاشرہ لوگوں کے عقائد کے اندر چھان بین کرنے والے حکومتی سطح پر قائم کیے ہوئے کمشنوں کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے اور پنپ سکتا ہے۔ یہ اس اقتباس سے جس میں انہوں نے کارڈینل نیو مین کا حوالہ دیا ہے سے صاف واضح ہے اور اس بات پر وہ حیران ہوتے ہیں کہ میں کارڈینل کے اسلام کے بارے میں کیسے گئے فیصلے کے اطلاق کو کس طرح قبول کروں گا۔ مجھے انھیں یہ بتانے دیکھیے کہ اسلام اور کیتوں ازم کے اندر وہی ڈھانچے کے درمیان بے پناہ اختلاف ہے اور جیسا کہ عیسائیت کی پوری تاریخ بتلاتی ہے کیتوں ازم میں چیزیگی ہے غیر منطقی عنصر اور بے شمار الجھاؤ ہیں جس کی بنیاد پر نئے نئے ملدانہ تحریکات کے ہمیشہ امکانات ابھرے ہیں۔ محمدؐ کے سادہ ایمان کی بنیاد دو اصول ہیں۔۔۔ کہ خدا ایک ہے اور یہ کہ محمدؐ ان مقدس انسانوں کی قطار کے آخری انسان ہیں جو وقتاً نہ تمام ملکوں میں آتے رہے ہیں اور ہر دور میں زندگی گزارنے کے درست طریقوں سے انسانیت کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ اگر جیسا کہ کچھ عیسائی مصنفوں سوچتے ہیں کہ کسی مافق المنشق اصول پر کسی عقیدے کی وضاحت کی جانی چاہیے تاکہ اس پر مذہبی پہنچ کے تحفظ کو لینی بنا�ا جاسکے تو اس پر کسی مابعد الطیعیات عضر کو سمجھے بغیر، ہی اتفاق رائے ہونا چاہیے تب کہ اسلام میں یہ جو سادہ اصول عقیدے کے طور پر بیان ہیں نہیں کیے جاسکتے ہیں: کیونکہ یہ دونوں اصول انسانیت کے تجربے سے بھی ثابت شدہ ہیں اور منطقی دلیل کے لحاظ سے بھی قبل عمل ہیں الحاد کے سوال پر جس پر فیصلے کی ضرورت ہے یہ دیکھا جانا ہے کہ اس کا مصنف کیا حدود کے اندر ہے یا باہر، یہ سوال اس مذہبی معاشرے میں کھڑا ہو سکتا ہے جس کی بنیاد ان سادہ اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ جب کوئی ملدانہ دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک اصول کو رد کر دیتا ہے یہ الحاد اسلامی تاریخ میں شاذ و نادر ہونا چاہیے اور ہا بھی ہے۔ جو کہ اپنی ہی حدود سے حسد کرتے ہوئے، انھی حدود کے اندر تحریکات کی آزادی کی اجازت دیتا ہے اور جیسا کہ الحاد کی کسی بھی قسم کا مظاہرہ جو اسلام کے حدود و قیود کو متاثر کرتا ہے تاریخ اسلام میں بہت نایاب رہا ہے اس لیے جب کبھی اس طرح کی بغاوت جنم لیتی ہے تو ایک عام مسلمان کے جذبات فطری طور پر شدید ہوتے ہیں۔۔۔ یہی وجہ ہے فارس میں رہنے والے مسلمان کے جذبات بہائیوں کے خلاف اتنے شدید ہیں۔۔۔

یہ درست ہے کہ مسلمان مذہبی فرقوں کے اندر چھوٹے چھوٹے فقہی اور دینی نقطوں پر اختلافات کے باعث الحاد کے باہمی الزامات کے نسبتاً عمومی رہے ہیں۔ کفر کے لفظ کے بلا امتیاز استعمال میں جو دونوں صورتوں میں یعنی چھوٹے چھوٹے فقہی اختلاف رائے اور الحاد کے بڑی بڑی اقسام کے لیے استعمال کرنے پر، جس کے تحت ملکہ کو دین بدکر دیا جاتا ہے اس میں موجودہ دور کے پڑھے لکھے مسلمان جو مسلم مذہبی جھگڑوں کی تاریخ کا عملًا کوئی علم نہیں رکھتے ہیں وہ اسے مسلم قومیت کے سماجی اور سیاسی انتشار کی ایک علامت کے طور پر دیکھتے ہیں۔ تاہم یہ ایک یکسر غلط تصور ہے۔ مسلم مذہبیات کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کی بنیاد پر بدعت کے قدرتی الزامات تفرقہ ڈالنے والی قوتوں کے کارفرماہونے کے بر عکس ایک جاندار مذہبی تصور کو محو یز کرنے میں انہوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے ”جب ہم ‘محمد ان لا’ کے ارتقاء کی تاریخ کو پڑھتے ہیں،“ پروفیسر Hurgrounje کہتے ہیں ”ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف ہر عمر کے ڈاکٹر چھوٹی چھوٹی باتوں پر بدعت کے باہمی الزامات پر ایک دوسری کی نہ ملت کرتے ہیں اور دوسری طرف وہی لوگ اسی مقصد کی خاطر زیادہ سے زیادہ اتحاد کے ساتھ اپنے پیشوؤں کے اسی طرح کے جھگڑوں کی توثیق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔“ مسلم مذہبیات کے

طالبِ عام کو معلوم ہے کہ مسلم فقہاء کے اندر اسی طرح کی بدعت توکنیکی اعتبار سے بدعت تخت بدعت کہا جاتا ہے یعنی بدعت کی وہ قسم جس کے تحت مجرم کی دین بدری شامل نہیں ہوتی ہے۔ اس بات کا تاہم اقرار کیا جاسکتا ہے کہ ملاؤں کے ہاتھوں جن کی فکری کا ہلی مذہبی سوچ و بچار کی ساری مخالفتوں کو مطلق قرار دیتی ہے اور اختلاف رائے کے اتحاد پر تبتغاً ناپینا ہو جاتی ہے اس صورت یہ ادنیٰ بدعت ایک بہت بڑے انتشار کا سبب بن سکتی ہے۔ اس انتشار کو صرف اس صورت دور کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے مذہبی سکولوں کے طلباء کو حقیقی اسلامی روح کے زیادہ واضح تصور سے ہمکنار کیا جائے اور مذہبی دائرہ کار میں تحریک کے اصول کے طور پر منطقی اختلافات کے تعامل میں ان کو دوبارہ تعلیم دی جائے۔ یہ سوال کہ بڑی بدعت کے کہا جائے اس صورت میں کھڑا ہوتا ہے جب کسی مفکر کی یا مصلح کی تعلیمات اسلام کے عقیدے کی حدود پر اثر انداز ہوتی ہیں بدقتی سے یہی سوال قادیانیت کی تعلیمات کے حوالے سے بھی جنم لیتا ہے یہاں اس بات کی نشاندہی بہت ضروری ہے کہ احمدی تحریک دو کمپوں میں تقسیم شدہ ہے جنہیں قادیانی اور لا ہوری کہا جاتا ہے اول الذکر اس کے بانی کو سرعام ایک مکمل نبی قرار دیتا ہے جبکہ مؤخر الذکر نے اپنے عقیدہ یا پالیسی کے تحت اس بات کو زیادہ قابل عمل گردانا ہے کہ قادیانیت کی ظاہری طور پر دھیے لہجوں میں تبلیغ کو بہتر سمجھا ہے۔ تاہم یہ سوال آیا کہ احمدیت کا بانی ایک نبی تھا جس کے مشن کا انکار یہ لا حقہ لگاتا ہے جسے میں بڑی بدعت کہتا ہوں وہ دو حصوں کے درمیان جھگٹرے کا معاملہ ہے۔ یہ میرے مقاصد کے لیے غیر ضروری ہے کہ احمدیوں کی اس اندر ورنی کشمکش کے معیارات کو جانچوں۔ میرا یقین ہے کہ ان وجہات کی بناء پر جو کہ موجودہ وضاحت کی جانی ہے کہ وہ مکمل نبوت جس کا لا حقہ منکر کے اسلام سے اخراج پر منتج ہوتا ہے وہ احمدیت کے لیے امر لازم ہے اور یہ کہ قادیانیوں کا موجودہ سربراہ تحریک کی روح سے، بہبست لا ہوریوں کے امام کے، زیادہ منضبط ہے۔

اسلام میں ختم نبوت کے تصور کی ثقافتی قدر کی میں نے کہیں اور مکمل وضاحت کی ہے۔ اس کا مفہوم ہے محمدؐ کے بعد کسی انسان کے سامنے روحانی طور پر نہ جھکنا کہ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو ایک ایسا قانون دے کر آزاد کر دیا ہے جو کہ انسانی عقل و شعور کے ہر اعتبار سے قابل محسوس ہے، مذہبی ڈاکٹر ائن طور پر سماجی، سیاسی تنظیم جو "اسلام" کہلاتی ہے مکمل اور ابدی ہے۔ کوئی ایسی وحی کہ جس کا انکار الحاد پر منتج ہو، محمدؐ کے بعد ممکن ہی نہیں، جو اس طرح کی کسی وحی کا دعویدار ہو وہ اسلام کا غدار ہے۔ چونکہ قادیانی حضرات احمد یہ تحریک کے بانی کو اسی طرح کی وحی کا علمبردار مانتے ہیں، وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ تمام عالم اسلام کافر ہے، خود بانی تحریک کی اپنی دلیل، قرآن و سطہی کے مذہبی عالم کی ہی ہے وہ یہ کہ اسلام کے نبی پاکؐ کی روحانیت کو اگر وہ کسی دوسرے پیغمبر کی تخلیق نہ کرے یا توازنًا ناقص گردانا جائے۔ وہ اپنی نبوت کو اسلام کے مقدس پیغمبرؐ کی روحانیت کو پیغمبر عطا کرنے والی طاقت کی گواہی کے طور پر دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ ان سے یہ پوچھیں کہ آیا محمدؐ کی روحانیت ایک سے زیادہ پیغمبر عطا کرنے پر قادر تو ان کا جواب ہوگا "نہیں"۔ درحقیقت اس بات سے مراد ہی یہ ہے کہ "محمدؐ آخری نبی نہیں ہیں میں آخری نبی ہوں"۔ انسانی تاریخ میں بالعموم اور ایشیا میں بالخصوص، ختم نبوت کے اسلامی نظریہ کی ثقافتی قدر کے فہم سے کسوں دور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ختم نبوت سے یہ مراد ہے کہ محمدؐ کا کوئی پیروکار نبوت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جو محمدؐ کی نبوت کے ناقص ہونے کی ایک علامت ہے۔ جہاں تک میں نے اس کے ذہن کی نفیسیات کا مطالعہ کیا ہے وہ اپنی نبوت کے دعویٰ کے حق میں، یہ سہولت حاصل کرتا ہے جسے وہ اسلام کے پاک پیغمبرؐ کی تخلیقی روحانیت سے تعبیر کرتا ہے اور عین اسی وقت نبی کریمؐ کو ان کی ختم نبوت سے بھی ان کی روحانیت کی تخلیقی صلاحیت سے صرف ایک نبی کی تخلیق تک یعنی احمد یہ تحریک کے بانی تک محدود کر کے محروم کر دیتا ہے۔ اس طرح کیا نیا پیغمبر خاموشی سے اس ہستی سے اس کی ختم نبوت کو چرا لیتا ہے جسے وہ اپنا روحانی وارث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ وہ اسلام کے نبی پاکؐ کا بُروز ہونے کا دعویٰ کرتا

ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ کا بروز ہونے کے ناطے اس کی ختم نبوت دراصل محمدؐ کی ختم نبوت ہے اور یہ کہ معاملہ کا ایک نکتہ نظر نبی پاکؐ کی ختم نبوت کی خلاف ورزی نہیں کرتا ہے۔ دونوں ختم ہائے نبوت کی شناختوں میں، ایک اس کی اپنی اور دوسری نبی پاکؐ کی، وہ نظر یہ ختم نبوت کے دنیاوی معنی کے نظارہ کو بڑی سہل پسندی سے کھو دیتا ہے، تاہم یہ صاف واضح ہے کہ لفظ بروز، حتیٰ کہ مکمل مماثلت کے مفہوم کے باوجود اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ بروز، کو اپنی اصل کے ہمیشہ دوسری طرف رہنا ہوتا ہے۔ صرف نتائج کے مفہوم میں بروز، اپنی اصل کی مثل بن جاتا ہے پس اگر ہم لفظ بروز سے یہ مراد لیں ”روحانی صلاحیتوں میں ایک جیسا“ تو یہ دلیل غیر مؤثر ٹھہر تی ہے۔ اگر دوسری طرف لفظ کے آریائی مفہوم ہیں اس سے مراد اصل کے نتائج لیں تو یہ دلیل قابل فہم بن جاتی ہے لیکن اس کا مصنف مغض بہر و پیا مجوسی بن جاتا ہے۔

پسین کے عظیم مسلم صوفی محی الدین ابن غربیؒ کے اس قول پر مزید دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ایک مسلمان بزرگ کے لیے اپنی روحانی ارتقاء میں پیغمبرانہ شعوری کی تجربیاتی خصوصیات کی مثل صلاحیت حاصل کرنا ممکن ہے۔ میں ذاتی طور پر شیخ محی الدین ابن غربیؒ کے اس نکتہ نظر کو نفسیاتی طور پر درست نہیں سمجھتا ہوں لیکن اسے درست فرض کر لیا بھی جائے تب بھی قادر یا نہیں دلیل ان کی صحیح حیثیت کے بارے میں مکمل طور پر غلط فہمی کی بنیاد پر قائم ہے۔

شیخؒ اس بات کو خالصتاً ذاتی کامیابی گردانتے ہیں جو ایسے کسی بزرگ کو یہ قرار نہیں دلوائی اور نہ ہی اشیاء کی نظر میں ایسا ہو سکتا ہے، کہ وہ تمام لوگ جو اس پر یقین نہیں رکھتے وہ دائرة اسلام سے خارج ہیں۔ درحقیقت شیخؒ کے نقطہ نظر میں ایک ہی زمانے یا ملک میں رہنے والے ایک سے زیادہ بزرگ ہو سکتے ہیں جو پیغمبرانہ شعور حاصل کر سکتے ہیں۔ جس نکتہ کو سمجھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ کسی بزرگ کے لیے پیغمبرانہ تجربہ کو حاصل کرنا نفسیاتی طور پر ممکن ہے اس کا اپنا تجربہ کسی نئی تنظیم کے لیے خود اسے مرکز بنادینے کے لیے کسی سماجی اور سیاسی اہمیت کا حامل نہیں ہوگا، اور خود کو اس تنظیم کے لیے اس خطاب کا حق دار قرار دینا کہ ایمان کا دار و مدار وہ خود ہے یا محمدؐ کے پیروکار کا انکار ہے۔

اس پر اسرار علم نفسیات کو ایک طرف رکھتے ہوئے، میں فتوحات کے متعلقہ اقتباسات کے محتاط مطالعے سے اس بات پر مقابل ہوں کہ عظیم ہسپانوی صوفیؒ محمدؐ کے ختم نبوت پر اتنا ہی پکا ایمان رکھتے ہیں جتنا کہ کوئی دوسرا کٹر مسلمان رکھتا ہے، اور اگر انہیں اپنے تصوفیانہ نگاہ سے دیکھ لیتے کہ ایک دن مشرق میں صوفی ازم میں کوئی مستبدی ان کی صوفیانہ علم نفسیات کے پر دے تلے نبی کریمؐ کے ختم نبوت کو بتاہ کرنا چاہے گا وہ یقیناً ہندوستانی علماء کو پیشگوئی کہہ دیتے کہ دنیا کے مسلمانوں کو اسلام کے اندر ان غداروں کے بارے میں تنبیہ کر دیں۔

اب احمدیت کی اصل روح کی طرف آتے ہیں۔ ان ذرائع پر بحث اور اس انداز پر جس میں قبل از اسلام مذہبی نظریات نے اسلامی تصوف کے ذرائع کے ذریعے اس کے مصنف کے ذہن پر کس طرح کام کیا۔ وہ تقابل ادہاں کے نکتہ نظر سے بہت دلچسپ ہوگا۔ تاہم یہاں پر اس بحث کو چھپڑنا میرے لیے ناممکن ہوگا۔ اتنا کہنا ہی کافی ہوگا کہ احمدیت کی اصل فطرت قرون وسطیٰ کے صوفی ازم اور مذہبات کی ضد میں چھپی ہوئی ہے۔ اس لیے ہندوستانی علماء نے اسے خالصتاً مذہبی تحریک کے طور پر لیا اور اس سے نہیں کے لیے مذہبی تھیمار کے ساتھ سامنے آئے۔ تاہم میرا یقین ہے کہ اس تحریک سے نہیں کا یہ مناسب طریقہ نہیں تھا۔ اور اس لیے علماء کی کامیابی جزوی تھی۔ باñی تحریک کی تعلیمات کا محتاط نفسیاتی تجزیہ شاید ان کی شخصیت کی باقی زندگی کی پردازش کشائی کا مؤثر طریقہ ہوگی۔ اس سلسلے میں میں مولوی منظور اللہی کی باقی کی تعلیمات کے ذخیرہ کا ذکر کر سکتا ہوں جو اس کے وافر تنواع مoadی نفسیاتی تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔ میرے رائے میں یہ ایک کتاب باقی کے کردار اور تحقیق کے لیے کلید مہیا کرتی ہے، اور میں یہ امید کرتا ہوں کہ ایک دن جدید علم نفسیات کا کوئی نوجوان طالب علم اس کا سنبھیڈہ مطالعہ کرے گا۔ اگر وہ اپنا معیار قرآن کو بنائے، جو کہ اسے باوجود جن کی یہاں وضاحت نہیں ہو سکتی، کو بنانا چاہیے اور اپنے مطالعہ کو احمدیہ تحریک کے باقی کے تجربات اور ہم عصر غیر مسلم صوفیاء کے قابلی جائزہ کی حد تک بڑھاتا ہے جیسا کہ بگال کے

رام کر شاہیں۔ اسے تحریک کے لازمی عصر کے حوالے سے جن کی بنیاد پر احمدیت کے بانی کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا جاتا ہے، ایک سے زیادہ بار حیرتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔

ایک سادہ آدمی کے نکتہ نظر سے دوسرا یکساں موثر اور مزید مفید طریقہ یہ ہے کہ احمدیت کے اصل جزو کم از کم 1799ء سے ہندوستان میں مسلم مذہبی تاریخ کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ سال 1799ء عالم اسلام کی تاریخ میں بے حد اہمیت کا حامل ہے اس سال ٹیپو کو شکست ہو گئی اور اس کی شکست کا مطلب ہندوستان میں سیاسی وقار کے لیے مسلم امیدوں کا خاتمہ تھا۔ اسی سال نوارینو کی جنگ بڑی گئی جس میں ترکی بھری بیڑہ تباہ ہو گیا تھا۔ ٹیپو کی شکست پر تاریخ کی تخریج کے مصنف کے یہ الفاظ الہامی تھے جسے سر زنگائیم کے سیاح ٹیپو کے مقبرہ کی دیوار پر کنندہ دیکھتے ہیں ”انڈیا کے ساتھ ساتھ روم کی عظمت رخصت ہو چکی“، پس سال 1799ء میں ایشیا میں اسلام کا سیاسی ریخت اپنی آخری حد تک پہنچ چکی تھی۔ لیکن بعضیہ جینا کے دن جرمی کی ذلت سے جس طرح جدید جرمیں قوم کھڑی ہو گئی اسی سچائی کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سال 1799ء میں اسلام کی سیاسی ذلت سے جس طرح قاری کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں جو مسلم انڈیا میں ٹیپو کی شکست اور ایشیا میں یورپی سامراجیت کے سوالات کی طرف پیدا ہوئے ہیں۔ کیا اسلام میں خلافت کا تصور ایک مذہبی ادارے کو جنم دیتا ہے؟ ہندوستانی مسلمان اور ترک سلطنت سے باہر والے تمام مسلمانوں سے متعلقہ معاملات کا ترکی کی خلافت سے کیسے تعلق ہے؟ کیا ہندوستان جہاد الحرب ہے یادِ اسلام؟ اسلام میں جہاد ڈاکٹر ائمہ کا حقیقی مفہوم کیا؟ قرآنی آیت: ”**خدا کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو اور سلطان کی اطاعت کرو، یعنی اسے میں نے حکمران کیا تم میں سے**“ ”تم سے اصطلاح“ کا کیا مطلب ہے؟ امام مہدیؑ کے ظہور کی پیشگوئی پرمی پیغمبرؐ کی روایت کی کیا اہمیت ہے؟ یہ اور چند دوسرے سوال جو ما بعد پیدا ہوئے۔ ظاہری وجوہات کی بنیاد پر، صرف ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ہی تھے: تاہم یورپی سامراج جو اس وقت عالم اسلام میں بڑی تیزی کے ساتھ سرایت کرتا جا رہا تھا، بھی ان سوالات میں گھری دلچسپی رکھتا تھا۔ وہ متنازع فیہ معاملات جن سے ان سوالات نے جنم لیا، ہندوستان میں اسلامی تاریخ کا سب سے دلچسپ بات بناتے ہیں، کہانی بہت طویل ہے جس کے لیے ابھی تک بہت طاقت و قلم کی ضرورت ہے۔ مسلم سیاستدان جن کی نگاہیں زیادہ تر صورتحال کے حقائق پر جھجی ہوئی تھیں۔ علماء کے ایک طبقے کو اعتماد میں لینے پر کامیاب ہو گئے کہ علماء مذہبی دلیل جس سے وہ صورتحال پر منطق تصور کرتے تھے، کا طریقہ اختیار کریں لیکن یہ امر جو ہندوستان میں اسلام کے ماننے والوں کے شعور پر صدیوں تک حکمرانی کر چکا تھا اس کے ذریعے عقائد کو محض منطقی طور پر ختم کرنا آسان نہ تھا۔ اس صورتحال میں منطق یا تو سیاسی مصلحت کی بنیاد پر کافر ماہو سکتی تھی یا مسنون اور روایات کی تازہ آگئی خطور پر آگے بڑھ سکتی تھی۔ ہر دو صورتوں میں دلیل عوام الناس کو واپیل کرنے میں کم ہو جائے گی۔ اسلام کے بہت زیادہ مذہبی لوگوں کو صرف ایک بات نتیجہ خیز اپیل کا کام کر سکتی ہے اور وہ ہے الہامی اتھاری۔ مذہبی عقائد کے موثر خاتمے کے لیے یہ ضروری پایا گیا کہ درج بالا سوالات سے ہم کو مذہبی ڈاکٹر ائمہ کے سیاسی طور پر مفید پیش کش کے لیے ایک الہامی بنیاد کو تلاش کیا جائے۔ یہ الہامی بنیاد احمدیت فراہم کرتی ہے۔ اور خود احمدی اپنی طرف سے برطانوی سامراجیت کے لیے اسے سب سے عظیم خدمت سرانجام دینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سیاسی اہمیت کے مذہبی تصورات کے لیے الہامی بنیاد کا پیغمبرانہ دعویٰ سے قرار دینے کے مترادف ہے کہ وہ جو مدعی کے نظریات کو قبول نہیں کرتے ہیں وہ بدترین کافر ہیں اور ان کا مقدر جہنم کی آگ ہے۔ جیسا کہ تحریک کی اہمیت کو سمجھتا ہوں کہ احمدی عقیدہ کہ مسیح ایک عام انسان کی طرح فوت ہو گئے اور یہ کہ ان کے اس دوسرے ظہور کا مطلب صرف ایک شخص کا ظہور جو روحاںی طور پر ان کے جیسا ہے، تحریک ایک قسم کی منطقی شکل وجوہات عطا کرتا ہے، لیکن وہ تحریک کی روح کے لیے حقیقتاً ضروری نہیں ہے۔ میرے رائے میں وہ صرف مکمل نبوت کے تصور کی طرف ابتدائی اقدامات ہیں جو تنہا تحریک کے ان مقاصد کو پورا کر سکتی ہے جو اسے

بالآخر ایک سیاسی قوت کے طور پر معرض وجود میں لا سکے۔ قدیم ممالک میں یہ منطق نہیں بلکہ اتحاری ہے جو بھاتی ہے۔ جہالت کی وافر مقدار کی موجودگی میں خوش فہمی بسا اوقات حیران کن حد تک اچھی خاصی ذہانت کے ساتھ ساتھ شریک موجود ہوتی ہے اور ایک شخص جو اس حد تک گستاخ ہو کہ اپنے آپ کو آسمانی وحی کا حامل قرار دے دے اور جس کا انکار دائی طور پر نہ ملت پر نتیجہ ہو، یہ خاص مسلمان ملک میں آسان ہے کہ سیاسی مذہبیات کو ایجاد کیا جائے اور ایک ایسی قومیت کو پروان چڑھایا جائے جس کا نصب لعین ہی سیاسی بقاء ہو۔ اور پنجاب میں حتیٰ کہ ناکارہ مذہبی اظہار کے نقص جال کے ذریعے معصوم کسان کو جو کہ صدیوں تک ہر قسم کی استھنالات کا پہلے ہی سے ہدف رہا ہے کو بڑی آسمانی سے شکار کیا جاسکتا ہے پنڈت جواہر لال نہرو تمام مذاہب کے ماننے والوں کو متعدد ہونے کا درس دیتے ہیں اور اس طرح وہ کام میں تاخیر کا باعث بنتے ہیں جسے وہ ہندوستانی نیشنل ازم سے تعبیر کرتے ہیں یہ طعن آمیز تلقین یہ فرض کر لیتی ہے کہ احمدیت ایک اصلاحی تحریک ہے۔ وہ یہ بات نہیں جانتے ہیں کہ جہاں تک ہندوستان میں اسلام کا تعلق ہے احمدیت بے حد اہمیت رکھنے والے مذہبی اور سیاسی دونوں طرح کے مسائل کو الجھاتی ہے۔ جیسا کہ میں نے اوپر وضاحت کی ہے کہ مسلم مذہبی فکری تاریخ میں احمدیت کا کام ہندوستان کے موجودہ سیاسی مکملوں کے لیے ایک الہامی بنياد فراہم کرنا ہے، خالص مذہبی معاملات ایک طرف رکھتے ہیں محض سیاسی مسائل کی بنياد پر یہ پنڈت جواہر لال نہر و جیسے فرد کو زیب نہیں دیتا کہ انڈین مسلمانوں کو جمعیت قدامت پسندی کا الزام دیں۔ مجھے کوئی شبہ نہیں کہ اگر انہیں احمدیت کی اصل نوعیت پر پوری گرفت ہو جاتی تو ایک ایسی مذہبی تحریک جسے ہندوستان کو پریشانیاں دینے والا الہامی اتحاری کا دعویٰ ہو، کے بارے میں انڈین مسلمانوں کے رویے کو وہ ضرور خراج تحسین پیش کرتے۔

پس قاری دیکھے گا کہ احمدیت کی پھیلا ہٹ جسے ہم آج ہندوستان اسلام کے گالوں پر موجود پاتے ہیں وہ ہندوستان میں مسلم مذہبی فکری تاریخ میں اچانک ظہور نہیں ہے وہ تصورات جو اس تحریک کی شکل میں ڈھلنے گئے احمدیت کے بانی کی پیدائش سے بہت عرصہ قبل سیاسی مباحثت میں نمایاں ہو چکے تھے۔ نہ ہی میرا یہ اشارہ کرنا مراد ہے کہ احمدیت کے بانی اور اس کے ساتھیوں نے اس پروگرام کو جان بوجھ کر پلان کیا ہے میں یہ کہنے کی جرأت رکھتا ہوں کہ احمدیت تحریک کے بانی نے ایک آواز ضرور سنی تھی لیکن آیا یہ آواز زندگی اور طاقت کے خدا کی طرف سے آئی تھی یا لوگوں کے روحانی افلاس سے نکلی تھی۔ اس بات کا انحصار تحریک کی نوعیت پر ہے جسے اس نے جنم دیا ہے اور جس قسم کی فکر اور جذبہ اس نے ان لوگوں کو دیا ہے جو اسے سن چکے ہیں۔ قاری کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ میں کوئی استعاراتی زبان استعمال کر رہا ہوں۔ اقوام کی حیاتیاتی تاریخ یہ دھکلاتی ہے کہ جب لوگوں کی زندگی کی موج اترنے لگتی ہے تو یہ زوال از خود الہام کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے، ان کے شاعروں، فلاسفوں، صوفیوں، مدرسی استدانوں کو متاثر کرنے لگتا ہے اور ان کو حواریوں کی جماعت میں بد لئے لگتا ہے جس کا واحد کام منطق کے نہایت دلفریب فن کی طاقت سے اپنے لوگوں کی زندگیوں میں ہر طرح کی ذلت اور گندگی کی خیرگی عطا کرنا ہوتا ہے۔ یہ حواری غیر شعوری طور پر مایوسی کو امید زرق بر ق کپڑوں میں ملبوس کرتے ہیں، اظہار کے روایتی قدروں کو پامال کرتے ہیں اور اس طرح ان لوگوں کی جوان کا شکار ہو جاتے ہیں کی روحانی جوانمردی کو تباہ کر دیتے ہیں۔ کوئی بھی شخص لوگوں کی مرضی کی گلی سڑی کیفیت کا محض تصور کر سکتا ہے جنھیں مرضی کی الہامی اتحاری کی بنياد پر ان کے سیاسی ماحول کو ہی جتنی طور پر قبول کرایا جاتا ہے۔ پس وہ تمام ادا کار جنھوں نے احمدیت کے ڈرامے میں کام کیا، میرا خیال ہے، کہ جہالت کے ہاتھوں میں محض معصوم آله کا رتھے۔ فارس میں بھی اس سے پہلے یہ ڈرامہ رچایا جا چکا تھا، لیکن وہاں اس نے ویسے مذہبی اور سیاسی معاملے کی قیادت نہیں کی تھی اور نہ ایسا کر سکتا تھا۔ جو احمدیت نے ہندوستان میں اسلام کے لیے پیدا کر دی ہیں۔ روس نے بابی ازم کے لیے رواداری بر قی اور بابیوں کو اشک آباد میں اپنا پہلا مشنری مرکز کھولنے کی اجازت دی۔ انگلستان نے بھی ووکنگ میں اپنا پہلا مشنری مرکز کھولنے کی اجازت دے کر احمدیوں کے لیے اس رواداری کا مظاہرہ کیا۔ آیاروں اور

انگلستان نے سامراجی مصلحت کا مظاہرہ کیا یا خالصتاً سیعِ اقلیٰ کی بناء پر ہمارے لیے اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس رواداری نے ایشیا میں اسلام کے لیے مشکل مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ اسلام کی ساخت کے لحاظ سے جیسا کہ میں اس کی تفہیم کرتا ہوں میرے ذہن میں ذرہ بر ابر شائے نہیں ہے کہ اسلام اپنے خلاف پیدا کر دہ ان تمام مشکلات میں سے زیادہ خالص ہو کر ابھرے گا۔ ہندوستان میں معاملات نے پہلے اپنانیارخ اختیار کیا ہے۔ جمہوریت کی تازہ روح جو ہندوستان میں آ رہی ہے احمد یوس کو یقیناً ان کے اعتقاد کے بے معنی ہونے پر مایوس کر دے گی اور انہیں مذہبی ایجاد کے مطابق بے کار ہونے پر قائل کر لے گی۔ نہ ہی اسلام قرون وسطیٰ کے تصوف کی کسی احیاء کی اجازت دے گا جس سے پہلے ہی اپنے پیروکاروں سے ان کی صحت مندانہ جبلتوں کو بدلتے میں انہیں صرف مہم افکار دیتے ہیں۔ چھپلی صد یوں کے دوران یہ تصوف اسلام کے بہترین اذہان کو کھا گیا ہے اور ریاست کے معاملات کی صرف اوسط درجے کے لوگوں کے حوالے کر گیا ہے۔ جدید اسلام اس تجربے کو دہرانے کی اجازت نہیں دے سکتا ہے۔ نہ ہی پنجاب والے تجربے کو دہرانے کے روادار ہو سکتے ہیں جس نے مسلمانوں کو پچاس سالوں تک ان مذہبی مسائل میں الجھائے رکھا تھا جس کا زندگی کے حوالے سے کوئی سروکار ہی نہیں تھا۔ اسلام پہلے ہی تازہ فکر اور تجربے کی چکا چوند روشنی میں داخل ہو چکا ہے اور کوئی صوفی یا پیغمبر اسے قرون وسطیٰ کے دھنڈکوں میں واپس نہیں لاسکتا ہے۔

آخر میں انہوں نے پنڈت نہرو کے اس دعویٰ سے اختلاف کیا کہ قادیانی اور اسما عیلیٰ ایک ہی زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔

”قادیانیوں کے بر عکس، اسما عیلیٰ اسلام کے بنیادی اصولوں پر یقین رکھتے ہیں“ انہوں نے اس کی وضاحت کی۔

”درج بالا پیرا گراف آج عالم اسلام کی درست صورتحال کا اجمالگ بیان کرتے ہیں۔ اگر اسے صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اسلامی تہجیت کی بنیاد میں کسی بیرونی یا اندر ورنی قوتوں کے ہاتھوں نہیں ہلی ہیں۔ اسلام کی تہجیت، جیسے کہ میں نے پہلے وضاحت کی ہے۔ اسلام کے دو ساختیاتی اصولوں پر بمعہ پانچ مشہور و معروف ارکان ایمان، پر یکساں ایمان پر مشتمل ہے یہ اسلامی تہجیت کے اولین لازمی امور ہیں جو ان معنوں میں نبی پاکؐ کے عہد سے لے کر اس وقت تک موجود ہے ہیں جب تک فارس میں بہائیوں اور ہندوستان میں قادیانیوں نے فی زمانہ اس میں مداخلت نہیں کر لی۔ یہ عالم اسلام میں عملاً یکساں روحانی ماحول کی ضمانت ہے۔ یہ مسلم ریاستوں کے سیاسی اتحاد میں سہولت کار ہیں۔ جو یہ اتحاد دنیاوی ریاستوں (مثالی) کی شکل میں ہو سکتا ہے یا مسلم ریاستوں کی لیگ کی شکل میں یا پھر متعدد آزاد ریاستوں کی شکل میں جن کے معاهدات اور اتحاد خالصتاً اقتصادی اور سیاسی مقاصد کے ساتھ طے پاتے ہیں، یہ ہے اس مذہب کا تصوراتی ڈھانچہ جو کہ وقت کے تعامل کے ساتھ متعلق ہے اس تعلق کی گہرائی کو صرف قرآن کی مخصوص آیات کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے اور یہاں اس کی وضاحت موضوع زیر بحث سے ہٹے بغیر ممکن نہیں ہے۔ سیاسی طور پر اسلام کی تہجیت تب متزلزل ہو جاتی ہے جب مسلمان ریاستیں ایک دوسرے کے خلاف جنگ مسلط کریں۔ مذہبی طور پر اس وقت یہ متزلزل ہوتی ہے جب مسلمان کسی بنیادی عقیدے یا ارکان ایمان کے خلاف بغاوت کر دیں۔ یہ بات اس ابدی تہجیت کے مفاد میں ہے کہ اسلام اپنے دائرے کے اندر کسی باغی گروہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ دائرة اسلام کے باہر ایسا گروہ اسی برداشت اور رواداری کا حق دار ہے جیسا کہ کسی بھی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا حق ہے۔ مجھے یہ لگتا ہے کہ لمحہ موجود میں اسلام عرصہ تغیر سے گزر رہا ہے۔ یہ سیاسی تہجیت کی ایک قسم سے دوسری شکل میں منتقل ہو رہا ہے جس کے بارے میں تاریخی قوتوں نے ابھی تعین کرنا ہے۔ جدید دنیا میں واقعات اتنی تیزی سے رونما ہو رہے ہیں کہ کوئی بھی پیشن گوئی کرنا قریباً ناممکن ہے۔ اگر ایسی ہی کوئی شے سامنے آئی تو سیاسی طور پر متحد اسلام کا ان غیر مسلموں سے کیا سلوگ ہو گا یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب صرف تاریخ ہی دے سکتی ہے میں جو کچھ کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایشیا اور یورپ کے درمیان راستے ہونے اور زندگی کے بارے میں مشرقی اور مغربی نظریات کے آمیزش کے طور پر اسلام کو مشرق و مغرب کے مابین مصالحت کا رکاسا کردار ادا کرنا ہے

لیکن جب یورپ کی حماقتوں ناقابل مفہوم اسلام کو تخلیق کرتی ہیں اور جیسا کہ یورپ میں دن بہ دن نئے نئے چیزیں پہنچ رہی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ یورپ اسلام کے بارے میں یورپی رویے کی بنیادی تبدیلی آنی چاہیے۔ ہم صرف امید ہی کر سکتے ہیں کہ سیاسی نظریہ سامراجی تسلط یا اقتصادی استحصال کے ہاتھوں خود کو اس کا شکار نہیں ہونے دے گا۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان سیاسی مثالیت کی کسی بھی قسم کے سامنے سرنہیں جھکائیں گے جو بھی ان کے ثقافتی شخص کو بر باد کرنا چاہیے گی، اس لیکن بات کے ناطے مذہب اور حب الوطنی کے دعویٰ کی توثیق کو جانے کے لیے ان پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ عزت مآب آغا خان کے بارے میں صرف ایک لفظ پنڈت جواہر لال نہروں کو آغا خان پر حملہ کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا میرے لیے اس کو دریافت کرنا مشکل ہے شاید وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ قادر یانی اور اسماعیلی ایک ہی زمرے کے تحت آتے ہیں۔ واضح طور پر وہ اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ اگرچہ اسماعیلیوں کی مذہبی تشریع میں غلطی ہو سکتی ہے تاہم وہ اسلام کے بنیادی عقائد پر یقین رکھتے ہیں یہ درست ہے کہ وہ ایک دائمی امانت پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے نزدیک امام کسی وحی کا حامل نہیں ہوتا ہے وہ صرف قانون کا شارع ہوتا ہے یا اگلے دن کی بات ہے (حوالہ The Stay Allahabad مورخہ 12 مارچ 1934ء) کہ عزت مآب آغا خان نے اپنے پیروکاروں سے حسب ذیل تقریر فرمائی:

”گواہ ہوجاؤ کے اللہ ایک ہے مگر اللہ کے نبی ہیں قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ کعبہ سب کا قبلہ ہے تم سب مسلمان ہو اور مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کو السلام ملیکم کہا کرو اپنے بھنوں کے نام اسلامی رکھا کرو۔ مسلمانوں کے ساتھ مساجد میں نماز ادا کیا کرو۔ باقاعدگی سے روزے رکھا کرو۔ اپنی شادیوں کو کافی کے اسلامی اصولوں کے مطابق کیا کرو۔ سارے مسلمانوں ساتھے بھائیوں جیسا مسلک کیا کرو۔“

اب یہ پنڈت جی کے لیے ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ آغا خان اسلام کی تیکھی کی نمائندگی کرتے ہیں یا نہیں؟ مورخہ 21 جون 1936ء کو پنڈت جواہر لال نہروں کے نام لکھے گئے ایک خط میں ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ احمدی ہندوستان اور اسلام دونوں کے غدار ہیں:

”میرے عنز پنڈت جواہر لال نہروں کے مکتب جو بھی کل ملاقات ہے کے لیے آپ کا بہت شکریہ، اس وقت جب میں نے آپ کے آرٹیکلوں کے جواب میں لکھا تھا مجھے یقین تھا کہ آپ کو احمدیوں کے سیاسی روایہ کا تصور نہیں تھا، درحقیقت وہ بنیادی وجہ جس کے باعث میں نے جواب لکھا تھا، بالخصوص آپ کو دکھانا تصور تھا کہ کس طرح مسلم و قادری کا آغاز ہوا تھا اور کس طرح بتدبر تھا اس نے احمدیت میں وہی پرنسپی بنیاد لٹا لی تھی۔ مقامے کی اشاعت کے بعد میں نے شدید حیرت میں دریافت کیا کہ حتیٰ کہ تعلیم یا نویں مسلمانوں کو بھی ان تاریخی حوال کوئی تصور نہیں تھا جنہوں نے احمدیت کی تعلیمات کو فکل دی تھی۔ حریر، آں بجانب کے اور اس کے طالوں دوسرا جگہوں کے مسلمانوں نے آپ کے آرٹیکلوں پر سخت اضطراب محسوس کیا جیسا کہ انہیں لگا کہ آپ کو احمدیوں تحریک سے ہمدردی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ احمدی آپ کے آرٹیکلوں پر بہت شاداں فرمان تھے۔ احمدی پر میں آپ کے بارے میں اس فلسفتی کا بنیادی طور پر ذمہ دار تھا۔ تاہم میں یہ جان کر بہت خوش ہوں کے میرا تاکہ فلاتھا مجھے خدمہ بہوات میں بہت کم دلچسپی ہے لیکن مجھے اس مطالے میں کچھ حد تک شامل ہونا پڑتا کہ احمدیوں کو ان کی اپنی سلسلہ پر جواب دے سکوں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اپنا مقابلہ اسلام اور ہندوستان کے بہترین مذاہدوں میں تحریر کیا تھا۔ میرے ذہن میں کوئی ابہام نہیں ہے کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دو قوموں کے غدار ہیں۔

مجھے آپ سے لاہور میں ملاقات کا موقع ضائع ہونے پر بہت زیادہ افسوس ہوا تھا۔ میں ان طوف پیار تھا

اور اپنی بجھے سے مل نہیں سکتا تھا۔ کچھے دو سال سے میں مسلسل پھاری کے باعث ملا رہا تھا معرفت کی زندگی گزار رہا ہوں۔ یہ خیر و بھیجنے کا آپ اگلی بار کب بخوبی تحریف لائیں گے۔ کیا آپ کو اپنے لبرل آزادیوں کے محدودہ اتحاد سے متعلق میرا احمد موصول ہوا؟ جیسا کہ آپ نے اپنے علا میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے اس لیے مجھے خوف ہے کہ یہ آپ تک نہیں مٹھا۔

آپ کا مختصر  
محمد اقبال،“

52۔ ڈاکٹر محمد اقبال کی قادیانیت پر تحریریں مسلمانوں کے اذہان پر بہت اثر انداز ہوئیں۔ اس سے ہندوستان اور اسلامی دنیا میں قادیانی الحاد کے خلاف خاصاً غم و غصہ پیدا ہوا۔ یہ ڈاکٹر اقبال کی قادیانیت کے خلاف جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ انجمن حمایت اسلام لاہور نے 1935ء کے اپنے سالانہ اجلاس میں وائرس رائے کی ایگریکٹ کونسل میں سر ظفر اللہ کے بحیثیت مسلم رکن شمولیت کے خلاف قرارداد پاس کی۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے اجلاس کی صدارت کی اور مولانا ظفر علی خان نے اکثریتی حمایت سے یہ قرارداد پیش کی۔ اگلے سال (1936) میں احمد یہ گروہ کے ارکان کو انجمن سے نکال باہر کیا۔ یہ امر مرزا یعقوب بیگ لاہور جماعت کے ایک سینئر احمدی اور انجمن کی جزل کونسل کے رکن کے حق میں مہلک ثابت ہوا۔

53۔ سب سے سنگین مسئلہ جس کے ریاست پاکستان کے لیے سنگین مضرات تھے اور تاحال ہیں وہ ملک میں قادیانیوں کی اصل تعداد کا ظاہر نہ ہونا ہے۔ یہ بات ریکارڈ پر آئی ہے کہ اصل آبادی کا کبھی معلوم نہیں ہوا کہے۔ کاغذوں میں درج ”تعاراد“ ہمیشہ اتنی کم رکھی گئی ہے کہ اس گروہ کی اکثریت شناخت جان بوجھ کر پوشیدہ رکھی گئی ہے تاکہ خود کو مسلمان ظاہر کر کے ریاستی اداروں میں گھسنے کے قابل ہو سکیں اس صورتحال کا سال 1974ء میں پارلیمنٹ کی خصوصی کمیٹی کے اراکین نے سنجیدگی سے نوٹس لیا تھا۔ مختلف جماعتوں کے اراکین اور بالخصوص متحرک اراکین جو حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتے تھے نے بہت اہم سوالات اٹھائے اور اس معاملے میں انہوں نے بنیجہ نوعیت کے تحفظات کا اظہار کیا۔ اس نتھے کو واضح کرنے کے لیے کمیٹی کی (چند) رپورٹ شدہ تقاریر سے اقتباسات حسب ذیل کئے گئے ہیں:

**ڈاکٹر فلام حسین:** پی پی رہنماء اور جہلم سے رکن پارلیمان نے 5 ستمبر 1974ء کو تعادی قوت پر حسب ذیل سوال کیا:  
”ہم نے قادیانیوں کے دونوں کے دونوں گروہوں سے ان کی پاکستان میں عددی قوت کے بارے میں پوچھا۔ لیکن انہوں نے صحیح تعداد بتانے سے گریز کیا۔ انہوں نے مختلف جوابات دیئے۔ ایک موقع پر یہ تعاد 35 لاکھ بتائی گئی۔ جبکہ دوسرے موقع پر 30 لاکھ اور یہاں تک کہا گیا کہ ہمارے ان کے پاس ہر ایک رکن کا ریکارڈ موجود ہے۔ جب بھی کوئی نیارکن گروہ میں شامل ہوتا ہے وہ اپنی تمام تفصیلات مہیا کرتا ہے۔“

**صدر مولانا علی مسرو:** ممبر پارلیمان سے پاکستان پیپلز پارٹی سکھر سے تعلق، مورخہ 2 ستمبر 1974ء کا پی تقریر میں کہا کہ:

”جناب: اب یہ بالکل صاف واضح ہے کہ یہ (قادیانیت) ایک منصوبہ تھا۔ اور اس منصوبہ کو اس کی تمام تر مرکبات کے ساتھ زیر بحث لایا جا چکا ہے۔ اس کے بعد اس بات میں کوئی دورائے نہیں ہو سکتی کہ مسلم تصور کے نزدیک وہ ”کافر“ کے علاوہ کچھ نہیں، اب جب کہ یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے، اس وضاحت کے بعد یہ نتیجہ نکالا یا اقدام اٹھایا جائے گا وہ نہ صرف انہیں غیر مسلم قرار دینا ہو گا بلکہ ان کی تمام شائع شدہ کتب اور لٹریچر پر بھی پابندی لگانا ہوگی۔ جناب: ان (قادیانیوں) کے عزائم واضح ہیں۔ ان کا نشانہ حضرت محمد ﷺ کی شان اقدس ہے اور وہ اسی

شان اقدس کے طلبگار ہیں اور ان کا مقصد اس کو حاصل کرنا ہے۔ اس لیے جناب ان کی اشاعت پر پابندی لگتی چاہیے۔

**ڈاکٹر یحییٰ شرف خاتون جہاںی:** خواتین کی نمائندگی کرتے ہوئے، پی پی پی لاڑ کا نام سے تعلق، 5 ستمبر 1974ء کی تقریر کی اور اس بات کی نشاندہی کی کہ:

”جناب: معزز ارکین کے مباحث اور تقاریر کو سننے کے بعد اور اس مقرر خصوصی کمیٹی کے رو برو ”محض نامے“ پیش ہونے کے بعد اور احمدی جماعت کے دورہ نماؤں پر جرح کے بعد اس امر کو آشکار کر دیا ہے اور اس میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا کہ یہ احمدی اور قادیانی یا آپ ان کو جو بھی نام دیں، ہم میں سے نہیں ہیں۔ مسلمان جیسا کہ ہم ہیں میں اس بات پر زور دینا چاہتی ہوں کہ پاکستان کی خواتین آبادی کو بھی اس مسئلہ پر اتنے ہی تحفظات ہیں جتنے کہ پاکستان کی مرد آبادی کو ہیں۔

ہم جانتے ہیں جناب: کہ مسئلہ قطعاً واضح ہو چکا ہے اور ہم ہمیشہ کے لیے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے خاص قوانین پاس کرنے والے ہیں۔ اس مسئلہ کے حل کے بعد ہمیں حل کے مضرات کا بھی تجزیہ کرنا ہو گا۔“

**مکمل سلیمان، ناروال سے پی پی رکن پارلیمان،** نے مورخہ 5 ستمبر 1974ء کو اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:

”ہمارے دوستوں نے قادیانیوں یا مرزا یوں کے لیے ”احمدیوں“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہمیں اس پر بہت شدید اعتراض ہے کہ وہ ”احمدی“ نہیں ہیں۔ اس کا آسان سامنہ ہوم یہ ہے کہ ہمیں اپنے نبی مہریان ﷺ سے منافرت کا درس دیا جا رہا ہے۔ اس بات کا تسلسل سے مظاہرہ کیا گیا ہے۔ یہ احمدی مسئلہ نہیں بلکہ ایک قادیانی مسئلہ ہے۔ مرزا صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ ﷺ کے بعد وہ قادیان (انڈیا) واپس چلے جائیں گے۔ ان کا ایکنڈا اسرائیلوں کے ایکنڈے سے بالکل مماثل ہے۔ اگر تمام قادیانی نظام کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ایک خطرناک گروہ ہے ان کا نہ ہب محض ایک دھوکہ ہے اور ان کی تنظیم صیہونیوں کی طرح کی ہے۔“

**بروفیسر غوث الرحمن:** ایک رہنمای جماعت اسلامی کے رکن پارلیمان اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ:

”دستور میں ترمیم کے بعد ضروری قانون سازی کی جائے گی۔ اور یہ دیکھا جانا ہے کہ کون کون سے قوانین میں تراجمیم ہونا ہیں۔ میں تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا لیکن میں نشاندہی کر سکتا ہوں کہ متعدد قوانین میں تراجمیم کی ضرورت ہو گی۔ اور دستور میں ترمیم کے بعد ان قوانین میں تراجمیم بے ضروری ہوں گی۔ اور سب سے اوپر اور ضروری قدم اس حوالے سے احمدی گروہ کی مردم شماری کرانا ہو گی چونکہ قادیانیوں کے لاہوریوں اور ربوہ دونوں کرگروہوں نے اپنے پیروکاروں کی اصل تعداد سے علمی کا اظہار کیا ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اتنا زیادہ منظم گروہ اپنے پیروکاروں کی اصل تعداد سے کیسے بے خبر ہو سکتا ہے؟“

**مولانا فتح الرحمن انصاری:** رہنمای تحریک پاکستان اور رکن پارلیمان نے مورخہ 6 ستمبر 1974ء کہا کہ:

”مرزا غلام احمد نے سال 1901ء میں حکومت سے درخواست کی تھی کہ مردم شماری میں ان کے پیروکاروں کو الگ شمار کیا جائے۔ اس درخواست کو اس وقت کی انگریز حکومت نے منظور کر لیا تھا اور اس پر 1931 تک عمل ہوتا رہا تاہم 1941ء میں اس امتیاز نظر انداز کر دیا گیا میری درخواست ہے کہ ہم اس درخواست پر پھر سے عمل کریں گے اور مردم شماری میں ان کا الگ سے شمار کیا جائے گا۔“

**جناب عبدالحقیط رزادہ:** بھٹو کابینہ کے وفاقی وزیر، نے دوسری آئینی ترمیم کے موقع پر پارلیمان کے ایوان میں ایک نہایت اہم اور تاریخی تقریر کی تھی، انہوں نے قوانین میں مابعد تراجمیم اور قادیانیوں کی تعدادی قوت کی شناخت کے مسئلہ پر

بالخصوص بات کی۔ انہوں نے پاکستان کے عوام کی خواہش کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی آواز بلند کی:

”پوری تفصیل سے سننے کے بعد، ہم محسوس کر سکتے ہیں کہ کیوں مسلمانوں نے اس مسئلہ پر اتنے گھرے اور جذباتی رو عمل ظاہر کیا تھا۔ ایک چیز جو ہمارے مباحث، اجلاسوں اور گفتلوؤں کے نتیجے میں سامنے آئی وہ یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ جو کہ محمد ﷺ کی ختم نبوت کا مسلمانوں کے ایمان کا بنیادی رکن ہے جو کچھ مرضی واقع ہو جائے محمد ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان کے بنیادی عقیدے پر کسی بھی صورت میں مسلمان سمجھوتہ نہیں کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں نے کہا، جناب، کہ یہ حکومت کا مسئلہ نہیں تھا۔ یہ حزب اختلاف کا مسئلہ نہیں تھا، ہمیں اسے قومی مسئلہ کے طور پر نہ مٹانا تھا اور قوم اس اہم ترین مسئلہ پر خود کو تقسیم کرنے کی حامل نہ تھی، اور اس لیے حکومت کی کوششوں سے حکومت کے رہنمای جناب وزیر اعظم پاکستان کے ذریعے اور اس ایوان میں بیٹھے ہوئے ہمارے سارے سارے دوستوں کے ذریعے اتفاق رائے کے حصول کا مقصد تھا تاکہ اس اہم ترین مسئلہ پر قوم تقسیم نہ ہو۔ قومی اسمبلی کا فیصلہ مکمل اتفاق رائے اور یکجہتی سے آنا چاہیئے۔

جناب: مجھے یہ بات مطلقاً واضح کر دینے دیکھئے کہ ہمارے دستور کی شق 20 ہر شخص کو اپنے مذہب پر ایمان لانے، اس کی تبلیغ اور اس پر عمل کرنے کا بنیادی حق دیتی ہے اور یہ کہ ہر گروہ کو آزادی ہوگی اپنے مذہب پر ایمان لانے کی، اس کی اشاعت کرنے کی اور اس پر عمل کرنے کی لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ختم نبوت جیسا کے دستور کی شق 260 میں بیان کیا جائے گا، یہ رکن عقیدے کی بنیاد ہے، اس لیے یہ سفارش تجویز کرتے ہیں کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ (a) 295 میں ایک وضاحت کے اضافے کے ساتھ ترمیم کی جانی چاہیے۔

تعزیرات پاکستان میں ایک شق پہلے سے موجود ہے جو لوگوں کو اپنے مذہب کی اس طرح اشاعت سے روکتی ہے جس سے دوسرے مذہبی عقیدوں کی دل شکنی ہوتی ہو۔ اس لیے ہم مسلمان چونکہ دوسروں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے سے، ایمان لانے سے یا اس کی اشاعت کرنے سے نہیں روک سکتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص مسلمان ہے جو محمد ﷺ کی ختم نبوت کے عقیدے کے خلاف ایمان لایا ہے، عمل کرتا ہے یا اس کی اشاعت کرتا ہے، جیسا کہ شق 260 کی ذیلی شق (3) میں درج کیا گیا ہے، اس شق کے تحت قابل سزا ہوگا۔

جناب: فطری طور پر، ان ترمیم کے ساتھ، متعاقب طریقہ کار پر مبنی ترمیم ہوں گی یا قوانین میں یا ضوابط میں یا فارمز میں تبدیلیاں ہوں گی۔ جیسے کہ ہمارے ”قومی رجسٹریشن ایکٹ اور انتخابی قواعد“ میں اور یہ بھی غور کرنے کے لیے ایک سفارش ہوگی کہ ایسی متعاقب ترمیم مناسب وقت پر حکومت کرے کیونکہ کچھ ایسے قوانین بھی ہو سکتے ہیں جہاں اندر اج پر جارج کیا جائے، لوگوں وغیرہ کے ادفال اور اشخاص کے ادفال پر، علی ہذا القیاس وغیرہ وغیرہ:

لیکن دوسری آئینی ترمیم کے بعد، نہ تو قوانین میں متعاقب تبدیلی کی جاسکیں، شاید سیاسی بحران اور فوج کے ہاتھوں دستوری ڈھانچہ کو توڑ دینے کے باعث، اور نہ ہی لوگوں کے ادفال وغیرہ اور اشخاص کے ادفال اور علی ہذا القیاس وغیرہ وغیرہ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

54۔ میں نے درج ذیل نکات واضح کرنے کے لئے مسلمان تاریخی واقعات، مسلم رہنماؤں، علماء اور دانشوروں، ارکین پارلیمنٹ کے خیالات اور قادیانیت کے خلاف عوامی جدوجہد کا تذکرہ کیا ہے:-

(i) مسلمان قادریانیت کو غیر مسلم سمجھتے ہیں جو آئینی ترمیم کی صورت میں ان کی حقیقی قرارداد بنی۔

- (ii) آئینی تراجم ملک کی اعلیٰ عدالتوں کی جانب سے عدالتی نظر ثانی کا ٹسٹ بھی پاس کر چکی ہیں۔
- (iii) قادیانی مسئلہ کی سیاسی بنیادیں اور محکمات ہیں۔ اسی وجہ سے تسلسل کے ساتھ مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ قوانین وضع کے جائیں تاکہ قادیانیوں کو اسلام اور مسلمانوں سے علیحدہ کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں آرڈننس 1984 مشہر کیا گیا تھا جس کا مقصد ایسے اقدامات کرنا تھا جن سے دوسری آئینی تراجم کو کسی حد تک موثر بنایا جاسکے۔
- (iv) آرڈننس 1984 بھی ملک کی اعلیٰ عدالتوں سے عدالتی نظر ثانی کا ٹسٹ پاس کر چکا ہے اور اسے آئینی ضمانتوں، اقلیتوں کے حقوق اور مذہبی آزادی کے عین مطابق ایک درست قانون قرار دیا گیا ہے۔
- (v) وفاقی حکومت کی ذمہ داری تھی کہ آئینی مینڈیٹ کو موثر بنانے کے لئے دیگر قوانین میں تراجم کرتی لیکن بدقتی سے ایسا نہیں کیا گیا ہے۔
- (vi) اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے قادیانیوں کی ریاستی اداروں اور کلیدی عہدوں بیشوف اعلیٰ آئینی عہدوں پر تعیناتی اور گھس بیٹھنے کے عمل کی موثر درستگی ہونی چاہئے تھی لیکن اس سمت میں کوئی قدم نہیں انٹھایا گیا ہے اگرچہ قوم کا مطالبہ اور دوسری آئینی تراجم کی منشا یہی ہے۔
- (vii) قادیانی مسئلہ ملک میں ہمیشہ سے بنیادی مسئلے کے طور پر رہا ہے اور حتیٰ کہ آزادی سے پہلے بھی موجود تھا جس کے سبب فوجی مداخلتیں ہوئیں، حکومتیں تاراج کی گئیں اور آئینی ڈیل لاک پیدا ہوئے۔ اس مسئلے کی نزاکت فوری اقدامات کی متقاضی ہے لیکن وفاقی حکومت نے موثر اقدامات نہیں کئے ہیں جس کے نتیجے میں حالیہ فیض آباد دھرنے کے دوران حکومتی مشینری فیل ہو گئی تھی اور یہ خطرہ آگے بھی موجود رہے گا۔
- درج بالا کے تناظر میں، درخواست دہندوں نے عدالت سے رجوع کیا، خاص طور پر آئینی درخواست نمبر 3862/2017 میں کہا گیا کہ سول سروس میں داخل ہونے والے قادیانی لاہوری گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا ایک علیحدہ درخواست ہذا تیار کرنے کا حکم دیا جائے تاکہ مستقبل میں اہم نوعیت کے عہدوں پر تعینات نہ کئے جائیں جیسا کہ پیشہ ہذا میں بتایا گیا ہے اور ایک تفصیلی رپورٹ ریکارڈ پر لائی جائے تاکہ ان افراد افراں کا پتہ چل سکے جو قادیانی لاہوری گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس وقت وفاقی حکومت میں اپنے عہدوں پر فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔
- 55۔ اس ضمن میں اعتراض کی کوئی بات نہیں کہ عدالت ہذا وفاقی شرعی عدالت کے احکامات کے تحت پابند ہے جو سپریم کورٹ کے وضع کردہ قانون کے تحت آئین کے آرڈنل 203 جی اور آرڈنل 189 کے مطابق اس کے دائرة سماعت میں ہے۔ اس لئے عدالتی معاملات جوحتی صورت اختیار کر چکے ہیں اور جن کا اور پر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کوئی چھیڑا جا سکتا ہے۔
- عدالتی معاون کو عدالت کی جانب سے کیے گئے سوال کہ آیا ایک اسلامی ریاست کوئی ایسا قانون بناسکتی ہے جس کے تحت ایک غیر مسلم کو بالواسطہ یا بلا واسطہ اجازت دی جاسکے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے یا بطور مسلمان اپنی پہچان کروائے؟ اور یہ کہ آیا ایک اسلامی ریاست ایک غیر مسلم شہری کو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کی اجازت دے سکتی ہے؟ اس پر مختلف مکتبہ فکر (جیسے کہ اہلسنت والجماعت۔ بریلوی اور اہلسنت والجماعت۔ دیوبند، اہلحدیث اور اہل تشیع) سے تعلق رکھنے والے عدالتی معاونین کا باہم اتفاق تھا کہ اسلامی ریاست کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ ایسا قانون بناسکے یا ایسی کوئی اجازت دے سکے۔ اسی طرح، ان سب کا دوسرے سوالات پر بھی اتفاق ہے جیسا کہ اوپر دیئے گئے تفصیلی تذکرے سے واضح ہوتا ہے۔ اوپر دیئے گئے

سوالات کے ضمن میں فاضل عدالتی معاون نے اسلام میں مسلمانوں سے غیر مسلموں کی علیحدہ شناخت، شعائر اسلام کا مقام، ان کی اہمیت، اقدامات جو کہ اپنی علیحدہ شناخت اور جدا گانہ خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لیے کرنے چاہیے، مسلم کیوں میں غیر مسلموں کی جانب سے اپنی شناخت اور عقیدہ چھپا کر شمولیت پر اسلامی حدود برقرار رکھنے کے لئے اسلامی ریاست کی جانب سے کئے گئے اقدامات کی وضاحت بھی کی ہے۔ ان تمام گزارشات پر ذیل میں غور کیا گیا ہے:

### الف۔ قرآن مجید کے احکامات:

قرآن مجید کی آیات پر انحصار کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا کہ اللہ نے تمام مسلمانوں پر شعائر اللہ کی عزت و تو قیروں کو لازم قرار دیا ہے یہ حکم قرآن مجید کے ان احکامات میں سے ایک ہے جنہیں بار بار ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس بات کا روشن ہدایت میں بار بار دہرانا اسلام میں اس کی اہمیت اور لازمی رکن کے طور پر عظمت کو ظاہر کرتا ہے اس سے فرار کی کوئی گنجائش نہیں اور اس کی نافرمانی اللہ کے غصب کو نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر دعوت دینے کے لیے کافی ہے۔ شعائر اللہ کے معاملے میں خدا کے حکم کو درج ذیل آیات میں پایا جاسکتا ہے:

### آیات

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاءِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطْوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ  
شَاكِرٌ عَلَيْهِمْ (158)

بیشک (کوہ) صفا اور مرودہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اُس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے (بلکہ طواف ایک قسم کا نیک کام ہے) اور جو کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدر شناس اور دانا ہے۔ (سورہ 158 آیت 2)

ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرْمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ حَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأَجْلَتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ  
الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (30)

”یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھنے تو یہ اللہ کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں سو اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو تو یہ کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔“ (سورہ 30 آیت 22)

حُنَفَاءِ لِلَّهِ عَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَكَانَمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطُفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهُوِيْ بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ  
سَحِيقٌ (31)

”صرف ایک اللہ کے ہو کا اور اُس کیسا تھہ شریک نہ ٹھہرا کر اور جو شخص (کسی کو) اللہ کیسا تھہ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اُس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دُور جگہ اڑا کر پھینک دے۔“ (سورہ 31 آیت 22)

ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَاءِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (32)

”یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھنے تو یہ ( فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔“ (سورہ 32 آیت 22)

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعٌ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمٍّ ثُمَّ مَحْلِهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَيْقِ (33)

”ان میں ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے فائدے ہیں پھر ان کو خانہ کعبہ (یعنی بیت اللہ) تک پہنچنا (اور ذبح ہونا) ہے۔“ (سورہ 33 آیت 22)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَدُكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرُ

الْمُحْبِّتُينَ (34)

”اور ہم نے ہر ایک امت کیلئے قربانی کا طریقہ مقرر کر دیا ہے تاکہ جو مویشی چار پائے اللہ نے اُن کو دیئے ہیں (اُن کے ذبح کرنے کے وقت) اُن پر اللہ کا نام لیں سوتھا رامعبود ایک ہی ہے اُسی کے فرمان بردار ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔“ (سورۃ 22 آیت 34)

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقَنَا هُمْ يُفْقِدُونَ (35)  
”یہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور (جب) ان پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور نماز آداب سے پڑتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو عطا کیا ہے اُس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔“ (سورۃ 22 آیت 35)

وَالْبُدُّنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَيْرٌ فَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَ كَذَلِكَ سَخْرُنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (36)

”اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ مقرر کیا ہے اس میں تمہارے لئے فائدے ہیں تو (قربانی کرنے کے وقت) قطار باندھ کر اُن پر اللہ کا نام اوجب پہلو کے بلگر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھ رہے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ اس طرح ہم نے اُن کو تمہارے زیر فرمائ کر دیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔“ (سورۃ 22 آیت 36)  
لَنْ يَسْأَلَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَسْأَلُهُ النَّقْوَى مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخْرَهَا لَكُمْ لَتُكَبِّرُوا اللَّهُ عَلَىٰ مَا هَدَأْكُمْ وَبَشِّرُوا الْمُحْسِنِينَ (37)

”اللَّهُ تَكَبَّرَ نَأْنَ كَأَكْوَشَتْ بِيَنْجَتَاهِ اور نَهَنَ خُونَ بِلَكَهُ اُسْ تَكَ تَهَمَّارِي پِرْهِيزْ گَارِی پِنْجَتَی ہے، اسی طرح اللہ نے اُن کو تمہارا مسخر کر دیا ہے تاکہ اس بات کے بد لے کے اُس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے، اُسے بزرگی سے یاد کرو اور (اے پیغمبر!) نیکو کاروں کو خوشخبری سنا دو۔“ (سورۃ 22 آیت 37)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوْ شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرُ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدَى وَلَا الْقَلَّادَ وَلَا آمِنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَتَعَفَّغُونَ فَضْلًا مِّنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَّلُتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَحْرِمَنَّكُمْ شَيْئًا قَوْمٌ أَنْ صَدُوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبَرِّ وَالْتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدُوانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (2)

”مومنو! اللہ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیئے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں اور نہ اُن لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جاری ہے ہوں (اور) اپنے رب کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُن پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔“ (سورۃ 5 آیت 2)

قرآن کی درج بالا آیات میں، شعائر کی اصطلاح کا ایک خاص معنی اور مفہوم ہے، مختلف مکتبہ ہائے فکر کے مسلمان علماء نے قرآن مجید کی متعلقہ تفاسیر میں اس اصطلاح کے معنی اور مفہوم کی وضاحت کی ہے۔ جس طور پر اس اصطلاح کی مختلف تفاسیر میں تعریف اور وضاحت کی گئی، وہ اس لائق ہے کہ اسے حسب ذیل ذکر کیا جائے:

جسٹس (ر) محمد تقی عثمانی نے اس کی یہ تعریف کی ہے:

”لفظ شعائر کا لغوی طور پر معنی ہے ایسی علامات جو کچھ خاص حقائق کی نمائندگی کریں۔ یہ شریعت کے ان تمام مظاہر پر منطبق ہوتا ہے جنہیں اللہ ( سبحانہ و تعالیٰ ) نے ضروریاتِ لازم کے طور پر تعین فرمائے ہیں۔ بالخصوص حج کے مقدس

مقامات شعائر اللہ میں شامل ہیں۔ جن کی عزت و تقدیر ایمانی تقاضے کے طور پر کرنا لازم ہے (تفسیر آسان قرآن)۔“

مولانا صلاح الدین یوسف نے اسے حسب ذیل واضح کیا ہے:

”لفظ شعائر، شعائر کی جمع ہے جس کا مطلب ہے ایک علامت یا ایک شناختی نشان ہے جسے جنگ کے وقت ایک دوسرے کی شناخت کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے۔ شعائر اللہ اسلام کے وہ نمایاں اور امتیازی احکامات ہیں جو ایک مسلمان کا دوسرے مذاہب کے پیروکاروں سے فرق کرتے ہوئے اس کی ایک امتیازی شناخت قائم کرتے ہیں (تفسیر مکہ)۔“

مولانا اسحاق مدñی نے اس کے معنی پر تبصرہ کرتے ہوئے حسب ذیل اس کی تعریف بیان فرمائی ہے:

”شعائر اللہ سے مراد وہ عمل ہے جس سے اللہ سبحان و تعالیٰ نے انسانوں کو مطلع کیا ہے اور اسے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس اسلام کا ہر وہ حکم جو اس کی ایک علامت خیال کیا جاتا ہے وہ شعائر اللہ کا حصہ ہے (تفسیر مدñی کبیر)۔“

ڈاکٹر اسرار احمد نے درج ذیل معنوں میں اس کی تعریف کی ہے:

”شعائر کی واحد شعائر ہے جو لوگوںی اعتبار سے لفظ شعور سے متعلق ہے اس تناظر میں ہر وہ چیز جو انسانوں کو اللہ سبحان و تعالیٰ کا، اس کی صفات کا اور اس کی حقیقی اطاعت کا شعور عطا کرے وہ شعائر اللہ سمجھی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے صفا، مرودہ، بیت اللہ اور مقام ابراہیم شعائر اللہ کہلاتے ہیں۔ (تفسیر بیان القرآن)“

مفتي محمد شفیع اپنی مقبول عام تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ:

”لفظ شعائر شعائر کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں۔ وہ اشیاء جو کسی خاص مذہب یا گروہ کے لیے امتیازی علامات سمجھی جاتی ہیں، شعائر کہلاتے ہیں۔ اسلامی شعائر وہ مخصوص احکامات ہیں جو ایک مسلمان کی شناختی علامات کے طور پر شمار کئے جاتے ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن)“

حافظ عبدالسلام بھٹوی اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

”وہ چیزیں جنہیں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس لیے قائم فرمایا کہ وہ اس کی عظمت کی یاد دہانی یا شعور پیدا کریں، شعائر اللہ کہلاتی ہیں۔ جو کوئی ان کی تقدیر اور ان کا اکرام کرے وہ ایک متقدی دل کا مالک ہے۔ (تفسیر القرآن)“

جسٹس (ر) پیر کرم شاہ الازہری نے اپنی مشہور تفسیر میں اسے یوں بیان کیا ہے:

”اس سے مراد کسی شے یا اشیاء کی شناخت اور پہنچانے کے لیے علامات ہیں جو درست اور غلط کے درمیان تمیز پیدا کرے وہ شعائر اللہ کہلاتی ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن)“

مولانا حافظ محمد حسن نے اس کی حسب ذیل تعریف بیان کی:

”شعائر ہر قوم اور شخص کے لیے مخصوص نشانات اور علامات، اللہ سبحان و تعالیٰ کے شعائر وہ مخصوص رسومات ہیں جو اللہ نے اپنے فرمابرداروں کے لیے امتیازی علامات کے طور پر متعین فرمادی ہیں۔ ان نشانات پر عمل تقویٰ پرمنی عمل ہے۔ ان علامات کو کم ترجیحت ہوئے ان پر عمل نہ کرنا اللہ کی نافرمانی والا عمل ہے۔ اس رویے سے قومی یچھتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ (تفسیر احسن الفہیم)“

شعائر کی درج بالا تعریفوں کو جو محترم سکالروں نے فرمائی ہے انہیں سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں یوں بیان کیا ہے:

”جو کچھ صفاتی طور پر آیا کہ ایک مخصوص نظریہ جو نسل، انداز فکر یا مسلک کو ظاہر کرے، اسے ایک علامت کے طور پر شناخت کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سرکاری جھنڈے، مسلح افواج کی وردیاں، سکے، کرنی نوٹ اور ٹکٹیں

وہ علامات ہیں جنہیں حکومتیں استعمال کرتی ہیں۔

گرچے، قربان گائیں اور صلیبیں عیسائیت کی علامات ہیں۔

سرپر بالوں کا مخصوص چھا، ایک مخصوص قسم کی مالا اور مندر ہندوازم کی علامات ہیں۔

پگڑی، کڑا، کرپان (ایک مخصوص خبر جو سکھ رکھتے ہیں) سکھ مذہب کی علامات ہیں۔

ہتھوڑا اور درانتی اشتر اکیت کی علامات ہیں۔

ان نظریات کے پیروکاروں پر لازم ہے کہ وہ ان علامات سے احترام کا برتاؤ کریں۔ اگر کوئی شخص کسی مخصوص نظریہ سے مسلک کسی علامت کی تو ہین کرتا ہے اسے دشمنی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اس نظریہ کا خود بھی پیروکار ہے تب اس کی طرف سے کی گئی تو ہین سے مراد اس نظریہ کو ترک کیے جانے اور اس کے خلاف بغاوت کے مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ شاعر اللہ کی اصطلاح ان تمام رسومات کا حوالہ دیتی ہے جو بت پرستی اور مکمل عدم ایمان اور الحاد کے برخلاف، خدا کی کامل اطاعت اور صفاتی علامات ہیں۔ (تفسیر تفسیم القرآن)

درج بالا سے، یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسوماتی علامات ایک خاص مذہب یا نظریے کے کردار، خصوصیت کے اظہار اور نمائندہ علامات ہوتی ہیں۔ ایک اسلامی تصور کے طور پر وہ نہ صرف بیرونی ہیئت، بظاہر رجحان، یا حاشیاتی شکل، یا علیحدہ خصوصیت، یا شناختی نشان کے مقصد کو پورا کرتے ہیں، بلکہ احساسات کی ترجمانی، اللہ کے حکم کی اطاعت اور اتحاد اور امامہ کی سالمیت کی علامت بھی ہوتے ہیں۔ مذہبی علامات پر بحث کرتے ہوئے، یہ ہن میں رہنا چاہئے کہ ایک مذہبی علامت بلا مقابلہ اثر رکھتی ہے۔ ایک مذہبی علامت سے جڑی شے اور ایک غیر جانبدار اور تحقیر دین سے جڑی شے میں فرق رسوماتی رویے کا ہوتا ہے۔ یہ ایسی رسومات اور اطاعت پر مائل کرتا ہے جو مذہبی عقائد کے تناظر میں ہی واضح کئے جاسکتے ہیں اور ان کا جواز ڈھونڈے جاسکتا ہے۔

56۔ لینارڈ رائمن اپنی کتاب بعنوان The symbol of the centre and its religious function in Islam (Religious Symbols and their Functions, Edited by HARALDS BIZEAIS) رسوم و رواج کی علامتوں بنیادی مثالوں میں سے ایک مثال اسلام میں مرکزیت یعنی کعبۃ اللہ کی مثال ہے، جسے بیت اللہ، بیت الحرم کہا جاتا ہے اور مکہ کا وہ علاقہ جہاں یہ واقع ہے "ام القریٰ" یعنی شہروں کی ماں کہلاتا ہے۔ یہ علامت انتہائی اثر انگیز ہے کیونکہ اس کے نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ جذبات کو ہوادیتا ہے اور ان کا اظہار کرتا ہے، روحانی تجربات سے گزارتا ہے، خدا کے فرائض اور دینی بھائیوں کے ساتھ باہمی پن کے جذبات کی آبیاری کرتا ہے، یہ جذبات نہ صرف اسلام کے بنیادی اصولوں کا تصور پیش کرتے ہیں بلکہ اس علامت کے تجربے سے یہ خیالات فرد (بلکہ کروڑوں افراد) کی شخصیت میں سماجی اور سیاسی یگانگت پیدا کرتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ مرکز کو بلا تخصیص قبلہ سمجھا جاتا ہے جو روزمرہ کے رسومات کی سمت ہوتا ہے جس سے معاشرے میں اخلاقی، قومی اور سیاسی حدود سے بالاتر ہو کر ایک قوم بننے کا تصور ابھرتا ہے۔

57۔ عبادات کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ انہیں کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کیا جائے۔ جانور کی قربانی بھی کعبہ کی طرف منہ کر کے کی جاتی ہے۔ فوت ہو جانے والے کا منہ کعبہ کی طرف رکھ کر دفنایا جاتا ہے۔ قبلہ مساجد کے رخ کا تعین کرتا ہے اور اسی لیے بالواسطہ طور پر شہروں کی پلانگ مسلم دنیا کو تشکیل دیتی ہے۔ مکہ حاجیوں کا مرکز بھی ہے۔ مکہ کی خاص اہمیت اور کعبہ کا تقدس قرآن سے بھی مترجم ہوتا ہے:

"پہلا گرجو لوگوں (کے مدد کرنے) کیلئے مقرر کیا گیا تھا وہ ہے جو کہ میں ہے"

بابرکت اور جہاں کیلئے موجب ہمایت۔ اس میں کلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم علیہ السلام (مقام ابراہیم) کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ جو غص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا، اس نے اُن پالیا۔ اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکے وہ اس کا حج کرے۔“ (سورہ ۹۶: ۳)

یہاں پر مرکز سے مراد ایک مخصوص شے یعنی کعبہ ہے اور کسی حد تک مکہ کا پورا شہر مراد ہے کیونکہ وہ اسلام کے جغرافیائی رسم کے اعتبار سے ہر کسی کا مرکز نگاہ ہے۔ کعبہ (اور مکہ) کس طرح سے مسلم دنیا کا عالمتی مرکز ہو سکتا ہے؟ اس علامت کی آج کیا اہمیت ہے؟ اسلام میں مرکز کی علامت کا کیا مذہبی عمل دخل ہے؟

(i) مکہ اور کعبہ کے تقدس اور منفرد حیثیت کو ”پناہ کے حق“ سے تعبیر کیا گیا ہے ”وہ محفوظ ہے جو داخل ہو گیا“ (سورہ الحرام ناقابل شخ ہے لیکن اس پناہ کا حق بھی حدود و قیود سے بہر انہیں۔ یہ کافروں کے لیے جائز نہیں جو مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں۔ (سورہ ۱۸۷/۲: ۱۸۱) اور کوئی مجرم جو وہاں پناہ چاہے اسے خوراک نہیں دی جانی چاہیے تاکہ وہ جلد خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دے۔ یہ حرمت پودوں اور جانوروں کے لیے بھی ہے۔ پودے اور جانور (مساویے کچھ اثنات کے) مکہ کے حرم کے اندر محفوظ ہیں۔ حج کے دوران قربانی کی رقم کعبہ میں ادا نہیں کی جاتی ہے، (جبیسا کہ قرآن حکم دیتا ہے: سورہ ۳۴/۲۲) بلکہ منی میں ادا کی جاتی ہے۔ جانوروں کو مارنے پر پابندی کا ایک نتیجہ مکہ کی مسجد میں کبوتروں کی بہتان ہے۔

(ii) مکہ ایک چھوٹی سے مسلم دنیا بن چکا ہے۔ مکہ کی مذہبی اہمیت کے باعث غیر لوگ اس میں آباد ہو چکے ہیں۔ اسلام کے تمام نسلی گروہ اور قومیتیں یہاں موجود ہیں۔ عقیدت کے مرکز کے طور پر کعبہ کا کردار اس حقیقت سے بھی واضح ہے کہ اس عبادت گاہ کی تصاویر گھروں اور مسجدوں میں ”عقیدت کے نشان“ کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں اور مرکز کی علامت بحیثیت مجموعی مذہب کی علامت بننے کا رجحان رکھتی ہے۔

(iii) اس بات پر بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ کعبہ کا امام بہت اہم شخصیت کا حامل ہوتا ہے جو سفارتی و فود وغیرہ کی سربراہی کرتا ہے۔

(iv) اس علامت کا احترام، مسجد کی شان و شوکت اور خوبصورتی سے بھی ظاہر ہے۔ مکہ میں سب سے زیادہ اہم تبدیلی کعبہ کے ارڈگر مسجد کی دوبارہ تعمیر ہے جبکہ کعبہ کی حیثیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

(v) ساری دنیا سے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے ہیں وہ اپنے ہم مذہبوں سے ملتے ہیں۔ سارے کے سارے ایک جیسے لباس میں ملبوس، ایک جیسی رسومات ادا کرتے ہوئے۔ عموماً اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اسلام کی اخوت، اتحاد اور مساوات کا ٹھوس تجربات کے طور پر وہاں عملًا مظاہرہ کیا جاتا ہے جسے مسلمان کو اپنی روزمرہ زندگی میں نافذ کرنا چاہیے اس سالانہ عمل کے ذریعے تمام مسلم قوم پاک ہو جاتی ہے۔

(vi) کعبہ اور مکہ کا حرم حج کے سب سے اہم لازمی رکن الوقوف ”عرفات“ میں ”قیام“ کا حصہ نہیں ہے، جو کہ آدم اور حوا کی ملاقات کی اور پیغمبر محمد ﷺ کے خطبہ جمعۃ الوداع کی یاد میں کیا جاتا ہے۔

(vii) حج اور عمرہ دونوں میں ایک اہم رسم طواف ہیکعبہ کے گرد سی مشق خرام، طواف، حجر اسود کے کونے کو نقطہ آغاز کے طور پر لیتے ہوئے طواف اور گھڑی کی سوئی کے برخلاف سات چکر لگا کر کیا جاتا ہے۔ گھڑی کی سوئی کے برخلاف یہ طواف کرنا دیگر مذاہب میں ایک غیر معمولی روحانی تصور کیا جاتا ہے۔ جہاں تک اس رسم کی توجیہ و تشریح کی گئی ہے اسے خدا کے حضور

اطاعت کا عمل کہا جاتا ہے۔ یہ رسم حج کی تمام رسوم کی طرح ابراہیم کی طرف سے جاری کردہ خیال کی جاتی ہے۔ طواف وداع، حج اور عمرہ دونوں میں آخری رسم ہے جسے حاجی مکہ چھوڑنے سے بالکل پہلے ادا کرتا ہے اس رسم کی ادائیگی میں گھرے جذباتی لگاؤ کا اظہار شامل ہے۔

(viii) مشرقی کونے اور کعبہ کے دروازے کے درمیان شمال مشرقی دیوار کا حصہ شامل ہے جسے ”الملتزم“ کہا جاتا ہے جہاں زائرین دیوار کے ساتھ اپنا چہرہ اور سینہ لگاتے ہیں اپنے بازوؤں کو اپنے سروں سے اوپر لے جا کر وہ اس جہان کی اور دوسرے جہان کی نعمتیں مانگتے ہیں۔

(ix) مقام ابراہیم کعبہ کے شمال مغربی حصے میں موجود پتھر ہے۔ روایت کے مطابق ابراہیم نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر کی۔

(x) کعبہ کے مشرق میں زم زم کا کنوں، روایت کے مطابق وہ ذریعہ ہے جس سے اسماعیل کی زندگی بچی۔ جب وہ اور ان کی والدہ ہاجرہ نے اس بخرا وادی میں پانی کوتلاش کیا۔ اس میں پانی کا بہاؤ مجرا تی خیال کیا جاتا ہے۔

(xi) ابراہیم کے خاندان اور حاجی کے درمیان تعلق کو دیگر رسومات سے بھی واضح ہوتا ہے: سعی، صفا اور مرودہ کا درمیانی راستہ ہاجرہ کی پانی کی تلاش کی یاد دلاتا ہے۔

(xii) جمرات میں شیطان کو نکریاں مارنا، بیٹی کو قربان کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی پر انسانے کے شیطانی بہکاوے کو رد کرنے کی یاد دلاتا ہے۔ اس تقریب کا اہتمام اس لیے ہے کہ حاجی برائی کی مذمت کرتا ہے اور شیطانی بہکاووں کے خلاف اڑنے کو تیار ہے۔

(xiii) منی میں قربانی کی رسم: جو تمام مسلم دنیا میں عید الاضحی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے وہ ابراہیم کی عظیم قربانی کی مشق ہے اور ان کی اطاعت کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اس رسم کی اہمیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ اپنی ذاتی ملکیت (یا حتیٰ کہ اپنی زندگی) کو ترک کر دینے کی رضامندی کا اظہار ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا مقصد حاجی کو ضرورت مند کی مدد کرنے کے فرض کی یاد دہانی ہے۔

(xiv) بہت سوں نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ حج میں کعبہ کا محض نظارہ بہت شدید جذبات کو بھار سکتا ہے۔ اسے ایک گھرے مذہبی تجربے، روحانی خوشی کے حصول کے ذریعے، ”دوبارہ جنم“ سے تعمیر کیا جاتا ہے۔

(xv) جمراسود: اگرچہ قرآن میں اس کا تذکرہ موجود نہیں ہے، یہ ابراہیم اور اسماعیل کے کعبہ کی باقیات تصور کیا جاتا ہے بعض اوقات اسے خدا اور اولاد آدم کے مابین عہد سے بھی منسلک کیا جاتا ہے۔

(xvi) زکی بداوي کہتے ہیں کہ کعبہ کو عقیدہ تو حید کی خاص نشانی کے طور پر گردانا جاتا ہے کعبہ اور مکہ اسلام کی جغرافیائی مذہبیت کا مرکز ہے۔ اسلام میں مرکز کی علامت، ایک طرف قابل قدر چیز، شہر ہے اور عبادت گاہ ہے اور دوسری طرف اس مرکز سے جڑا رسولی طرز سلوک یعنی طواف قبلہ وغیرہ وغیرہ۔

**(Lennard Ryden; The symbol of the Centre and its religious function in Islam in Religioius Symbols and their Functions; Edited by Haralds Biezais)**

58۔ دیگر عالمتی رسومات کو ایک طرف رکھتے ہوئے میں نے صرف حج پر توجہ دی ہے تاکہ یہ دکھایا جاسکے کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا کس قدر مذہبی عقیدہ صرف اور صرف اس علامت سے جڑا ہوا ہے۔ اگر میں اسلام سے جڑی دوسری علامتوں کی وضاحت کروں تو یہ بحث کبھی نہ ختم ہونے والی ہو گی۔ عقیدہ اسلام کی ہر علامت اپنے اعتبار سے اپنا ایک زاویہ، اپنا اندر وہی مقصد

اور عمل کے اعتبار سے اپنی خصوصیات رکھتی ہے جو کے اس کو دنیا کے دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے قرآن شریف کی ان آیات میں رسول مرتضیٰ شناخت کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ہر مذہب کی رسومات کی ایک علیحدہ خصوصیت ہوتی ہے اور ان پر عمل درآمدان کے اظہار، رابطہ علم اور اختیار کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ ہر سرم کے پیچھے ایک عالمی نظریہ ہے۔ ہر سرم اور اس کی ادائیگی کا ایک مقصد اور طریقہ کار ہے۔ یہ فغل اور مقصد ظاہری بھی ہو سکتا ہے اور خفیہ بھی، لیکن ان کے ماننے والوں کے رسمی رویے اپنے شریک کاروں کو ایک مذہبی یا کوئی ایسا پیغام دیتے ہیں جس کے معنی وہ سمجھ رہے ہو تے ہیں جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

## ب۔ سنت کی اتفاقی

معاملے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اسلام کی رسولی علامات کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی ربط ہے۔ اذان سے لے کر لازمی و ضرورت جو کے لازم ہے، دن میں پانچ مرتبہ نماز کی ادائیگی کا فرض، اقامت کا تصور، مسجد میں اجتماع، ایک امام کی امامت میں باہم نماز کی ادائیگی، قرآن سے آیات کی تلاوت، قیام، رکوع، سجود اور اطاعت کی دیگر علامتیں خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اسی طرح نماز ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔ اس طرح، اسلام کی رسومات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ یوں جڑی ہوئی ہیں کہ ان کی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہلکی سی بھی دراٹ کا تصور دخل در معقولات سمجھا جاتا ہے۔

اسلام کی اپنی علیحدہ شناخت ہے جو کسی سے مماثلت نہیں رکھتی ہے۔ اسلامی قوانین سے ہٹ کر اگر ہم صرف اسلام کے پانچ ستونوں کی بات کریں تو اسلامی رسومات کی انفرادیت واضح ہو جاتی ہے۔ دنیا کا کوئی اور مذہب خدائی احکامات کی بجا آوری میں ایسے کھرے پن کا متقاضی نہیں ہوتا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ مسلمان اپنی رسومات کی حفاظت میں بہت حساس واقع ہوئے ہیں جو ان کے مذہب کی نمایاں خصوصیت ہے۔ وہ اسے ان کے ہاتھوں ملاوٹ کا شکار نہیں ہونے دیتے جو ان کے نزدیک عقیدے کے باغی ہوتے ہیں۔ یہ علامات خصوصی طور پر سماجی عمل کا عصر ہیں اور ان کے عمل میں ثبت اُنگیخت کا کردار ادا کرتی ہیں۔ ان رسمی علامات کا کلیدی کردار مسلم معاشرے کی پوری سماجی زندگی، پیدائش سے لے کر بسترِ مرگ اور تدفین کی رسومات، کا احاطہ کرتا ہے۔ اس لئے کسی بھی ایسے مذہبی گروہ جسے مسلمان غیر مسلم تصور کرتے ہیں کو جاہز نہیں دے سکتا کہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے لبادے میں پیش کریں۔ مسلمان قادیانیوں کی جانب سے اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی سے منع نہیں کرتے لیکن وہ ان کی یہ کوشش کا میاب نہیں ہونے دیں گے کہ وہ اسلام کے لبادے میں اپنے مذہب کو چھپائیں۔ ایسی کوئی بھی کوشش ان کے احساسات، جذبات، عقائد پر خطرے کی گھنٹی بجاتی ہے جن کی حفاظت ان کی مذہبی ذمہ داری ہے۔

علیحدہ مسلم شخص کا تصور مسلم کمیونٹی کی سوچ، ذہن اور عقیدے میں گھری جڑیں رکھتا ہے۔ مسلم برادری کو یہ تصور کسی اور نہیں بلکہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا اور راست کیا ہے۔ اللہ کا پیغام جو پیغمبر خدا کے ذمے پہنچانے کے لئے لگایا گیا تھا اس میں واضح علامتوں کا ان سے بیان کر دینا بھی شامل تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دنوں میں ریاست مدینہ کی مسلم برادری کو حکم تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہمسایہ قبائل سے اپنی علیحدہ شناخت قائم رکھیں۔ یہاں تک کہ ایک مسلمان کے انفرادی انداز و اطوار بھی یہودیوں اور عیسائیوں سے علیحدہ ہوتے تھے بلکہ بعض ایک موقع پر حکم دیا گیا کہ علیحدہ شناخت اختیار کرو۔ درج ذیل احادیث اس نقطے کے سمجھنے کے لئے کافی ہوں گی۔

حَدَّثَنَا عَثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو النَّضِيرِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ

ثَابِتٌ، حَدَّثَنَا حَسَانُ بْنُ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي مُنِيبِ الْجُرَشِيِّ، عَنْ أَبْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی قوم میں ہوگا۔

أَخْبَرَنِي عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَنَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرُوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَيْرُوا الشَّيْبَ وَ لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ—

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا بڑھاپے کارنگ بدلو اور یہودیوں کی مشابہت نہ رکھو۔

## ج- اجماع امہ

59. فاضل عدالتی معاونین نے یہ موقف بھی اختیار کیا کہ مسلمانوں کی جانب سے ایک علیحدہ شناخت قائم کرنے کی روشن خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد آنے والے خلفاء نے جاری رکھی۔ اس ضمن میں واضح شہادت موجود ہے کہ مسلمانوں نے خلافت راشدہ کے دور میں اور بعد میں امیہ اور عبا سیہ اور دوار میں غیر مسلموں کو اجازت نہیں دی کہ وہ مسلم شخص کو اپنا کئی اور اپنے لئے ایک ممتاز طرز عمل اپنائے رکھا۔ پروفیسر ڈاکٹر حافظ حسین مدینی نے شروط العمریہ کی تاریخی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے دور کا معاهدہ پر خلافت راشدہ، حضرت عمر بن عبد العزیز، خلیفہ ہارون الرشید، خلیفہ جابر بن محمد، سلطان النیزیر محمد بن کلاوں اور دوسروں کے دور میں بھی عمل درآمد ہوا تھا۔ یہ موقف بھی اختیار کیا گیا کہ ایسے اقدامات دونوں طرح سے اختیار کیے گئے تھے۔ ایک طرف مسلمانوں سے کہا گیا کہ اپنی علیحدہ شناخت قائم رکھیں جبکہ دوسری جانب غیر مسلموں کو بھی مسلمانوں کا طرز عمل اختیار کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ غیر مسلموں سے علیحدہ شناخت قائم رکھنے کی حساسیت سے متعلق تاریخی شہادت تاریخی دستاویز عمر کا معاهدہ میں بھی ملتا ہے جسے شروط العمریہ بھی کہا جاتا ہے جو شام کی فتح کے موقع پر کیا گیا تھا۔ اس معاهدے کی شرائط بتاتی ہیں کہ صحابہ اپنی علیحدہ شناخت سے کس درجہ حساس تھے اور کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلم رسم و رواج کی علامتوں کو اپنانے سے باز رکھا گیا تھا۔ یہ بات قبل ذکر ہے کہ یہ معاهدہ بعد میں آنے والی حکومتوں کے لئے اسلامی ریاست میں شامل ہونے والے غیر مسلموں سے متعلق ایک ماذل کی حیثیت اختیار کئے رکھا۔ فاضل عدالتی معاونین نے کہا کہ شروط العمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بعد میں آنے والے خلفاء اور مسلم ریاستوں کے حکمرانوں نے تسلیم کیا اور اس کو لاگو کرتے رہے۔ احکام السلطانیہ کے ہر مصنف نے اسے اسلامی ریاست کیلئے ایک رہنماء دستاویز قرار دیا۔ فاضل عدالتی معاون حافظ حسن احمد مدینی نے کہا کہ احکام السلطانیہ کے موضوع پر 22 تصانیف کے عظیم اسلامی مصنفوں نے اسے ایک اہم دستاویز کے طور پر اپنی تصانیف میں شامل کیا ہے۔
60. جناب مدینی نے امام ابو الحسن ماوردي شافعي، امام ابن قدما حنبلی، امام ابو یوسف حنفی، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور دوسرے

فقہاء کی تحریروں سے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس مسئلے پر اس دستاویز کو اجماع صحابہ سمجھا جانا چاہیے جیسا کہ ان میں سے کسی نے بھی اس طریقہ کارا معاهدہ کو مبینہ طور پر نامنظر نہیں کیا ہے بلکہ جانشین خلفاء کی طرف سے اس کو اختیار کر لینا اس کی درستگی اور قانونی اہمیت پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے۔ اس معاهدے پر 15 بھری میں مہاجرین اور انصار صحابہ کرامؐ کی موجودگی میں عملدرآمد ہوا تھا۔ اس تاریخی دستاویز پر حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت معاویہ بن سفیانؓ نے بطور گواہ طور پر دستخط کیے۔ یہ روایت کیا جاتا ہے کہ خلیفہ راشد حضرت علیؓ نے اس دستاویز کی تقدیس پر رائے دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ حضرت عمرؓ کے اس معاهدے میں درج کسی بھی شرط میں ترمیم نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ وہ (حضرت عمرؓ) سیاسی دانشمندی، اپنی رائے اور اپنی راست بازی میں سب سے بہترین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مکتبہ ہائے فکر نے مسلم امہ کے مفادات کی حفاظت اور تحفظ کے لیے شروع عمریہ کے نفاذ کی اہمیت کو تسلیم کیا جو کہ حسب ذیل ہے:

حدیث کے علماء نے عبدالرحمن بن عنم العشری سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ، ”میں نے عمر بن خطابؓ کے لیے معاهدہ امن کی شرائط کو لکھا جو انہوں نے الشام (شام) کے عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا:

”اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ یہ فلاں فلاں شہر میں عیسائیوں کی طرف سے اللہ کے غلام عمر، امیر المؤمنین کی طرف ایک دستاویز ہے، جب تم (مسلمان) ہمارے پاس آئے ہم نے اپنے لیے، بچوں کے لیے، ملکیت کے لیے اور اپنے مذہب کے پیروکاروں کے لیے تم سے تحفظ کی درخواست کی ہے۔ ہم نے خود اپنے لیے یہ شرط رکھی کہ ہم اپنے علاقوں میں نہ کوئی خانقاہ، گرجا گھر، نہ اپنے راہب کے لیے معبد بنائیں یا کھڑا کریں گے نہ کوئی ایسی عبادت گاہ دوبارہ بنائیں گے جسے دوبارہ بنانے کی ضرورت ہے اور نہ ان میں سے کسی کو بھی مسلمانوں کے خلاف دشمنی کے مقصد کے لیے استعمال کریں گے۔ ہم کسی بھی مسلمان کو چاہیے وہ دن میں آئے یا رات کو اپنے گرجا گھروں میں آرام کرنے سے نہیں روکیں گے اور ہم اپنے (عبادت کے گھروں کے) دروازوں کو مسافروں اور راہ چلنے والوں کے لیے کھول دیں گے وہ مسلمان جو ہمارے مہمان نہیں گے وہ تین دن تک ہمارے یہاں قیام کر سکیں گے اور کھانا کھانے کے اہل ہوں گے۔ ہم اپنے گرجا گھروں اور گھروں میں مسلمانوں کے خلاف کسی جاسوس کو اجازت نہیں دیں گے یا مسلمانوں کے خلاف کسی دھوکہ (بے وفائی) کے مرتكب ہوں گے۔ ہم اپنے بچوں کو قرآن نہیں پڑھائیں گے، شرک کی رسومات کی اشاعت نہیں کریں گے، کسی کو شرک کی دعوت نہیں دیں گے یا اپنے پیروکاروں میں سے کسی کو اسلام قبول کرنے سے نہیں روکیں گے اگر وہ ایسا کرنا چاہیں گے۔ ہم مسلمانوں کا احترام کریں گے اور ان مقامات سے جہاں ہم بیٹھے ہوئے تو اٹھ جائیں گے اگر مسلمانوں نے ان مقامات پر بیٹھنا اختیار کیا۔ ہم ان کے لباس، ٹوپیوں، پکڑیوں، جوتوں، بالوں کے انداز، تقریر، عرفیت اور ان کے خطبات یا گھوڑوں پر سواری، کندھوں پر تلواروں کے لٹکانے میں، کسی بھی قسم کے ہتھیاروں کو کٹھا کرنے یا ان ہتھیاروں کے اٹھانے میں مسلمانوں کی نقل نہیں کریں گے۔ ہم عربی میں اپنی مہریں نہیں بنائیں گے اور نہ ہی شراب پیچیں گے،

”ہم اپنے سر کے الگے حصے کے بال کاٹیں گے۔ اپنے روایجی کپڑے پہنیں گے۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوں اپنی کمر کے گرد پیکا باندھیں گے اپنے گرجا گھروں سے باہر صلیبیں کھڑی کرنے اور ان کا مظاہرہ کرنے سے اجتناب کریں گے۔ اور اپنی کتابوں کی مسلمانوں کے میلوں اور بازاروں میں نمائش نہیں کریں گے۔ ہم اپنے گرجا گھروں میں مساواۓ بہت آہستگی کے، گھنٹیاں نہیں بجاائیں گے یا مسلمانوں کی موجودگی میں گرجا گھروں کے اندر اپنی مقدس کتابوں کی تلاوت کے دوران اپنی آوازیں بلند نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی اپنے جنازوں میں (دعائیہ) آوازیں بلند کریں گے۔ یا مسلمانوں کے میلوں یا ان کے بازاروں میں جنازوں کے جلوسوں میں شمعیں جلائیں گے۔ نہ تو ہم اپنے مردہ کو مسلمان مردہ کے ساتھ دفن کریں

گے یا جو غلام مسلمانوں کے قبضے میں ہوئے ان کو خریدیں گے۔ ہم مسلمانوں کے گائیڈ کا کام کریں گے اور مسلمانوں کے گھروں میں ان کی نجی زندگی میں جھاٹکنے سے بھی باز رہیں گے۔ جب میں نے اس دستاویز کو حضرت عمرؓ کو دیا انہوں نے اس میں اضافہ کیا: ”ہم کسی مسلمان کو نہیں ماریں گے۔ یہ شرالٹ ہیں جو ہم نے حفاظت اور تحفظ کے بد لے اپنے لیے اور اپنے ہم مذہبوں کے لیے طے کی ہیں۔ اگر ہم ان وعدوں میں سے کسی کو توڑ دیں، تو ہمارا ذمہ (تحفظ کا وعدہ) ٹوٹ جائے گا اور تمہیں اس بات کی اجازت ہو گی کہ تم ہمارے ساتھ وہ سلوک کرو جس کی تمہیں سرکش اور باغی لوگوں کے ساتھ رکھنے کی اجازت ہے۔“

## 61۔ مقاصد شریعہ پر عقینی دلائل

ہمارے سامنے براہ راست سوالات مقاصد شریعہ سے متعلق ہیں۔ مسلم دانشور شروع دن سے شریعت کے بنیادی مقاصد کو زیر بحث لاتے رہے ہیں اور بنیادی مقاصد کی روشنی میں شریعت کے کردار کی تشریح کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اسلامی قوانین کو مختلف مقاصد سے جوڑا ہے اور پھر نتیجہ نکالا کہ اسلام کے تمام قوانین بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر کسی ایک یا دوسرے مقصد کا تحفظ، حمایت یا ترویج کرتے ہیں۔ مقاصد الشریعہ کے چند نمایاں علامات میں المختارودی (d.945/333 d.)، الشاشی (d.975/365)، البقیلاني (d.1012/403)، الجواني (d.1085/478)، الغزالی (d.111/505)، فخر الدین الرازی (d.1234/606)، الآمری (d.1252/631)، ازال الدین عبد السلام (d.1252/660)، ابن تمیہ (d.1327/728)، الشتبی (d.1388/790)، ابن آشور (d.1393/1973) شامل ہیں جبکہ دریجہ دید کے محرکین میں سے مسعود (1977)، الراسیونی (1922)، ابن الحوجہ (2004)، Vol.2، pp. 79-278، نیازی (1994)، 189-268، الخادی (2005)، اور اودہ (2006) قابل ذکر ہیں۔

62۔ مقاصد شریعہ یا قرآن و سنت میں بیان کئے گئے ہیں یا مختلف دانشوروں نے ان سے اخذ کئے ہیں۔ یہ تمام شریعت کی حقیقت بیان کرتے ہیں جو، جیسا کہ تمام محققوں نے تسلیم کیا ہے، بنی نویں انسان کے مسائل کے مفادات (جلب المصالح) پرے کرتے ہیں اور انہیں حرم (دار المفاسید) سے بچاتے ہیں۔ پانچویں صدی ہجری کے نمایاں اور انتہائی قابل عزت مصلح امام ابو حامد الغزالی نے مقاصد کو پانچ بڑی اقسام میں تقسیم کیا ہے اور کہا ہے کہ:

”شریعت کا بنیادی مقصد جوام کی ظلاح کا فروع ہے جو ان کے مقتدرے، نفس، عقل، نسل اور مال کی حفاظت میں پہاڑ ہے۔ جو کوئی بھی ان پانچ موال کی حفاظت نہیں نہیں ہے وہ جو ای مفاد پورا کرتا ہے اور قابل ستائش ہے اور جو کوئی ان کو نہیں نہیں نہیں ہے وہ جو ای مفاد کے خلاف ہے اور اس کا خاتمه ضروری ہے۔“

یہ مقاصد درج ذیل میں اختصار سے پیش کئے جاتے ہیں:-

- (i) دین کی حفاظت
- (ii) نفس کی حفاظت
- (iii) عقل کی حفاظت
- (iv) نسل کی حفاظت، اور
- (v) مال کی حفاظت

تاہم صرف یہی مقاصد ہی نہیں جو انسانی حقوق اور ضروریات کو پور کر کے انسانی بہتری یقینی بناتے ہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی قرآن اور سنت میں یا مفکرین کی جانب سے ان سے اخذ کردہ متاج پر مبنی عوامل بھی شامل ہیں۔ لہذا، جبکہ ان پانچ کو بنیادی (الاصلیہ) تصور کیا جاتا ہے دیگر کو ان کا ضمنی نتیجہ (تبیعہ) قرار دیا جاسکتا ہے۔ ضمنی مقاصد کا تصور بھی ناگزیر ہے کیونکہ بنیادی مقاصد کو ان کے بغیر سمجھنا مشکل ہے۔ عمومی طور پر تسلیم کیا جانے والا فقہی اصول ہے کہ وسائل کی قانونی حیثیت بھی وہی ہے جو مقاصد کی ہے۔ چنانچہ ایک مشہور قانونی قول (القاعدہ الفقیہہ) قرار دیتا ہے ”کہ کوئی ایسی بات جس کے بغیر ایک فرض کی ادائیگی نہیں ہو سکتی بھی فرض ہے۔“ ان میں سے کچھ ضمنی متاج کچھ وقت کے لئے دوسروں سے کم اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ تاہم طویل المدت میں وہ سب یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی ادائیگی سے کوتاہی گہری سماجی و معاشی اور سیاسی مسائل کو جنم دے سکتی ہے۔ (ایم عمر چھاپر: مقاصد الشریعہ کے تناظر میں ترقی کا اسلامی وژن)۔ اسلام میں ریاست اور قانون سازی میں ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں کہ یہ مقاصد خمسہ نہ صرف انصاف کا اصل ہیں بلکہ جملہ انسانی حقوق کی بنیاد ہیں۔ انسانی حقوق کی اسلامی تشرع انہی مقاصد پر منحصر ہے۔ عظمت، عزت اور بنیادی حقوق کے انسانی زندگی کے دیگر پہلو شریعت کے مقاصد کے مقابلہ ہیں۔ پہلے مقصد یعنی دین کا تحفظ کی منشاء اسلامی نظریہ کا تحفظ، دفاع اور فروغ ہے جو مسلم ریاست اور معاشرے کی اساس ہے۔ اس لئے، ایک فرد کی زندگی خاندانی تعلقات، سماجی رویہ، قانونی اور تعلقات کا رکامنوج ہے۔ دین کا تحفظ مسلم معاشرے اور ریاست کی اساس ہے۔ اگر اس پر سمجھوتہ ہو جائے یا مفقود ہو جائے تو مسلم معاشرے اور مسلم ریاست کے وجود کو خطرہ لائق ہو سکتا ہے۔ اگر اس عظیم مقصد کو بغیر دفاع کے چھوڑ دیا جائے تو اس کی سالمیت اور یگانگت خطرے میں پڑ جائے گی۔ عقیدے کے تحفظ کے تناظر میں عدالتی معاونین نے مقاصد الشریعہ کے نظریہ کو اٹھائے گئے سوالات کی روشنی میں صحیح طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ عقیدے یادِ دین کا تحفظ جو اسلامی ریاست کا بنیادی خاصہ ہے۔ اسلامی ریاست نہ صرف اپنی زمینی سرحدوں کی محافظ ہے بلکہ نظریاتی اور بنیادی سرحدوں کا تحفظ بھی کرتی ہے جس کے لئے اس کا قیام عمل میں لا یا جاتا ہے۔ درج بالا بحث اور عدالتی فیصلے کے بعد کے حصے سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ اکثریت کو اقلیت سے مذہب کی آڑ میں اپنے مذہب کو خود کش حملہ کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس مخصوص تناظر میں یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اکثریت کے عقیدے کی حفاظت کے اقدامات کرے اور اسے اقلیت کے ہاتھوں پرا گندہ ہونے سے بچائے۔ ہر شہری کو قانون کا یکساں تحفظ اس کا حق ہے۔ اقلیت کو اپناندہ بہب کرنے کے حق کا مطلب یہیں ہے کہ اکثریت کے بنیادی مذہبی نظریات اور رواجوں کو ملیا میٹ کر دے۔

### 63۔ سعد الدینیہ کے اصول پر ریاست کا اختیار

فضل عدالتی معاونین نے اس دلیل کو بھی بڑھا دیا ہے کہ اسلامی ریاست ذریعہ کے اصول کے تحت دو طرح کے مناسب احکامات جاری کر سکتی ہے: ایک ثابت اور ایک منفی، جس کا مطلب ہے فتح الذریعہ اور سعد الذریعہ۔ ریاستی حکومت کا انتظامی معاملات میں مناسب حکم پاس کرنے کا منذکرہ اصول قرآن پاک اور سنت کی حدود کی بنیاد پر ہے جسے سب سے پہلے مالکی قانون دانوں نے کھو جاتھا اور پھر اسے حنبلی فقہاء اور بعد ازاں حنفی فقہاء نے بھی اختیار کر لیا تھا۔ لفظ ذریعہ کا مطلب مثال ہے۔ ایک مالکی فقیہہ امام قرآنی نے ذریعہ کی بجائے وسیلہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ذریعہ یا وسیلہ سے مراد وہ شے یا عمل ہے جو ایک ذریعہ بنتا ہے یا کسی اور شے کے موقع پذیر ہونے میں آئے کا کردار ادا کرتا ہے یا پھر کسی برے یا غیر قانونی عمل کی سرزدگی پر مبنی ہوتا ہے اور اسے لازمی تصور کیا جاتا ہے۔ اس اصول کی تشرع کرتے ہوئے امام قرآنی نے کہا: ایک عمل جس کے لئے بہترین ذرائع استعمال

ہوں بہتر ذریعہ کھلاتا ہے۔ جو درمیانی درجے کے مقاصد پورے کرتا ہے اسے درمیانی درجے کا قرار دیا جاتا ہے۔ ذریعہ کے اصول کا یہ مختصر سامطلب ہے۔ اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنی کتاب اسلام میں ریاست اور قانون سازی میں کہتے ہیں کہ ریاست کا سربراہ یا اس کی شوریٰ انتظامی احکامات جاری کر سکتی ہے جس سے کسی قانونی عمل کو منوع قرار دیا جاسکتا ہے جو کسی غیر قانونی عمل کی سرزدگی میں بدل چکا ہو یا غیر قانونی شے کے قوع پذیر ہونے کا سبب بن رہا ہو، یا شہریوں کو ایسی شے یا عمل کرنے کا تقاضا کرتا ہو جو اگر چہر پر لازمی نہیں لیکن شریعہ کے کسی مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ بن جاتا ہے یا شریعہ کے کسی حکم امقدس فرمان کی تینکیل کے لئے لازمی ہوتا ہے۔ اس فقید المثال اصول کی عملداری کی متعدد مثالیں ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے ایک نامور حلبلی فقیہ اعلام المواقین ابن القشیم نے سعد الدلیل کے اصول پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے مطابق، قانونی نویعت کے آدھے سے زیادہ انتظامی احکامات ذریعہ کے اصول کے تابع ہیں (صفحہ 159)۔ ابن القشیم کی جانب سے دی گئی ننانوے مثالوں میں سے اکثر شوریٰ میں امام کی انتظامی صواب دیدی کی وسعت پر روشنی ڈالتی ہیں (مثال کے طور پر مثال نمبر 25, 29, 33, 37, 45, 57, 99 دیکھی جاسکتی ہیں)۔ اس بحث کی بنیاد پر، یہ قرار دیا جاتا ہے کہ قادیانیوں کی جانب سے غلط استعمال روکنے کے لئے ریاست کی جانب سے قانون سازی کے لئے اس اصول کا اطلاق جائز ہے۔

#### 64- فتح العرب یادِ الفساد کا اصول

قادیانیوں کی جانب سے تخفیٰ شناخت کی آڑ میں منقی، ضرر سا، تباہ کن اور خطرناک سرگرمیوں کے اثرات کے پس منظر میں عدالتی معاونین نے عدالت کی توجہ اس جانب مبذول کر دیئی کہ ریاست کی جانب سے مناسب قانون سازی کے لئے دفع الضرر یا دفع الفساد کا اصول استعمال کیا جاسکتا ہے خواہ اس سے قبل کے دور میں ایسی کوئی قانون سازی کی نظیر موجود نہ ہو۔ فاضل عدالتی معاونین نے زور دیا کہ اگر کسی معاملے میں واضح ممانعت نہ ہو (جیسا کہ موجودہ معاملے میں) تو بھی ایسی صورت حال میں ایک اسلامی ریاست محض تماشائی بن کر نہیں بیٹھ سکتی ہے۔ اس کے برعکس ایسی کسی بھی صورت حال میں ضروری قانون سازی اور احکامات جاری کرنا ضروری ہو جاتے ہیں۔ ضرر کا لفظی ترجیحہ خطرہ، نقصان، گھاثا اور زخم کے ہیں جبکہ فساد سے مراد بد عنوانی، تباہی، برائی، بدنامی سے لبریز عمل وغیرہ ہوتا ہے۔ یہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے کہ ضرر اور فساد، جو جس بھی شکل یا درجے کا ہو، کو جہاں تک ممکن ہو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ بہت سے قانونی اقوال اس اصول کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ مجلہ الاحکام العدالیہ کی شق 19 قرار دیتی ہے: لا ضرر ولا ضرار یہ قانونی اصول بھی ایک حدیث ہے جسے امام مالکؓ نے اپنی "موطا" میں، ابن ماجہؓ اور امام دارقطنیؓ نے اپنی سنن میں، امام حاکمؓ نے متدرک میں، امام بیہقیؓ نے اپنی السنن الکبیر میں روایت کیا ہے یہ حدیث ابوسعید خدريؓ نے عبیدہ ابن الصامتؓ، عبداللہ ابن عباسؓ اور دیگر کی سند پر روایت کی ہے، یہاں ضرر سے مراد نقصان دینیا کی دوسرے شخص کے ساتھ غلط کرنا ہے۔ جبکہ "ضرر" کا مطلب ضرر کو ضرر سے رفع کرنا ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی ضرر کو ضرر سے اور تکلیف کو تکلیف سے رفع نہ کرے۔ "قرآن اور حدیث میں موجود بے شمارتی احکامات کے تحت یہ حکم ہے تمام ناجائز اور نقصان عمل اس اصول کی بنیاد پر منوع ہیں۔ اسی اصول پر بہت سی سزا نہیں اور اقتصادی جرمانے بھی مبنی ہیں۔" اسی اصول کی بنیاد پر ایک دوسری اصول بھی اخذ کیا گیا ہے جو یہ قرار دیتا ہے کہ حتیٰ الوع طور پر ضرر سے بچا جانا چاہیے۔ (محلہ-31) یہ اصول ضروری قرار دیتا ہے کہ ہر ممکنہ طور پر ضرر کے واقع ہونے سے بچنے کے لیے ہر کوشش کی جانی چاہیے۔ اصول حجر کی بنیاد بھی یہی اصول ہے۔ فقهاء نے اس اصول کی بنیاد پر عمومی عدالتی کارروائیوں کے بغیر غیر شاشستگی، غیر اخلاقی اور فسادی الارض کے لیے بدنام اشخاص کی تادیمی قید کی اجازت دی ہے۔ دوسری اصول یہ ہے کہ "ضرر کیمیر کو ضرر صافر کا کر دو" کیا جائے (اگر دلوں میں سے ایک ناگزیر ہو)۔ (محلہ-27) اسی طرح ایک دوسری اصول بھی یہ قرار دیتا ہے کہ "عوای نفرت سے بچنے کے لیے بھی ضرر بھی لگائی جاسکتی ہے

”(محلہ-27) درج بالا حدیث سے اخذ کیا ہوا یہ بھی ایک مسلمہ اصول ہے کہ ”برائیوں (مfasid) کے خاتمے کو اچھائیوں (مصالح) کے حصول پر فوکیت حاصل ہے۔“ اس سے مراد ہے کہ برائی کے خاتمے اور اچھائی کے حصول کے مابین کشمکش کی صورت میں فوکیت برائی کے خاتمے کو دی جانی چاہیے۔ اور یہ بھی کہ ”ایک ضرر پر اپنی اور وقت کی قید (کی بنیاد پر نظر انداز) نہیں کی جائے گی۔“ (محلہ)۔ اس لیے ایک ضرر، چاہے کتنی ہی قدیم ہو ختم کر دینی چاہیے۔ میرے خیال میں مذہب اسلام کو نقصان دینے سے بڑھ کر کوئی نقصان بڑا نہیں ہو سکتا اور مسلمانوں کے عقیدے کی بنیادوں کو تباہ کرنے کی کوشش سے زیادہ شدید فساد نہیں ہو سکتا ہے انہی قانونی اصولوں کے زور پر کسی بھی طور پر اسلامی ریاست کے ہر طرح کے ضروری اقدامات اٹھائے جانے کے حق اختیار پر کسی بھی لحاظ سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (عمران احسن خان نیازی: اسلامی قانونی اصول، الحجۃ الاحکام العدیلیہ)۔

### مصلحہ کے اصول:

مفکر محمد حسین خلیل خیل، فاضل عدالتی معاون نے بھی مختلف مکتبہ ہائے فکر کی اصول الفقه کی بڑی بڑی 22 کتابوں پر تکمیل کرتے ہوئے، یہ اظہار کیا ہے کہ اسلامی ریاست کے انتظامی احکامات مصلحہ یا رفاه عامہ یا عوامی بھلائی یا عوامی فلاں کے اصول پر قانونی جواز کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ قانونی اصطلاح میں کہا گیا ہے: ”امام کی طرف سے کارروائی (یعنی اتصاف یا انتظامی اور دوسرے اختیار) قائم کرنے کی طاقت مصلحہ پر واقعیتی بنیاد ہے۔“ کتاب ”ریاست اور اسلام میں قانون سازی میں سے ایک اقتباس اس تصور کے درست تناظر میں وضاحت کرنے کے لیے متعلقہ ہوگا:

”بیسویں صدی میں اسلامی قانون پر مقبول مقتدر، بیخ مصنفوں کے مطابق، پا اصول ان حدود و قواعد کی تعریف کرتا ہے جن کے اندر رہ کر حکمران اپنے انتظامی اور سیاسی اختیار کو روپیہ عمل لاسکتے ہیں اور حکومت انسان کے حقوق اور آزادیوں کو ممتاز کرنے والے اقدامات اٹھاسکتے ہیں۔“ یہ فرض کرتے ہے اولاً الامر کی جانب سے اٹھائے گئے تمام اقدامات اور کارروائیاں جو لوگوں پر ان کے نجی اور جوامی حقوق کے حوالے سے لازمی حق استعمال کی حالت ہیں، کی بنیاد قوم کی عمومی بہبود اور اس کی فلاں پر بنی ہوئی چائیں۔ کیونکہ حکومتی مخفیہ یا خلیفہ سے لے کر مختلف انتظامی شعبوں کے ملازمین تک سارے لوگ خود اپنے لیے کارکن نہیں ہیں۔ وہ ”امہ“ (Amah) کے صرف کارندے ہیں جس کے ذمے انصاف کے قائم کرنے، ہماں انصافی اور ظلم کے خاتمے، حقوق، اخلاقیات کے تحفظ اور اس تحفظ کو قائم رکھنے، علم کے فروغ، جوامی سہولیات کی فراہمی، معاشرہ کی قیادت سے تسلیم اور ہر اس جنہیں کا حصول جو امامہ کے لیے موجودہ اور آنے والے زمانے میں بہتر ہو، تمام بہترین مکملہ ذرائع سے کیا جانا ہے۔ یعنی وہ تمام تر اقدامات جو جوامی فلاں و بہبود کے لیے ضروری خیال کیے جائیں۔ اس لے ہر وہ کارروائی یا اقدام جو حکمران اس مصلحہ کے خلاف اٹھائیں۔ جس سے اچارہ داری، اقربا پروری اور مطلق الجنانی کا راستہ لٹکے یا جو ضرر یا قیادہ پا کرے، فیر قانونی ہو گا۔۔۔ اس لیے مصلحہ بھی اسے اسلامی قانون کا ہانوئی لیکن اہم ماذکور اور دیا گیا ہے اس کی تعریف حسب ذیل کی گئی ہے۔ ”یہ ہر بھلائی، ہر مصلحت اور ہر اہم ضرورت ہے جس کے باہم میں بالخصوص یا باعوم شریعت میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہوتا۔“ ہر وہ جنہیں جو شریعت کی کسی حق کی خلاف ورزی کے بغیر انسانی حیات کی پانچ بنیادی ضروریات کا تحفظ کرتی ہے، وہ مصلحہ ہے۔ یہ پانچ بنیادی ضروریات، مذہب، روح (یعنی زندگی)، محل و نہم، آل اولاد، اور سرمایہ یا ملکیت ہیں۔ اول الامر کے پاس ان پانچ ضروریات کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کرنے اور اصولوں اور قوانین کی قانون سازی کا وسیع حق اقتیاز موجود ہے۔ قومی مفادات کے معاملے میں جوامی رائے کے انہمار کے لیے ایک قابل عمل نظام تکمیل دینے کا مسئلہ بھی معرف اور مصلحہ کے ذروروں میں آتا ہے۔ جیسا کہ موجودہ حکومتوں کو حدود شریعت کے اندر مجاہدات کی تمام صورتوں کے بہتر اور منصفانہ انتقال کی خاطر اصول و قوائد مرتب کرنے کا حق اقتیار حاصل ہے، انہیں یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اس مجاہدہ کے لیے افلاط سے مباراط یقون کو، ہلاشبہ، امت کے قابل بھروسہ نامحدودوں کی مشاورت اور اس حوالے سے شریعت کے بڑے بڑے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے واضح کریں۔“

قرآن مجید کی موجہ بالا آیات اور نبی کریمؐ کی سنت (دونوں ہی شریعت اور آئین کے تحت قانون کے بنیادی مآخذ ہیں۔ اس پہلو پاس فیصلے کے آنے والے پیر اگر افول میں پوری وضاحت کر دی گئی ہے) اور ثانوی مآخذات مثلاً اجماع، مصلحت مرسلہ اور اصول سد الدہریہ اور اصول دفع الضرر یا دفع الفساد کی بنیاد پر ریاست کے حق اختیار کے بارے میں ریاست کے طرز عمل اور قانون سازی کے اصل کی بنیاد پر، یہ با حفاظت نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ شعائر اللہ کی حفاظت کرے، اپنے حدود و اختیار میں رہنے والے عنصر کی طرف سے اکثریت کے ایمان پر خفیہ حملہ کرنے والے تمام چھپے ہوئے چھپائے گئے اور خفیہ طریقوں کے مکمل خاتمے کے لیے اقدامات اٹھائے۔

اس قول میں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے کہ ایک اسلامی ریاست شاندار عمارت رباني حاکمیت اعلیٰ کی بنیاد پر قائم ہے اور یہ کہ تمام اختیار اور حاکمیت اعلیٰ کا حقیقی اور حقیقی مالک اللہ قادر مطلق ہے جو اس کائنات کا خالق ہے، سلطنت (ملک) اسی کا ہے۔

**قرآنی آیات:** 2:107، 2:107، 3:26، 40، 18، 5:17، 120، 120، 7:178 **وغیرہ**

ای کے پاس حکمرانی (امر) کامل اختیار ہے۔

**قرآنی آیات:** 148، 109، 106:2 **وغیرہ**

**قرآنی آیات:** 23:5، 30:4، 11:123، 7:54، 3:134 **وغیرہ**

صرف ای کے پاس فیصلے (حکم) کرنے کا مکمل اختیار ہے۔

**قرآنی آیات:** 6:57:6 **وغیرہ**

حاکمیت اعلیٰ کی طرف سے تفویض کردہ فرائض سرانجام دینے کی خاطر اس کے وفاداروں غلاموں (عبد) کو اس کے احکامات پر عمل کرنے کے قابل بنانے کے لیے محدود حق اختیار دیا گیا ہے جسے خلافت کی اصطلاح سے بیان کیا گیا ہے۔ انفرادی خلافت انبویائے کرام کو عطا کی گئی تھی جبکہ اجتماعی خلافت امت مسلمہ کو تفویض فرمائی گئی ہے۔ خلافت کا تصور متعدد مقامات پر قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ”وَيَوْمَ تُهْبَطُ مِنْ زَمِنٍ مَا يَنْهَا إِذْ تَهَارَ مِنَ الْمُنَّاسِ بِلَدَنَكُهُ دَرْسُوكُو فَلَيْلَتُ بَخْشِيٌّ تَأْكِيمُهُنَّا كَمْ جُوْهُنَّتِينَ اسْنَانَ“  
**تمہیں بخشنی ہیں اس میں تمہیں جانے سکے۔ (قرآن 16:6)** اس لیے ایک اسلامی ریاست میں شریعت کی حاکمیت کا اصول ایک بنیادی اصول ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی ریاست اور اسلام میں قانون سازی کتاب میں اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”شریعت کی حاکمیت سے یہ آسان مفہوم مراد ہے کہ ملک میں قرآن پاک اور سنت اعلیٰ ترین درجے کے قوانین ہونے چاہئیں، جو ریاست کے تمام اداروں اور شہریوں پر مساویانہ طور پر قبل عمل اور مساویانہ طور پر قابل نفاذ ہوں۔ ریاست میں ہر سطح پر پالیسی سازی اور فیصلہ سازی کے لیے راہنمائی کا بنیادی مآخذ شریعت کو ہونا چاہیے۔ تمام قوانین، فیصلے، پالیسیاں اور انتظامی اقدامات شریعت کے تابع ہونے چاہئیں اور شریعت ہی کے تحت ان کو چیلنج کیا جائے اور ان کی چھان بین کی جائے۔ شریعت کی حاکمیت کا تقاضا ہے کہ کوئی قانون رسم یا رواج حتیٰ کہ ریاست کا سب سے بڑا قانون، انتظامی کارروائی محصولات کی وصولی یا ان کا خرچ اگر وہ شریعت سے متصادم ہوں تو انہیں کا عدم قرار دینا چاہیے۔ شریعت کی حاکمیت ہمیشہ اسلامی ریاست کا اصل الاصول رہی ہے قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جو یہ آشکار کرتیں ہیں کہ کسی مسلمان کے پاس ایسے معاملے میں فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے پہلے سے فیصلہ فرمادیا ہو۔ قرآن یہ بھی لازم قرار دیتا ہے کہ شہریوں کے مابین یا شہریوں اور حاکم کے مابین تنازع معدہ ہو دونوں صورتوں میں اللہ اور اس کے رسول یعنی شریعت سے رجوع کیا جانا چاہیے۔ نبی ﷺ کے فرائیں اور خلفاء راشدین کے عمل سے بھی اس ضمن میں واضح احکامات ملتے ہیں کہ شریعت کو باقی تمام چیزوں سے بالاتر رکھنا چاہیے۔ اسی

اصل الاصول کو مسلمان حکمرانوں، عوامِ الناس، فقہاء اور سیاسی مفکرین نے ہمیشہ برقرار رکھا تھا۔ مسلمانوں کے اذہان میں کبھی کوئی شک نہیں رہا ہے کہ شریعت کی حاکمیت ہی ایک اسلامی ریاست کی بنیادی ضرورت تھی، اس حوالے سے دستوری حیثیت ناموس رسالت کیس بے عنوان سلمان شاہد نام وفاق پاکستان (PLD-2017 Islamabad 218) کے اقتباسات سے صاف واضح ہے جو کہ حسب ذیل درج کئے جاتے ہیں:

پاکستان کی سپریم کورٹ نے اٹھارویں ترمیم کے فیصلے (عنوان ڈسٹرکٹ بار ایسوی ایشن راولپنڈی بنام وفاق پاکستان) میں یہ قرار دیا ہے کہ پاکستان کے دستور پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ پاکستان ایک جمہوریت ہے جہاں حتیٰ اقتدار اعلیٰ اللہ رب العزت کا ہے اور یہ اختیار پاکستان کے عوام کو تفویض کیا گیا ہے۔ اسی فیصلے کے پیر انبر 54 میں اکثریتی فیصلے کے متن میں، جسے جسٹس شیخ عظمت سعید نے تحریر کیا ہے، یہ قرار دیا ہے کہ ”یہ بات بالکل واضح اور روشن ہے کہ ہمارے اصول قانون جو کہ عدالتوں کے نظائر کی روشنی میں ارتقاء پذیر ہوئے، یہ بات مسلمہ طور پر ثابت اور تسلیم کردہ ہے کہ دستور کوئی متفرق دفعات کا جتنا ہیں جنہیں باہمی گانٹھ دیا گیا ہو بلکہ دستور کی دفعات میں ایک یکسانیت اور مربوط اسکیم ہے جو دستور کی بنیادی دفعات سے واضح ہے، جو کہ دستور کی نمایاں اور واضح خصوصیات ہیں۔“

اسی بات کو جسٹس جواد ایس خواجہ نے اپنی اقلیتی نوٹ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ”آئین کے کسی بھی آرٹیکل کو باقی آئین سے علیحدہ کر کے، انفرادی طور پر نہیں سمجھا جاسکتا“، مزید فرمایا کہ ہمارے اصول قانون میں اب تک یہ بات طے ہو چکی ہے کہ آئین کا مطالعہ تاریخِ ناظم میں اور ایک نامیاتی کل (Organic Whole) کے طور پر کیا جائے گا۔ اگر آئین کی جزوی شقوں اور احکامات کو باقی آئین سے الگ کر کے دیکھا جائے تو یہ قاری کو گمراہ کر سکتا ہے۔ لہذا آئین کا مفہوم اور مدعای معلوم کرنے کے لیے اس کے اجزاء کی میکائی انداز میں عقلی توجیہ کرنے کی بجائے اسے اک مربوط کل کی طرح دیکھنا پڑے گا۔ یہ بات ہماری قدیم اور سادہ دلنش کا عطر رہی ہے جو منطق کی رو سے بھی کشید ہوتی ہے اور نظائر سے استدلال کے طریقے میں بھی پوری طرح رائج ہے۔ اس کے نتیجے میں آئین کی تعبیر و تشریع کا یہ اصول طے پاتا ہے کہ آئین کو ایک زندہ حقیقت یا نامیاتی کل کے طور پر دیکھا اور سمجھا جائے۔“

1973ء کے آئین کا سرچشمہ پاکستان کے عوام ہیں۔ پاکستان کی پہلی دستورساز اسمبلی جس نے 1949ء میں قرارداد مقاصد کو منظور کیا، ایسے ارکان پر مشتمل تھی جو جدوجہد آزادی کے سرخیل اور بلاشبہ پاکستان کے بانیان تھے۔ جن کی قیادت میں مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آئی۔ پہلی دستورساز اسمبلی نے جب سے قرارداد مقاصد منظور کی تو یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قرارداد مقاصد اس وقت پاکستان کے ہر آئین کا دیباچہ رہی۔ اور 1973ء کے آئین کا بھی دیباچہ اور آئینی تمہید قرارداد مقاصد ہی ہے جو کہ دستور کے ساتھ بطور ضمیمہ بھی شامل ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ 1949ء میں اور 1973 میں بھی قانون ساز اسمبلی کے ارکان آئینی اصولوں کے نازک اور باریک معاملات کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ پاکستان کی عدالتی تاریخ میں قرارداد مقاصد اس حوالے سے بھی ایک اہم موضوع کے طور پر زیر بحث رہی ہے کہ آیا بات دستور پر قرارداد مقاصد کو بالاتر حیثیت حاصل ہے یا نہیں؟ بہر حال قرارداد مقاصد کی باقی آئین پر بالاتر حیثیت پر اختلاف کے باوجود یہ امر متفقہ طے شدہ ہے کہ قرارداد مقاصد کو دستور کی دیگر دفعات کی طرح ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور عدالت

عظمی کے انہاروں میں ترمیم کے فیصلے کے مطابق دستور کی تشریع کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ اسے ایک ہم آہنگ اور نامیاتی کل کے طور پر دیکھا جائے تو دستور کی دینی ساخت اور اسلامی حیثیت کا تعین کرنا چند اشکال نہیں۔ دستور کی متعدد دفعات اور ترجیمان، ماضی کا بیان اور مستقبل کا نشان ہوتا ہے جس سے نہ صرف تمام ادارے وجود میں آتے ہیں بلکہ یہی وہ میزان اور مقیاس ہے جس سے عوامی امنگوں، قومی مقاصد اور نصب العین کو پرکھا اور جانچا جاسکتا ہے۔ دراصل دستور ہی وہ آئینہ ہے جس سے ایک طرف ملک کی تاریخ کا عکس جھلتا ہے، حال کا ادراک ہوتا ہے اور واشگاف الفاظ میں پاکستان کی جمہوری کی طرف سے یہ مستقبل کا نقشہ نظر آتا ہے۔ اس ناظر میں 1973ء کا آئین سب سے پہلے اپنی تمہید میں اعلان کرتا ہے ”جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر جس طرح اسلام نے ان کی تشریع کی ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔ جس میں مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی حلقوں پر عمل میں اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق، جس طرح قرآن پاک و سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں“، اس امر کا بھی انہمار کیا گیا ہے کہ ”بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں قانون اور اخلاق عامہ کے تابع حیثیت اور موقع میں مساوات، قانون کی نظر میں برابری، معاشرتی، معاشی اور سیاسی انصاف اور خیال، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور اجتماع کی آزادی شامل ہوگی۔“ اور پھر مزید یہ اقرار کہ ”لہذا، اب ہم جمہوریہ پاکستان؛ قادر مطلق اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ، پاکستان کی خاطر عوام کی دی ہوئی قربانیوں کے اعتراض کے ساتھ؛ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس اعلان سے وفاداری کے ساتھ کہ پاکستان عدل عمرانی کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری مملکت ہوگی؛ اس جمہوریت کے تحفظ کے لیے وقف ہونے کے جذبے کے ساتھ جو ظلم و ستم کے خلاف عوام کی انٹک جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔۔۔۔۔ اسے اپنا دستور تسلیم کرتے ہیں۔“ دستور کی دفعہ 2 میں اسلام کو پاکستان کا ریاستی مذہب قرار دیا گیا ہے۔ دستور کی دفعہ 2 الف میں یہ قرار دیا گیا کہ ”ضمیمه میں نقل کردہ قرارداد مقاصد میں بیان کردہ اصول اور احکام کو بذریعہ ہذا دستور کا مستقل حصہ قرار بخوبی موثر ہوں گے۔ ضمیمه میں شامل قرارداد مقاصد کے متن کا ترجیح درج ذیل ہے:

”اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔ اس نے جمہور کے ذریعے مملکت پاکستان کو جواختیار سونپا ہے، وہ اس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

مجلس دستور ساز نے جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے، آزاد و خود مختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

جس کی رو سے مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔

جس کی رو سے اسلام کے جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں کو پورا اتباع کیا جائے گا۔

جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنادیا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن و سنت میں درج اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔

جس کی رو سے امر کا قرار واقعی اہتمام کیا جائے گا کہ اقلیتیں، اپنے مذاہب پر عقیدہ رکھنے، عمل کرنے اور اپنی تقاضتوں کو ترقی

دینے کے لیے آزاد ہوں۔

جس کی رو سے وہ علاقے جو اب تک پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں، ایک وفاق بنائیں گے، جس کے صوبوں کو مقررہ اختیارات و اقتدار کی حد تک خود مختاری حاصل ہوگی۔

جس کی رو سے بنیادی حقوق کی حفاظت دی جائے گی اور ان حقوق میں جہاں تک قانون و اخلاق اجازت دیں، مساوات، ہبیت و موقع کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور جماعت کی آزادی شامل ہوگی۔

جس کی رو سے اقلیتوں اور پسمندہ و پست طبقات کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔

جس کی رو سے نظام عدل گستری کی آزادی پوری طرح محفوظ ہوگی۔

جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی صیانت، آزادی اور جملہ حقوق، بشمول شخصی و ترقی اور فضای پر صیانت کا تحفظ کیا جائے گا۔ تا کہ اہل پاکستان فلاح و بہبود کی منزل پاسکیں اور اقوام عالم کی صفت میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کریں اور امن عالم اور بنی نو انسان کی ترقی و خوشحالی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔

دستور کا ایک اہم عضر دفعہ (3) 260 میں دی گئی مسلمان اور غیر مسلم کی تعریف ہے۔ دستور میں دی گئی تعریف کی رو سے مسلمان وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی واحد نیت تو حیداً و محر رسول ﷺ کے مطلقًا خاتم النبین ہونے پر ایمان رکھے اور کسی ایسے شخص کو نہ مانتا نہ ایمان رکھتا ہے جو محمد رسول ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرے خواہ وہ کسی بھی مفہوم میں۔ غیر مسلم تعریف کرتے ہوئے واشگاٹ الفاظ میں قادیانی اور لا ہوری گروہ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) اور بہائیوں کو، غیر مسلم میں شمار کیا گیا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ مسلمانوں کا علیحدہ شخص اور مستقل وجود کا اظہار و اقرار ہے۔ دستور کی یہ دفاعات جو مسلمان کی تعریف میں نبی مہربان حضرت ﷺ کے خاتم النبین ہونے کے اعلان سے متعلق ہے وہ انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور نبی کریم ﷺ کی ذات کے بارے میں امت کے موقف کی ترجمان ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ دستور نے ایسے شخص کو غیر مسلم قرار دیا ہے جو نبی کریم ﷺ کو بطور خاتم النبین سلیمان نہ کرتا ہو تو پھر ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں نازیبا الفاظ استعمال کرے اس کے انجام کے تعین میں کوئی ابہام باقی رہتا ہے؟ جس طرح نبی کریم ﷺ کی ذات کو آخری نبی تسلیم کرنے سے انکار کرنا یا اپس و پیش سے کام لینا دستور و شریعت کے مطابق دائرہ اسلام سے اخراج کا سبب بے تو نبی کریم ﷺ کی ذات پر سب و شتم بدرجہ اولیٰ انکار اور کفر ہے۔ اسی طرح دستور پاکستان میں جہور کی منشاء کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک مستقل باب 10 بعنوان اسلامی دفاعات کی دفعہ 227 میں قرار دیا ہے کہ پاکستان میں کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا بلکہ مملکت پر یہ بھی لازم کیا ہے کہ پہلے سے موجودہ تمام قوانین کو اسلام کی تعلیمات جو کہ قرآن اور سنت میں بیان کی گئی ہیں، کہ مطابق ڈھالا جائے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے دستور پاکستان نے اسلامی نظریاتی کو نسل کا ادارہ تشکیل دیا، دستور کی دفاعات 228, 229, 230, 231 اس سلسلے میں مستقل ہدایات سموئے ہوئے ہیں۔ دفعہ (a) (1) 230 میں اسلامی نظریاتی کو نسل کے اغراض و مقاصد اور فرائض میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ وہ قومی اور صوبائی اسٹبلیوں کو اپنی تجاویز دے کہ جن کے ذریعے پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو تمام معاملات میں اسلام کے اصولوں و متقضیات جو قرآن و سنت میں بیان ہوئے ہیں، کے مطابق زندگی

گزارنے کے قبل بنائے اور اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ یہاں یہ عمل قبل ذکر ہے کہ دستور نے مذکورہ دفعہ میں اس ضمن میں حوصلہ افزائی (Encouraging) کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ اس امر کی وضاحت ہو سکے کہ ریاست کی ذمہ داری صرف قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کے قبل بنانا ہی نہیں بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرنا ہے۔ دستور مسلمانوں کو نہ صرف قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی ضمانت دیتا ہے بلکہ ریاست کی یہ ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ اس حوالے سے تمام ضروری اقدامات کرے اور اس عمل کی حوصلہ افزائی کرے۔ اس مقدمے کی ساعت کے دوران یہ دستوری تقاضا عدالت کے سامنے رہا ہے کہ جہاں اسلامی نظریاتی کو نسل کو یہ فریضہ سونپا گیا ہے کہ وہ ایسی سفارشات پیش کرے جس کے ذریعے مسلمانان پاکستان قرآن و سنت کے مطابق اپنی زندگی کو انفرادی و اجتماعی سطح پر تشکیل دے سکیں تو یقیناً دستور پاکستان میں ایک ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے جہاں اطاعت خداوندی کی حوصلہ افزائی ہو، سنت رسول کے اتباع کی افزائش ہو، نیکیوں کی ترویج ہو۔ عصمت انبیاء، ناموس صحابہ، حرمت امہات المؤمنین کی حفاظت ہو اور فرشتے، بے راہ روی اور اسلام دشمنی کے تمام راستے مسدود کیے جاسکیں۔ آرٹیکل (3) 228 کی رو سے قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی، صدریا کوئی گورنر اسلامی نظریے کی مشاورتی کو نسل کو مشورے کے لیے سوال بھیج سکتے ہیں کہ آیا مجوزہ قانون قرآن و سنت میں بیان اسلامی تعلیمات کی مقتضیات کے منافی تو نہیں۔ آرٹیکل 22 میں کہا گیا کہ کوئی قانون قرآن و سنت میں بیان اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے منافی نہیں بنایا جائے گا اور موجودہ تمام قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالا جائے گا۔ آرٹیکل 230 کے مطابق نسل کے وظائف مندرجہ ذیل ہیں:

- 1۔ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے سفارشات تیار کرنا تاکہ پاکستان کے مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو ہر لحاظ سے اسلام کے اصولوں اور تصورات کے مطابق بناسکیں۔
- 2۔ کسی ایوان، اسمبلی، صدریا گورنر کی اس بارے میں راہنمائی کرنا کہ آیا مجوزہ قانون اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔
- 3۔ موجودہ قوانین کا جائزہ لے کر ایسی سفارشات تیار کرنا تاکہ یہ قوانین احکام اسلام کے مطابق ہو جائیں۔
- 4۔ احکام اسلام کو ایک مناسب شکل میں ترتیب دینا تاکہ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیاں ان پر قانون سازی کر سکیں۔

آرٹیکل 30 میں ریاست کے بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے یہ قرار دیا گیا ہے ”پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قبل بنایا جائے کہ وہ اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق ڈھالیں اور انہیں ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں جن کی مدد سے وہ ان اصولوں اور تصورات کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھنے کے قابل ہو جائیں۔ پاکستان کے مسلمانوں کے لیے قرآن مجید اور اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی جانا چاہیے۔ باہمی اتحاد اور اسلامی اخلاقی معیار کو فروع دیا جانا چاہیے۔ زکاة، اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔“ دستور پاکستان کو قرآن و سنت کی بنیاد پر وضع کرنے کا کس درجہ اہتمام کرتا ہے وہ اسی حقیقت سے عیاں ہے کہ جہاں ایک طرف دستور ملک کی مقتضیہ پر یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ وہ قانون کو قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون سازی نہیں کرے گی تو دوسری طرف اس سلسلے میں مکمل راہنمائی اور جائزے کے لیے اسلامی نظریاتی کو نسل کا ادارہ قائم کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کے باوجود بھی کوئی

قانون قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف منشاء ظہور پر آجائے یا پہلے سے موقع پر یا ایسا قانون باقی رہ جائے تو فاقی شرعی عدالت اس کا جائزہ لے سکے اور اگر اس قانون کو قرآن وسنت کے منافی پائے تو اسے کا عدم قرار دے کر ختم کر دے۔ دستور کا باب 3A اس حوالے سے ایک مستقل ضابطہ ہے۔ دفعہ 203 جو کہ عدالت کے اختیار سماعت سے متعلق ہے، عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ ”عدالت اپنی کسی تحریک پر، یا پاکستان کے کسی شہری، وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی درخواست پر کسی قانون یا اس کی کسی شق کا جائزہ لے سکتی ہے اور فیصلہ کر سکتی ہے کہ آیا یہ قانون یا اس کی کوئی شق احکام اسلام، جیسا کہ قرآن وسنت میں مذکورہ ہیں، کے منافی تو نہیں ہے۔“

اسلامی نظریہ ملک کی اساس ہے اور غیر مسلم عہدوں کی اس کے تحفظ کا حلف اٹھائے گا، دستور کے جدول دوم میں سولہ دستوری عہدوں کے حلف کی عبارتیں لبی ہیں۔ ان میں سے پہلے بارہ عہدوں ۔۔۔ صدر، نائب صدر، وزراء و وزراء مملکت، اسپیکر اسمبلی، ڈپٹی اسپیکر، رکن قومی اسمبلی، گورنر صوبہ جات، صوبائی وزراء، صوبائی اسمبلیوں کے سپیکر، صوبائی اسمبلیوں کے ڈپٹی اسپیکر اور رکن صوبائی اسمبلی ۔۔۔ کے حلف کی تمام عبارتوں میں یہ جملہ موجود ہے ”کہ میں اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے کے لیے کوشش رہوں گا جو قیام پاکستان کی بنیاد ہے“ حالانکہ ان دستور عہدوں میں سے صدر اور نائب صدر کے سوا کسی کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ ان پر غیر مسلم بھی فائز ہو سکتے ہیں۔ لیکن حلف کی عبارت میں سیاسی اعتبار سے یہ اہتمام موجود ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی وقت ان عہدوں پر فائز ہو تو اپنے مذہب اور عقیدے پر قائم رہتے ہوئے بھی وہ پاکستان کی نظریاتی بنیاد ۔۔۔ اسلامی نظریہ ۔۔۔ کا تحفظ کرے گا۔“

یہ دستور کا ایک سرسری جائزہ ہے جو صرف اس امر کے اظہار کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ پاکستان کا دستور جس کی حفاظت ہم سب پر فرض ہے۔ دفعہ 5 کے مطابق پاکستان کے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ دستور کی پاسداری کرے اور ریاست اسلامی جمہوریہ پاکستان کا وفادار رہے۔ اعلیٰ عدالیہ کے نجع کی حیثیت سے یہ عدالت عوام کی ہدایات کی این ہے اور اس حیثیت میں آئین کے تحفظ پر مأمور ہے اور آئین کے تحت حلف کی روشنی میں اس کے فرائض منصی میں آئین کی حفاظت اور دفاع شامل ہے۔

66۔ درج بالا پیرا گراف میں دیئے گئے تاریخی تناظر میں، علامہ اقبال کی تحریریں، پارلیمنٹ کے فلور اور کمیٹی کے معزز اکائیں کے سامنے کی جانے والی تقاریر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانان بر صغیر کی متفقہ رائے ہے کہ قادیانیت ایک ر عمل، اسلام مخالف اور سامراجیت نواز لابی کے مکروہ سیاسی عزم پر مشتمل ہے جو مذہبی احیاء کے لبادے میں کام کر رہی ہے۔ مسلمانان بر صغیر نے قادیانیت کو ایک علیحدہ مذہب اور علیحدہ سماجی اور سیاسی حیثیت دی ہے جو آزادی کے دن سے مسلم عقائد، اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جو بعد ازاں پارلیمنٹ کی کارروائیوں سے بھی مترخص ہے کہ قادیانیوں نے ہمیشہ برطانوی سامراج اور ہندو حکومتوں کی غیر مشروط، غیر متزلزل اور کھلی وفاداری کی ہے جبکہ ایک آزاد اسلامی ریاست ان کے لیے ایک کڑوی گولی کی حیثیت رکھتی رہی ہے۔ ان کی جانب سے ایک خطرناک کوشش یہ کی گئی کہ ریاست پاکستان میں ایک قادیانی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔ میں یہ کہنے سے بازنہیں رہ سکتا کہ پاکستان میں کوئی اور کمیونٹی، مذہبی گروہ یا اقلیت نے ایسے مکروہ عزم اور مشتعل رہ جانات کا پر چار نہیں کیا ہے۔ اس لئے، مسلمانان بر صغیر نے پہلے دن سے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے اور انہیں کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔ 1974 میں دوسری آئینی ترمیم کے پاس ہونے کے بعد اس آئینی ترمیم پر بلا کم وکالت

عمل درآمد کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ بعد ازاں، ایک مرتبہ پھر عوامی مطالبے پر 1984 میں ایک آرڈیننس کے ذریعے قادیانیوں پر مخصوص القابات اور خطابات جو مقدس شخصیات یا مقامات کے لیے مختص ہیں استعمال پر پابندی لگادی گئی ہے۔ اسی طرح ان پر اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے پر بھی پابندی لگائی گئی ہے۔ ان پر اپنے عقیدے کے پرچار، یادوں و سروں کو زبانی یا تحریری اپنا عقیدہ اپنانے کی دعوت دینے یا کسی اور ایسے طریقے سے جن سے مسلمانوں کے جذبات مجنوح ہوتے ہوں کی قادیانیوں اور لاہوریوں کو ممانعت کی گئی ہے لیکن خفیہ طریقے سے قادیانیوں کا مسلمانوں میں گھسنے کا ایک خلاڑہ گیا تھا جو دیگر قوانین میں مطلوبہ ترا میم نہ کر کے پیدا کیا گیا تھا اور قادیانیوں کو موقع مل گیا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں کیونکہ پاکستانی عوام کی امنگوں کو قوانین کا حصہ بنانے کے لئے مطلوبہ اقدامات نہیں کئے گئے تھے۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ پر قادیانیوں کی علیحدہ شناخت کا مطالبہ تسلسل کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے۔ بلاشبہ 1984 کے آرڈیننس کے اجراء سے ایک اہم قدم اٹھایا گیا تھا جس کے تحت قادیانیوں کو مخصوص اسلامی خطابات کے استعمال سے روکا گیا، لیکن اگر قادیانی اپنی شناخت مخفی رکھتے ہیں تو کیا کیا جائے؟ ایسی صورت میں کیا کیا جائے اگر ایک قادیانی اپنی شناخت مخفی رکھ کر اعلیٰ ترین آئینی عہدے پر پہنچ جاتا ہے؟ ایسی صورت میں کیا کیا جائے اگر کوئی فرد یا افراد آئین اور قانون کو چمکہ دے کر ریاست کی سلامتی اور سالمیت کو خطرے میں ڈالتے ہیں یا اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں؟ یہ اصطلاح اکثر ویژت استعمال کی جاتی ہے کہ ہر غلطی کی ایک تلافی ہے۔ پاکستانی عوام کے پاس اس دھوکہ دہی اور بے وفائی پر کیا راستہ بچتا ہے؟ یہ بار بار قرار دیا گیا ہے کہ قوانین کا مقصد وسیع تر عوامی مفاد کسی بھی غیر قانونی کام کی ممانعت ہوتی ہے لیکن کیا ایسی غلط کاریوں کے قلع قع کیلئے قوانین بنائے گئے ہیں؟ پاکستان کے عوام اپنی حکومت سے پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ دوسری آئینی ترمیم کو حقیقی معنوں میں موثر بنانے کے لئے کیا اقدامات کیے گئے ہیں۔ ان شرپسند عناصر پر نظر رکھنے کے لئے کیا اقدامات کیے گئے ہیں جو سوسائٹی میں بگاڑ پر بضد ہیں؟ وہ قادیانی، جو اپنا منہب ظاہر کرتے ہیں، اقلیتوں کا سٹیلس قبول کرتے ہیں اور وہ حقوق، استحقاق اور آزادیاں استعمال کرتے ہیں جو آئین اور قانون عطا کرتے ہیں لائق تحسین ہیں مگر ان کے خلاف کیا اقدامات کیے گئے ہیں جو اپنے آپ کو اکثریت مسلمانوں کا حصہ قرار دے کر اس اکثریت کے حقوق پامال کرتے ہیں جبکہ وہ ان جیسے نہیں ہوتے ہیں؟ ایسے کون سے تادبی قوانین اور قانونی پابندیاں طے کی گئی ہیں جو دوسری آئینی ترمیم کے تحت لوگوں کے نمائندے اپنے ڈکریشن میں بیان کرتے ہیں؟ پاکستان کے عوام آئین کے تابع از خود اس بات کا انتخاب کرتے ہیں کہ ان کی ریاست کا سربراہ ایک مسلمان کو ہونا چاہئے لیکن تب کیا ہوا گر ایک قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے غلط کوائف اور شناخت کے تحت اس مقدس عہدے پر پہنچ جاتا ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب ایک بہت بڑی مایوی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

67۔ آئینی ترمیم کو حقیقی اور مطلوبہ معنوں میں موثر بنانے کے حوالے سے ریاست کیلئے یہ ضروری تھا کہ ملک کے دیگر قوانین میں ملتی جلتی ترا میم کرے۔ یہ کم سے کم عزت اور احترام ہے جو ایک آئینی شق کا استحقاق رکھتا ہے اور تقاضہ کرتا ہے۔ آئینی شق عوامی امنگوں کا مظہر ہے اور ریاست آئینی استقرار کے فرمان کو دبا کر آئین کی منشا کو دبا نہیں سکتی۔ ریاستی سطح پر قادیانیوں کو غیر مسلم کا قرار دینا مخصوص نتائج سے منسلک تھا لیکن وہ نتائج حقیقت کا روپ نہ دھار سکے اور آئینی ترمیم محض ایک بات بن کر رہ گئی ہے۔ آئینی ترمیم کی روح، مقصد اور وجہ ریاستی مشینری کی جانب سے مطلوبہ استحقاق نہیں دیا گیا جس سے موجودہ بحران نے جنم لیا جب انتخابی قوانین میں متدعویہ ترمیم نے ریاست کے سب سے اہم قانون ساز حصے یعنی پارلیمنٹ میں اپنی راہ ہموار کر لی اور موثر قانون سازی کی شکل اختیار کی اور ملک گیر احتجاج، شور و غل اور عدم استحکام کو دعوت دی۔ اس صورت حال کا اس حد تک

استھصال ہوا کہ حکومتی مشینری غیر موثر ہو کر رہ گئی، عدالت عظیمی کے بھروس کی نفرت پر مبنی تقاریر سے علی لاعلان بے تو قیری کی گئی، وزیر موصوف کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا گیا، اور یہاں تک کہ تراجمم کی واپسی کے باوجود خوفناک سیاسی عزم کی تکمیل کے لئے احتجاج جاری رہا۔ یہ سب کیوں ہوا؟ اس صورت حال کے کیا عوامل تھے؟ دوسرے عوامل کو ایک طرف رکھتے ہوئے، اس بات سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ قادیانیوں کی مسلمانوں کے بھیں میں اعلیٰ عہدوں تک رسائی اس طرح کے عدم استھکام کا سبب بنتی ہے اور ان تنازعات میں اتنی طاقت پوشیدہ ہوتی ہے کہ ملک کے آئینی نظام کو ہلا کر کرکھ دے۔ ہماری ریاست میں قادیانیوں کا اثر و رسوخ کا اندازہ موجودہ قانونی تراجمم اور ان سے جنم لینے والے واقعات سے کیا جاسکتا ہے جب پوری پارلیمنٹ کو دھوکے سے ان کے عزم کے تابع اور ریغمال بنایا گیا۔

68۔ 1973 کے آئین کی اساس قرارداد مقاصد کے پاس ہونے کے دن سے قادیانی لائی، خاص طور پر دوسری آئینی ترمیم کے بعد جب انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا اور آرڈیننس 1984 کا اجراء کیا گیا جس میں انہیں باقاعدہ غیر مسلم قرار دیا گیا، پاکستان میں مذہبی آزادیوں پر پابندیوں پر آواز اٹھاتی رہی ہے اور اقلیتوں کے حقوق کو دبانے کا غلغله مچاتی رہی ہے جس کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہے اور جس کا مقصد محض ریاست پاکستان کو بدنام کرنا ہے۔ تحریک پاکستان جس کی اساس مسلمانان بر صغیر کی اس خواہش میں تھی کہ انہیں ایک عیحدہ مملکت چاہئے اور اسی لئے مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کی نظریاتی بنیاد کو مخصوص حقوق کیلئے ہضم کرنا آسان نہیں۔ اس تاثر کی نفع کے لئے بابا نعمت حسن کا پہلا اہم بیان 1941 میں آیا جو اقلیتوں کے حقوق سے متعلق تھا جس میں انہوں نے کہا: ”اسلام انصاف، مساوات، مناسب بر تاد، برداشت اور حقیقتی کے غیر مسلموں کے ساتھ سماوت کا تقاضا کرتا ہے جو ان کے ذریعے اطاعت ہوں۔“

ثانیاً 1942ء میں جب انہوں نے کہا کہ ”ان کے حقوق کا تحفظ اٹھائی ترین منتدریتی قرآن کے حکامات کے مطابق کیا جائے گا جیسا کہ قرآن کی اقلیت کے ساتھ منعکانہ سلوک کیے جائے کو ضروری قرار دیتا ہے۔“

69۔ 1943ء میں انہوں نے ایک ہندوو فدے بات چیت کرتے ہوئے اپنی بات دہرائی ”هم آپ کی اقلیتوں کا اس انداز سے بھی بہتر انداز میں سلوک روا رکھیں گے جو کوئی مہذب حکومت روا کرھتی ہے۔ کیونکہ اقلیتوں سے ایسے طرز سلوک کا خود قرآن میں حکم ہے:

واضح طور پر اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرنے میں ان کا سیاق و سبق اسلام تھا 14 جولائی 1947ء کی پریس کانفرنس میں جبکہ وہ نئی دہلی میں تھے۔ ان سے اقلیتوں کے مسئلے پر ایک مختصر بیان دینے کیے لیے کہا گیا تھا۔ ان کا جواب شفاف اور ٹھوس تھا ”اس وقت میں صرف نامذکور زر جزل ہوں“، انہوں نے کہا ”ایک لمحے کے لیے ہم یہ فرض کریں گے کہ 15 اگست کو میں پاکستان کا حقیقی گورنر جزل ہوں گا اس بنیاد پر مجھے یہ تانے دیجیے کہ میں اپنی اس بات سے جو میں اقلیتوں کے حوالے سے متواتر کہتا ہوں سے منحرف نہیں ہوں گا جب کبھی میں نے اقلیتوں کے بارے میں جو میرا مطلب تھا وہی کہا اور جو کچھ کہا وہی میرا مطالبا تھا۔

”انہیں ان کے حقوق اور استحقاق حاصل ہوں گے اور بلا شک و شبہ اسی کے ساتھ ان پر بطور شہری ذمہ داریاں بھی عائد ہوں گی۔“

مثال کے طور پر 11 اکتوبر 1947ء کو اپنی تقریر میں انہوں نے کہا: ”تقسیم ہند پر اتفاق اس صریح اور مقدس اقرار نامے کے ساتھ ہوا تھا کہ وہ لوگوں خود ہمار حکومتیں اقلیتوں کا تحفظ کریں گی اور یہ کہ ان اقلیتوں کو جب تک کہ وہ ریاست سے وفادار رہیں کوئی خوف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر حکومت ہند کی بھی

**پاپی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ابھی تک ہے تو انہی مسلمانوں کے خلاف اتنا می کارروائی کو روک دیا جائیے جو اگر جاری رہی وہ دونوں ریاستوں کے لیے بھی کے مترادف ہوگی”**

70۔ ان کی 130 اکتوبر 1947ء اور 25 جنوری 1948ء کی تقریبیں بھی اسی طرح کی ہیں اقلیتوں کو تحفظ دینے کے لیے انہوں نے حتیٰ کہ اسلامی تعلیمات سے استعانت حاصل کی: ”انہوں نے کہا اسلامی عقائد ہر مسلمان کو اپنے ہمساںیوں اور بلا امتیاز حسب ونسب کے اقلیتوں کے تحفظ کو لازم قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے امریکی عوام سے اپنے پیغام میں اسی بات کو دھرا یا انہوں نے کہا دستور پاکستان ابھی پاکستان دستور اسمبلی کی طرف سے وضع کیا جانا ہے میں نہیں جانتا کہ اس دستور کی حقیقی شکل کیا ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جمہوری طرز کا ہو گا جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر ہو گا جو کہ آج بھی اتنے ہی لاگو ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے تھے۔ اسلام اور اس کی فلسفہ تصوریت نے ہمیں جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ اسلام نے انصاف اور ہر شخص سے منصفانہ سلوک کی تعلیم دی ہے۔ ہم انہی شاندار روایات کے وارث ہیں اور اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کے حوالے سے پاکستان کے مستقبل کے دستور کے معمار ہونے کے ناطے پوری طرح بیدار ہیں۔“

71۔ قائدِ اعظم جانتے تھے کہ تحریک پاکستان کی مذہبی بنیاد غیر مسلموں میں یہ سنجیدہ غلط فہمی پیدا کر رہی تھی جو یہ خیال کرتے تھے کہ نئی ریاست ملائیت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ جناح نے اسلامی ریاست اور ملائیت کے ما بین فرق کو واضح کیا انہوں نے کہا، ”کسی بھی صورت پاکستان ملائیت والی ریاست نہیں بن رہی ہے کہ اس پر کسی الہاتی مشن کے ساتھ ملک حکومت کریں ہمارے پاس بہت غیر مسلم، ہندو، عیسائی اور پارسی موجود ہیں لیکن وہ سب پاکستان کے معاملات میں مساوی جائز حصہ سے مستفید ہوں گے۔

72۔ بابائے قوم کی واضح یقین دہانی کے منظر پہلی آئین ساز اسمبلی میں پاس کی گئی قرارداد مقاصد میں کئے گئے اعلانات اور دی گئی آئینی ضمانتیں ہر طرح کے ابہام کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ اقلیتوں کا تحفظ اور ان کے حقوق اور استحقاقات کی فراہمی مسلم عقیدے کی روح ہے۔ اگر ایسی آئینی ضمانتیں نہ ہوتیں تو بھی مسلم امہ کی تاریخ، خاص طور پر بصیر میں مسلم راج کی تاریخ از خود اقلیتوں کی دلکشی بحال کی عدمہ مثال ہے۔ اس احساس ذمہ داری کی اساس قرآن اور سنت کی تعلیمات میں پائی جاتی ہے جن پر عمل کرتے ہوئے مسلمان ہر طرح کی صورت حال میں لوگوں سے انصاف کرتے ہیں۔ 20 ویں صدری کے مشہور مسلم مفکر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی مشہور کتاب ریاست کا مسلم کردار میں شریعت کے تابع غیر مسلموں کو حاصل حقوق کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”اسلامی قانون نے مسلم اور غیر مسلم عوام میں فرق کو کلوڑ خاطر رکھا ہے۔ بہت سے اقوام سے غیر مسلم زیادہ بہتر حالت میں ہیں۔ وہ اضافی جائیداد پر لگنے والے لگن (زکاۃ) سے مبراہیں جو تمام مردوں کو رکن، جهان یا بارہ میں مسلمان 2.5 فیصد کے حساب سے اپنے کیش، کاروباری سامان، مویشیوں کے گلے وغیرہ پر ادا کرتے ہیں جو کہ جیسا ہا بادی جائیں روپے (دو سے دس پاؤ بڑا) کم از کم ہے۔ ان پر چادر بھی فرض نہیں ہے جبکہ تمام مسلمانوں پر حریق خدمت لازم ہے۔ وہ ایک اقوام سے خود عذاری سے لف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کے تقدیمات میں ان کے ہم ذمہ اپنے مالکی نیلی تو انہیں کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں ان کی زندگی اور جائیداد کی اسی طرح حنفیت کی جاتی ہے جس طرح مسلمانوں کی جاتی ہے۔ اس سب کے جواب میں ان پر لازم ہے کہ وہ 12 سے 48 درہم (تقریباً دو سے آٹھ روپے) فی کس ادا کریں جبکہ انہیں بہت سے استثنات حاصل ہیں:

”فی کس محصول صرف مردوں سے لیا جاتا ہے خواتین اونچے مستنسنی ہیں۔ امیروں کو 48 درہم ادا کرنے پڑتے

ہیں، درمیانے درجے کے شخص کو 24 اور اپنی روزی کمانے والے دستکار کو ایک کسان کی طرح صرف 12 درہم ادا کرنے ہوتے ہیں جو کہ سال میں صرف ایک بار وصول کیے جائیں گے نقد قسم کے بجائے وہ اس کی قدر بھی ادا کر سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ فی کس محسول اس مقامی فرد سے بھی وصول نہیں کیا جاتا جو صدقہ خیرات لیتا ہے، اور نہ اس ناپینا سے جس کا کوئی پیشہ نہیں اور نہ وہ کوئی کام کرتا ہے اور نہ ہی شدید بیمار مرد سے جو صدقہ خیرات لیتا ہے نہ ہی لوے لٹکڑے سے ماسوائے ان شدید بیمار اور لوے لٹکڑوں سے اور انہوں سے جو امیر ہیں۔ نہ ہی خانقاہوں میں رہنے والے راہبوں سے نہ ہی ان بوڑھوں سے جونہ تو کام کر سکتے ہیں نہ ہی ان کے پاس دولت ہے اور نہ کسی پاگل سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور اے امیر المؤمنین خدا تری مدد کرے یہ ضروری ہے کہ تم بھی ان لوگوں کو تحفظ و جنہیں تیرے پیغمبر اور ترے پچازاد بھائی محمدؐ (یعنی غیر مسلم رعایا) کو نرمی کے ساتھ تحفظ دیا تھا اور ان کے حالات معلوم کرتے رہوتا کہ نہ ان پر ظلم ہو اور نہ انہیں کوئی تکلیف پہنچ نہ ان کی گنجائش سے بڑھ کر محسول لگایا جائے نہ ہی ان سے ان کی ملک کوئی شے ماسوائے اس محسول کے جس کا ان پر بارہو، وصول کی جائے جیسا کہ پیغمبرؐ خدا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ”جو کوئی کسی غیر مسلم رعایا پر ظلم کرے یا اس کی حیثیت سے بڑھ کر محسول لگائے تو میں اس کے ساتھ ایک فریق ہوں گا“ اور وہ آخری الفاظ جو خلیفہ عمرؐ ابن خطاب نے اپنے بستر مرگ پر بولے وہ درج ذیل ہیں۔ ”میں اپنے جانشین کو ان لوگوں کے ساتھ جن (یعنی غیر مسلم رعایا) کی حفاظت اللہ کے رسولؐ نے فرمائی، جس نے سلوک کی نصیحت کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ کئے معاهدے کی مکمل پاسداری ہوئی چاہئے اور ان کی زندگی اور ملک کا دفاع جنگ لڑ کر بھی کیا جانا چاہئے۔ ان کی حیثیت سے زیادہ ان پر محسول نہیں لگانے چاہئیں۔“ ایک مرتبہ حضرت عمرؐ ایک گلی سے گزرے جہاں کوئی شخص خیرات مانگ رہا تھا وہ بوڑھا اور ناپینا تھا۔ عمرؐ نے اس کی پشت سے کندھا تھیتھیا اور پوچھا تم کس قوم سے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ایک یہودی ہوں انہوں نے کہا تھے کسی چیز نے اس بات پر مجبور کیا ہے جو میں تھھ میں دیکھتا ہوں۔ اس نے جواب دیا: مجھے فی کس محسول دینا ہوگا؛ میں غریب ہوں؟ اور بوڑھا ہوں۔ اس پر عمرؐ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے اپنی ذاتی خزانے سے کچھ دیا۔ پھر انہوں نے نے بیت المال (ریاستی خزانہ) کے خزانچی کو یہ فرمان بھیجا: ”اسے دیکھوا اور اس کی قوم کو دیکھو۔ خدا کی قسم ہم انصاف نہیں کر رہے ہوں گے اگر ہم اس کی جوانی کو کھاجائیں اور اسے بڑھاپے میں اکیلا چھوڑ دیں۔ حکومتی محسولات غریبوں اور مقامی لوگوں کے لیے ہیں۔“ غریب سے مراد مسلمان ہیں اور صحیفوں میں یہ مقامی ہے اور عمرؐ نے اس پر اس کی قوم پر فی کس محسول ختم کر دیا۔ (امام ابو یوسف۔ کتاب الحرج، ص 69-72)

اسی طرح غلام بھی اس محسول سے مستثنی ہیں۔ اگر غیر مسلم رعایا اپنی مرضی سے فوجی خدمات سرانجام دے تو وہ خدمات کے دوران اس سے مستثنی ہیں۔ ایسی مثالیں موجود ہیں جب شاندار خدمات کے صلے میں یہ محسول معاف کر دیا گیا جیسے کہ مثال کے طور پر خلیفہ عمرؐ نے کیا جب ایک غیر مسلم نے قاہرہ سے بھیرہ احمد تک نہر کھونے کے لئے جگہ کے تعین میں مدد کی۔ اوپر کی گئی بحث کے تناظر میں اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرے چونکہ ملکی آئین نے اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا ہے۔

73۔ اب اس تاریخی لپس منظراً اور تناظر میں عدالت ہذا آسمانی آئینی درخواستوں میں اٹھائے گئے تنقیحات کے جواب دے سکتی

ہے۔ جہاں تک پہلی استدعا کا تعلق ہے، یہ پارلیمنٹ کے لئے ہے جو حقیقی ارادے کی وضاحت کر سکتی ہے لیکن بادی انظر میں یہ تاثر ابھرتا ہے کہ بل کا مسودہ تیار کرنے والوں نے قادیانیوں کو اکثریت کے حلقے میں لانے کی ایک سوچی تجھی اور مبنی برحرک کوشش کی تھی تاکہ ان کی بطور غیر مسلم علیحدہ شناخت کو ختم کیا جاسکے۔ میں سخت تشویش کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ قومی اسمبلی اور سینٹ کے تمام اراکین، (جماعتی وابستگی سے بالاتر) اس کے محکم، غلطی اور سادہ قانون، جس کی قانون میں اجازت نہیں، کے ذریعے آئینی ترمیم کو بگاڑنے کے لئے کی جانے والی کوشش کو بھانپنے میں ناکام رہے۔ عدالت کا انحصار بی ایل ڈی 2010 سپریم کورٹ  
265 (ڈاکٹر ہسن ہام فڈریشن آف پاکستان)، بی ایل ڈی 2006 سپریم کورٹ 602 (مبین الاسلام ہام فڈریشن آف پاکستان)، 2004 ایم ہی ایم آر 312 (فلام مصلحت انصاری ہام گورنمنٹ ہنگاب)، 2002 ایم ہی ایم آر 312 (رمان سینٹ کہنی ہام سٹرل ہوڈ آف روپنگ)، بی ایل ڈی 1999 سپریم کورٹ 504 (لیاقت حسین ہام فڈریشن آف پاکستان)، 1999 ایم ہی ایم آر 1402 (کلفر آف کشم ہام شپ سینگ ٹرو) اور بی ایل ڈی 1967 لاہور 227 (اے ایم خان لخاری ہام گورنمنٹ آف پاکستان)۔

74۔ میری رائے میں پارلیمنٹرین نے یا تو بہت عمومی رویے کا مظاہرہ کیا یا مسئلے کی حساسیت کو سمجھنے سے قاصر ہے اور اس ضمن میں آئین کے خلاف بننے گئے جال کو افشا کرنے میں ناکام رہے۔ یہ افسوسناک ہے کہ توجہ دلانے کے باوجود پارلیمنٹرین کی اکثریت اس نازک مسئلے کو مطلوبہ اہمیت اور توجہ دینے میں ناکام رہی جو 22 ستمبر 2017، جمع کے روز منعقد ہونے والے سینٹ کے 267 ویں اجلاس کی کارروائی سے ظاہر ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ تفصیلی جانچ پڑتاں کا متقاضی ہے اس لئے عدالت ہذا کے لئے کسی ایک فرد، جماعت یا گروہ کو علیحدہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم اس ضمن میں ظفر الحق رپورٹ متعلقہ ہے جو ضمیمہ ”الف“ کے طور پر مسلک کی گئی ہے اور یہ عدالت اسے جاری کرنے کا حکم دیتی ہے۔ سہولت کی غرض سے اس رپورٹ کے متعلقہ حصے یہاں پر بیان کئے جا رہے ہیں:-

..... 9”

(الف) .....

(ب) .....

(ج) .....

(د) .....

(ح) 24 مئی 2017 کو منعقدہ اپنے 19 ویں اجلاس میں ذیلی کمیٹی نے ایکشن بل کے مسودہ پر غور کیا۔ فارم نمبر XXIII، XXVII اور CXXVII میں ممبر قومی اسمبلی انوشه رحمن اور شفقت محمود نے دوبارہ سے مسودہ تیار کیا تھا اور یہ فیصلہ کیا تھا کہ سب کمیٹی کے اگلے اجلاس میں ٹیٹیٹ مسٹر انوشه رحمن فارمز کا ازسرنو جائزہ اور دوبارہ سے اس کا مسودہ تیار کر سکتی ہیں۔“

”11۔ بعد میں، تمام پارلیمانی پارٹیوں کے رہنماؤں سے سپیکر قومی اسمبلی نے رابطہ کیا تھا اور انہیں اس مسئلے کی نزاکت کا احساس دلایا تھا اور 4 اکتوبر 2017 کو سپیکر کی جانب سے بلائی گئی میٹنگ میں اتفاق کیا گیا اور ایکشن (ترمیم) ایکٹ 2017 کے ذریعے ڈکٹریشن کے اصل الفاظ کو بحال کر دیا گیا تھا۔

12۔ تمام سیاسی پارلیمانی جماعتوں نے ابتداء میں اتفاق کیا کہ کنڈکٹ آف جزل الائکشنر ایکٹ 2002 کی شق 7 بی اور 7 سی کو اصل حالت میں بحال کیا جائے۔ نتیجتاً، ان دفعات کو بحال کرنے کے لئے ترمیم کی گئیں۔ اسے متذکرہ بالا الائکشنر (ترمیم) ایکٹ کے ذریعے بھی لا گو کیا گیا۔ (لفجی)

13۔ بعد میں تمام سیاسی جماعتوں کے اتفاق رائے سے الائکشن ایکٹ 2017 میں دفعہ A48 کے ذریعے پہلے کنڈکٹ آف جزل الائکشنر ایکٹ 2002 کی شق 7 بی اور 7 سی کو بہتر انداز میں حصہ بنایا گیا۔ نئی دفعہ A48 کے اضافہ سے شق 7 بی اور 7 سی کو فعال کر دیا گیا جسے 15 برس پہلے 2002-06-26 کو غیرفعال کیا گیا تھا (ضمیمه اپیچ)

14۔ وفاقی وزیر برائے قانون و انصاف زاہد حامد نو پارلیمانی کمیٹی برائے انتخابی اصلاحات کے رکن اور اس کی ذیلی کمیٹی کے کنویز تھے، اس مسئلے پر منعقد ہونے والی ایک میٹنگ میں اس حقیقت کو تسلیم کیا بنیادی طور پر یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ آیا مسودہ میں کوئی تنازع شے تو موجود نہیں ہے تاہم اس کے مطابق وہ اپنی قانونی عقل و فہم، تجربے اور اس زبان پر عبور ہونے کے باوجود فرض کی ادائیگی میں ناکام رہے۔

15۔ اس کمیٹی کے علم میں آیا کہ پی سی ای آر کی ذیلی کمیٹی کی 93 ویں میٹنگ کا ریکارڈ اپنے منسلقه دستاویزات سمیت (جس میں نیا آسان نامزدگی فارم بھی تھا) قومی اسمبلی سیکرٹریٹ کے ذریعے مشتمر ہونا تھا لیکن ذیلی کمیٹی کے کنویز نے تو میں اسملی کے افسر سے کہا کہ وہ ان کو مشتمر نہ کرے اور یہ بات 22 جون 2017 کے ریکارڈ میں موجود بھی ہے۔ درج بالا تھائے کے تاثر میں یہ ظاہر ہے کہ ایسے حساس اور مقدس معاملے پر ذیلی کمیٹی کے کنویز، پی سی ای آر کے رکن اور وفاقی وزیر برائے قانون و انصاف زاہد حامد کی ناکامی تھی۔

16۔ جب حتیٰ مسودہ کو منظوری کے لئے پی سی ای آر کو اس کی 25 ویں میٹنگ میں بھیجا گیا، پارلیمانی پارٹیوں کے اراکین نے ختم نبوت سے متعلق ڈکٹریشن میں تبدیلی پر دھیان نہیں دیا۔

چونکہ قانون میں ضروری ترمیم پہلے ہی کردی گئی تھیں اس لئے عدالت کے لئے یہ مناسب نہیں کہ معاملے پر تفصیل میں جائے مساوئے اس کے الائکشن کمیشن آف پاکستان کا اصول و خوابط بنانے کے اختیارات کا ازسرنو جائزہ لینے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک سنجیدہ تشویش پائی جاتی ہے کہ کوئی ایسا اصول اور ضابطہ جو قانون کے مقاصد یعنی مذہب کا ظاہر کرنا کہ آیا ایک شخص مسلمان ہے یا غیر مسلم کے لئے عمل میں لایا گیا تو اس سے امن و امان کی صورت حال اور آئین کے فرمان کو چیخ کرنے کے متادف ہوگی۔ یہاں یہ کہنا بجا ہوگا کہ ایسے اقدامات کرنے چاہئے جن سے یقینی ہو سکے کہ ہر پارلیمنٹرین کو دوسری آئین ترمیم کے پاس ہونے کے موقع پر ہونے والی پارلیمانی بحث سے مناسب آگاہی دی جائے۔

75۔ بلاشک و شبہ، 7 ستمبر 1974 جب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر دوسری آئینی ترمیمی بل پاس کیا وہ ہر مسلمان کے لئے ایک بڑی خوشی کا موقع تھا لیکن بد قسمتی سے مخصوص قوانین اس آئینی ترمیم کو بڑھاوانہ دے سکے۔ دوسری جانب، قادیانیوں نے مختلف طریقوں اور بہانوں سے دوسری آئینی ترمیم کے مقاصد کو بگاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ قادیانیوں (کے دونوں گروہوں کو) غیر مسلم قرار دینے کے بعد ان کی علیحدہ شناخت، پہچان اور چھان میں کے لئے کچھ اقدامات ضروری تھے کیونکہ قادیانی دوسری اقلیتوں کی طرح نہیں ہیں جنھیں اپنی ظاہری شکل و صورت، ناموں، عقائد اور طریقہ عبادت سے بآسانی پہچانا جا سکتا ہے۔ جبکہ قادیانیوں کے مسلمانوں جیسے نام، ظاہری خدو خال اور حتیٰ کہ ان کی عبادات بھی ملتی جلتی ہیں اس لئے انکی علیحدہ شناخت کے حوالے سے ابھام

انہیں غیر مسلم قرار دینے سے ختم ہو سکتا تھا لیکن یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ مثال کے طور پر ”احمد“، کا نام قادیوں سے مختص ہے اور اسی بنیاد پر وہ احمدی کہلاتے ہیں جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے کیونکہ ”احمد“ کا نام نامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے موسم ہے جنھیں دیگر نہ ہمی کتب کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس نام سے پکارا ہے۔ مسلمان اس نام کے حوالے سے بہت جذباتی ہیں اور کسی فرد کے پہلے تعارف یا ملاقات میں اس کا نام اس کے مذهب کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کی موجودہ آیت کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بْنَى إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ  
مُصَدِّقًا لِمَا بِيْنَ يَدَيَ مِنَ التُّورَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي  
اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبُيْنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ (6)

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں (پھر) جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔“ (سورۃ الصف آیت نمبر 6)

76۔ اس لئے حالات کا تقاضا ہے کہ قادیانیوں کو غلامان مرزا یا مرزا ی سے تعبیر کیا جائے اور کسی صورت احمدی نہ پکارا جائے کیونکہ یہ اصطلاح اور حوالہ ان مسلمانوں کو الجھن میں ڈالتا ہے جن کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر عقیدہ ہے۔ قادیانیوں کو اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ مسلمانوں جیسے نام رکھ کر اپنی شناخت کو خفیہ رکھیں اس لئے ان کو یا تو مسلمانوں سے ملتے نام رکھنے کی ممانعت ہونی چاہئے یا متبادل کے طور پر قادیانی، غلام مرزا یا مرزا کو اس کے نام کا حصہ بنایا جانا چاہئے اور اس کا تذکرہ بھی کیا جائے۔

77۔ ادارہ شماریات پاکستان کے جمع کردہ ڈیٹا کے مطابق، 1981 اور 1998 کے سالوں میں صوبوں کی سطح پر کی جانے والی مردم شماری کے مطابق قادیانیوں کی آبادی کچھ یوں ہے:-

نمبر شمار	(پاکستان)	لُٹل	۲	قادیانی (احمدی)	۱۹۸۱ مردم شماری	۱۹۹۸ مردم شماری
۱						
شمال مغربی سرحدی صوبہ رخیبر پختونخواہ	شمال مغربی سرحدی صوبہ رخیبر پختونخواہ	۱۱,۳۶۰	104,244	286,212	42,162	6,541
فاطما						

181,428	63,694	پنجاب
43,524	21,210	سنڌ
9,800	5,824	بلوچستان
2,757	1,183	اسلام آباد

جبکہ نادرہ نے ان لوگوں کی تفصیلات فراہم کیں جو دوسرے مذاہب پسمند احمدی رقادیانی سے اب تک مسلمان ہوئے جو کچھ یوں

ہے:

تعداد	مذہب
162	افریقی تہذیب
120	دہریت
11697	بہائی
143	بدھ مت
131	چائی گروہ
9363	عیسائیت
3072	ہندو مذہب
26	یہودیت
1	کالاشہ
25	غیر مذہب
6843	دوسرے
51	شتو مذہب
211	سکھ
3	علم روحانی
1	خدا پر اعتقاد نہ رکھنے والے چینی مذہب
211	پارسی
32060	جزوی تعداد
6248	احمدیہ
38488	کل تعداد

ان مسلمانوں کی تفصیلات جنہوں نے مذہب اسلام سے دوسرے مذاہب پسمند قادیانیت میں شمولیت اختیار کی درج ذیل ہیں:

تعداد	مذہب
-------	------

113	افریقی تہذیب
106	دہریت
190	بہائی
31	بدھ مت
58	چینی گروہ
4749	عیسائیت
2097	ہندو مذہب
78	یہودیت
8	کالا شہ
54	غیر مذہب
61	دوسرے
32	شتو مذہب
127	سکھ
3	علم روحانی
5	خدا پر اعتقاد نہ رکھنے والے چینی مذہب
54	پارسی
7766	جزوی تعداد
10205	احمدیہ
17971	کل تعداد

78۔ ریاستِ پاکستان مخصوص طریقہ کار اور نئے سامنے اقدامات کے ذریعے اس اقلیت کی اصل تعداد کا پتہ چلائے۔ یہ ایسی صورت حال میں مزید ضروری ہو جاتا ہے جب اس اقلیت کی ایک بڑی تعداد اصل شناخت چھپاتی ہے اور مسلمان ہونے کا غلط تاثر دیتی ہے۔ جزبل پرویز مشرف کے آمرانہ دور میں، ہر کسی نے قادیانیوں کی جانب سے طاقت کی راہداریوں تک رسائی کو محسوس کیا تھا اور یہ تشویش کا باعث بنتا رہا ہے۔ طارق عزیز (ایک سرکاری افسر جو قادیانی تھا) نے صدر جزبل پرویز مشرف کے پرنسپل سیکرٹری ہونے کے ناطے اپنا کردار ادا کیا اور مختلف مکملوں میں قادیانیوں کی شمولیت کو یقینی بنایا۔ ان میں آئینی عہدے بھی شامل ہیں اور اس وجہ سے مختلف اہم حساس نویعت کے معاملات میں قادیانیوں کو مشاورت کا حصہ بنادیا۔ یہاں دوبارہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتنے پاکستانی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر کا پرنسپل سیکرٹری آئین پاکستان کے آرٹیکل 260(3)(a)(b) کے تحت مسلمان تھا یا غیر مسلم تھا۔ حال ہی میں واحد نشمس الحسن نے قادیانیوں کے سرپرست ملک برطانیہ میں قادیانیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اپنے قادیانی عقیدے کو افشا کیا ہے۔

79۔ یہاں یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ پاکستان کا ہر شہری بلا امتیاز نسل، ذات، عقیدہ یا مذہب کے زندگی کا حق رکھتا ہے اور آئین کی

حدود میں اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ تاہم، چونکہ قادیانیوں کو پہلے ہی غیر مسلم فرار دیا جا چکا ہے، اس لئے ان کو دیگر اقلیتوں کی طرح ہی تصور کیا جانا چاہئے جن کو آسانی شناخت کر لیا جاتا ہے اور اپنے ناموں سے اپنے مذہب کو چھپانے کا اہتمام نہیں کرتے۔

80۔ یہ عدالت تنقیش کے ساتھ اس بات کا بھی جائزہ لیتی ہے کہ مذہب تبدیل کرنے کا عمل جو خصوص افراد کی جانب سے حکام کو دھوکہ دینے کے لئے شروع کیا گیا ہے اور وہ ایک ایسے مذہب کا فائدہ اٹھاتے ہیں جن سے وہ تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ اس بات کا اطلاق ان تمام افراد پر ہوتا ہے جنہوں نے عقیدے کے طور پر نہیں بلکہ بے بہافونڈ سمسٹنے کے لئے مذہب تبدیل کیا ہے۔ نادر ریکارڈ کے مطابق ایسے افراد کے حوالے سے جنہوں نے وفاقی تحقیقاتی ادارے کی رپورٹ کے مطابق مذہب تبدیل کر کے یروں ملک سفر کیا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

81۔ ملک کے وسیع تر مفاد میں عدالت ایسے افراد کے نام ظاہر کرنے سے باز رہے گی جو قادیانی عقائد رکھتے ہیں مگر انہوں نے اپنی مذہبی شناخت چھپا کر بیورو کریمی، عدالیہ، فوج، نیوی، ایئر فورس اور دیگر حساس اور اہم اداروں میں اعلیٰ عہدے حاصل کئے ہیں کیونکہ اس سے بد مزگی پیدا ہو گی مگر اس روشن کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ ملک کے ہر شہری کا حق ہے کہ وہ ایسے افراد کے بارے میں جانے جو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں وہ کس مذہبی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، جو لوگ ان کے پھوٹ کے لئے نصاب ترتیب دیتے ہیں کن مذہبی عقائد کے حامل ہیں، جو لوگ ان کی پالیسیاں مرتب کرتے ہیں ان کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا تکریم دیتے ہیں، وہ لوگ جو سفیر ہیں اور ان کے اسلامی نظریے کے نمائندہ ہیں اور دنیا بھر میں اس کا پروپریٹر کرنے کے لئے تعینات ہیں کون سے نظریے کی تشویح کرتے ہیں اور کس کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں اور سب سے آخر میں لیکن اتنی ہی اہم بات ہے کہ وہ لوگ جن کے ذمے پاکستان کا دفاع ہے وہ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟ یہ ریاست کی ذمہ داری تھی اور بالخصوص وفاقی حکومت کی لیکن یہ اس سے عہدہ برآ ہونے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے جس وجہ سے عدالت احکامات جاری کرنا ضروری سمجھتی ہے۔

82۔ مختصر حکم کی درج ذیل وجوہات ہیں۔ تمام تبصرے اور احکامات جن کی تفصیل یہاں ہے وہ 9.3.2018 کے حکم کا حصہ ہوں گے اور ان کو درج ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:-

1۔ اسلام اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین بھرپور مذہبی آزادی فراہم کرتا ہے جس میں اقلیتوں (غیر مسلموں) کے بنیادی حقوق شامل ہیں۔ یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ان کی زندگی، دولت، جائیداد، عزت اور ان کے اثاثوں کا بطور پاکستان کے شہری کے تحفظ کرے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 5 کے تحت، ہر شہری کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ ریاست سے وفادار رہے اور قانون اور آئین کے تابع رہیں۔ یہ قانون ان پر بھی لاگو ہوتا ہے جو پاکستانی شہری نہیں ہیں لیکن اس وقت پاکستان میں رہ رہے ہیں۔

2۔ پاکستان کے ہر شہری کے لئے لازمی ہے کہ مخصوص کو ائف پر مشتمل اپنی شناخت حاصل کرے۔ کسی مسلمان کو اجازت نہیں ہے کہ اپنی شناخت کو بطور غیر مسلم کے بھیں میں رکھے اور کسی غیر مسلم کو حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے۔ کوئی بھی شہری جو ایسا کرتا ہے ریاست سے دھوکہ دہی کا مرتكب ہو گا اور آئین کے استھصال کا مرتكب قرار پائے گا۔

3۔ آئین کے آرٹیکل (b)(3) میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تعریف کی گئی ہے جس پر قوم کا اتفاق ہے۔ بدقسمتی سے اس علیحدگی کے معیار پر قانون سازی نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے ایک غیر مسلم اقلیت اپنے آپ کو مسلم اکثریت کا

حصہ ظاہر کر کے اپنی اصل شاخت کو چھپاتا ہے اور ریاست سے دھوکہ دہی کا مرتب ہوتا ہے جس کی وجہ سے پچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ انتہائی نویعت کے اہم آئینی تقاضوں کی راہ بھی ہموار ہوتی ہے۔ اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کی ایک روپورٹ کے مطابق اس سے متعلقہ کسی بھی سرکاری ملازم کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہے جو خطرناک امر ہے اور ایک بڑا دھپکے کے مترادف ہے اور یہ آئین کی روح اور تقاضوں کے بھی منافی ہے۔

4۔ پاکستان میں رہنے والی اکثر اقلیتیں اپنے ناموں اور پہچان کے اعتبار سے علیحدہ شاخت رکھتی ہیں لیکن آئین کے مطابق ان اقلیتوں میں سے ایک اقلیت اپنے ناموں اور ظاہری لباس کے اعتبار سے علیحدہ شاخت نہیں رکھتے جس سے بحرانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اپنے ناموں کی وجہ سے وہ آسانی سے اپنا عقیدہ چھپا سکتے ہیں اور ایک مسلم اکثریت کا حصہ بن سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں، وہ مکرم اور حساس عہدوں تک رسائی بھی پاسکتے ہیں اور جملہ مفادات حاصل کر سکتے ہیں۔

5۔ اس صورت حال کو سنبھالنا اہم ہے کیونکہ ایک غیر مسلم کی آئینی عہدوں پر تعیناتی ہمارے مقامی قانون اور رسومات کے منافی ہے۔ اسی طرح، غیر مسلم مخصوص آئینی عہدوں کے لئے منتخب بھی نہیں ہو سکتے ہیں۔ اکٹزاداروں / شعبوں بشوں پارلیمنٹ کی ممبر شپ، اقلیتوں کے لئے مخصوص نشستیں ہیں۔ اسی لئے جب کسی اقلیتی گروہ کا کوئی رکن اپنے اصل مذہبی عقیدے کو دھوکہ دہی سے چھپاتا ہے اور اپنے آپ کو مسلم اکثریت کا حصہ ظاہر کرتا ہے تو وہ آئین کے الفاظ اور روح کی نفعی کر رہا ہوتا ہے۔ اس پامالی سے محفوظ بنانے کے لئے ریاست کو فوری اقدامات کرنے چاہئے۔

6۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا معاملہ ہمارے مذہب کا مرکزی نقطہ ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے اس کی حفاظت اور پاسداری کرے۔ پارلیمنٹ بحیثیت ایک اعلیٰ معزز زادارے کے پاکستانی قوم کے نمائندہ ہونے کے ناطے اس مذہبی روح کی حفاظت ہے۔ اس صورت حال میں، یہ مسلم اکثریت کا حق ہے مناسب آگاہی اور حساسیت کی توقع رکھے۔ ختم نبوت کے بنیادی عقیدے کے تحفظ کے علاوہ، پارلیمنٹ کو ایسے اقدامات بھی کرنے چاہئے جو ان کا قلع قلع کر سکے جو اس عقیدے کو داغ لگانے کی کوشش کرے۔

7۔ یہ حقیقت قابل تعریف ہے کہ ایکشن ایکٹ 2017 میں خرابی ظاہر ہونے کے فوری بعد پارلیمنٹ نے اجتماعی داش اور فہم کے ذریعے معاملے کی طرف مکمل حساسیت کا مظاہرہ کیا اور اسے مطلوبہ تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ یہ معاملات حساسیت اور اتحاد کے طالب ہیں۔ سینیٹر راجہ ظفر الحسن بطور وکیل اپنے قانونی عقل و فہم کے حوالے سے اچھی شہرت کے حامل ہیں اور ایک تجربہ کار قانون ساز بھی ہیں جنہوں نے کمیٹی کی صدارت کرتے ہوئے بہت اعلیٰ روپورٹ بنائی۔ مزید برآں، اپنی دیانتداری اور داش کی مدد سے انہوں نے تمام نکات کا سیر حاصل احاطہ کیا ہے جس نے تمام منقی تاثرات ختم کر دیا۔ اب یہ پارلیمنٹ کا کام ہے کہ وہ اس معاملہ پر مزید بحث کرتی ہے یا نہیں۔

8۔ یہ ریاست کے لئے لازمی ہے وہ جذبات اور مذہبی عقائد کا تحفظ کرے اور اقلیت کے حقوق کا ریاست پاکستان کے آئین کے مطابق اعلان کردہ مذہب ”اسلام“ کے مطابق تحفظ کرے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان اقدامات کا مقصد معاشرے کو بحران سے بچانا ہے اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے جن کی آئینی ضمانتوں کے مطابق جدا گانہ مذہبی شاخت ہے اور جو وہ بطور پاکستان کے شہری کے حق رکھتے ہیں۔ درج بالا بحث کی روشنی میں عدالت درج ذیل قرار دیتی ہے اور حکم دیتی ہے کہ:-

1۔ قومی شناختی کارڈ، پاسپورٹ، پیدائشی پرچی اور فہرست رائے دہندگان میں اندرج کے لئے درخواست دہنہ کو آئین کے آرٹیکل (b)(3) کے مطابق مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تعریف کی بنیاد پر ایک بیان حلقوی دینا ہو گا۔

2۔ اوپر بتائے گئے بیان حلقوی کو تمام حکومتی اور نیم حکومتی اداروں خصوصاً عدالیہ، آرٹیفرورسز اور رسول سروبرز میں تعیناتی کے لئے لازمی قرار دیا جائے۔

3۔ نادر کو کسی بھی شہری کے لئے وقت کا تعین کرنا چاہئے جو اپنے پہلے سے دیئے گئے کوائف میں، خصوصاً مذہب کے خانے میں، درشنا / تبدیلی کا خواہاں ہے۔

4۔ پارلیمنٹ آئینی تقاضوں اور معزز سپریم کورٹ آف پاکستان اور لاہور ہائیکورٹ لاہور کے بنیادی قانونی اصولوں روپورٹ شدہ کیس لاء بالترتیب (1993ء میں ایم آر 1784 اور پی ایل ڈی 1992 لاہور 1) کی روشنی میں ضروری قانون سازی کرے اور مر وجہ قوانین میں مطلوبہ ترمیم متعارف کروائے تاکہ اس امر کو یقینی بنایا جا سکے کہ 'اسلام' اور 'مسلمانوں' کے لئے استعمال ہونے والے خصوصی اصلاحات کسی اور اقلیت کو اپنی شناخت چھپانے یا کسی اور مقصد کے لئے استعمال کی اجازت نہ ہو۔ اسلامیات / دینیات کی بطور مضمون تعلیم کے لئے ہر ادارے پر مسلم اساتذہ کی موجودگی لازمی قرار دی جائے۔

5۔ حکومت پاکستان تمام شہریوں کے درست کوائف کی مستیابی کو یقینی بنانے کے لئے خصوصی اقدامات کرے تاکہ کسی بھی شہری کے لئے اپنی شناخت کو چھپانا ممکن نہ ہو۔ حکومت کو ایسے اقدامات بھی فوری طور پر یقینی بنانے چاہئے تاکہ نادر اور حالیہ مردم شماری کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اعداد و شمار میں موجود خطرناک فرق کی تفہیش ہو سکے۔

6۔ یہ ریاست پر لازم ہے کہ مسلم امہ کے حقوق، احساسات اور مذہبی عقائد کا خیال رکھے اور اس بات کو بھی یقینی بنائے کہ ملک کے آئین میں اعلان کردہ مذہب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرے۔

83۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تمام فاضل وکلاء، آئینی ماہرین اور مذہبی دانشوروں نے کارآمد حصہ ڈالا ہے اور پوری دیانتداری سے عدالت کی معاونت کی ہے جس کی عدالت ہذا بھرپور تعریف کرتی ہے۔ اسی طرح، مختلف حکومتی شعبوں کے افسران کی شمولیت جو کہ عدالت ہذا کے سامنے گا ہے گا ہے پیش ہوئے بھی لا اُقت تحسین ہے۔ مزید برآں، فاضل ڈپٹی اٹارنی جزل ارشد محمود کیانی کا کردار بھی قبل تعریف ہے جنہوں نے محنت اور لگن سے کام کرتے ہوئے عدالت کی جانب سے تفویض کی گئی تمام ذمہ داریوں اور کاموں کی کامیابی سے تکمیل کی تاکہ درست نتائج تک پہنچا جاسکے۔

84۔ مختصر عدالتی حکم میں متذکرہ بالا کی شمولیت کے علاوہ میں عمران شفیق ایڈو و کیٹ کی معاونت کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے تحقیقی امور میں پوری دلجمی اور بے حد ذمہ داری کا مظاہرہ کیا۔

(شوکت عزیز صدیقی)

نج

اشاعت کیلئے منظور شد۔

